فقہ حنفی
پر
اعتراضات کے جوابات

جمع و ترتیب

پیر جی سید مشتاق علی شاہ

ناشر

پیر جی کتب خانہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ

نام کتاب ____ فقہ حنفی پر اعتراضات کے جوابات
مرتب ____ پیر جی سید مشتاق علی شاہ
تاریخ طبع اول ____ جولائی ۱۹۹۴ء
تاریخ طبع ثانی ____ جولائی ۲۰۰۹ء
تعداد ____ پانچ سو (۵۰۰)
قیمت ____
ناشر ____ پیر جی کتب خانہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ
مطبع ____ زاہد بشیر پرنٹنگ پریس لاہور

ملنے کا پتہ

۱......پیر جی کتب خانہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ
۲......مکتبہ قاسمیہ اردو بازار لاہور
۳......کتب خانہ مجیدیہ ملتان
۴......کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
۵......مکتبہ اہل سنت چک ۸۷ جنوبی سرگودھا
۶......قدیمی کتب خانہ آرام بازار کراچی

Eman graphics : 0321-743 81 91

فہرست مضامین

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ؕ

مُقدمہ

نَحْمَدُهٗ وَنُصَلِّيْ عَلٰى رَسُوْلِهِ الْكَرِيْمِ ۔ اَمَّا بَعْدُ!

برادرانِ اسلام! فرقہ غیر مقلدین کی طرف سے آئے دن کوئی نہ کوئی کتاب یا پمفلٹ سیدنا امام اعظمؒ، فقہ حنفی، اکابر اہل سنّت و جماعت حنفی، تصوّف اور صوفیاء کرام اور آج کل سارا زور تبلیغی جماعت اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریاؒ کے خلاف لگایا جا رہا ہے۔ تبلیغی جماعت کے خلاف لکھی جانے والی کتابوں میں سے چند یہ ہیں (۱) تبلیغی جماعت کا اسلام حصہ اوّل (۲) تبلیغی جماعت اپنے نصاب کے آئینہ میں (۳) تبلیغی نصاب قرآن و حدیث کی کسوٹی پر (۴) تبلیغی نصاب ایک مطالعہ، (۵) دیوبندی گمراہ فرقہ ہے اس سے بچو، (۶) تبلیغی جماعت اور توحید، تصوّف اور صوفیاء کرام کے خلاف چند کتابوں کے نام یہ ہیں: شریعت و طریقت مولانا عبدالرحمٰن لاہور، دین و تصوّف از مولانا یحییٰ گوندلوی، اہل توحید کے لیے لمحہ فکریہ، اور رسالہ الدّعوۃ وغیرہ، اس کے علاوہ دیوبندیت، دیوبندی بریلوی اصل میں دونوں ایک، عقائد علمائے دیوبند، دیوبندیت کے خدوخال۔ اس قسم کی کتابیں شائع کی جا رہی ہیں۔ ان سب میں جو مشترک بات ہے وہ یہ ہے اولیاء کرامؒ کی کرامات، کشف، الہام، رویائے صالحہ کا انکار پایا جاتا ہے۔ اور صحابہ کرامؓ، تابعینؒ، تبع تابعین، ائمہ اربعہؒ اور حضرات اولیاء کرامؒ خاص کر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، معین الدین چشتیؒ، نظام الدین اولیاءؒ، حضرت علی ہجویریؒ، مجدّد الف ثانیؒ،

امام غزالیؒ، شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور دیگر صوفیاء کرام کا نام لیکر انکی توہین کیگئی ہے اور بعض حضرات کی تو تکفیر بھی کی ہے اس جگہ تفصیل کا موقع نہیں ہے۔ غیر مقلدین نے اب اپنا تبلیغ کا انداز بدلا ہے۔ اب یہ لوگ رفع یدین، آمین، فاتحہ خلف الامام وغیرہ مسائل چھوڑ چکے ہیں اور علماء دیوبند کے وہ واقعات جو کرامات، کشف، الہام، رویا صالحہ پر مبنی ہیں پیش کر رہے ہیں پہلے یہ کام بریلوی حضرات نے کیا تھا جب علماء دیوبند شریعت کی روشنی میں انکی تردید کرتے تھے تو وہ جواب میں علماء دیوبند کے بزرگوں کے واقعات پیش کرتے تھے جیسا کہ زلزلہ وغیرہ کتابوں میں موجود ہیں اب بریلوی کتب سے سرقہ کر کے غیر مقلدین نے لکھنے شروع کیے ہیں۔ دوسری طرف کیپٹن مسعود الدین عثمانی، کمال احمد عثمانی، جماعت المسلمین، حقیقی جماعت المسلمین، حقیقی حزب اللہ، فرقہ غامدی، منکرین حدیث (پرویزی) یہ سب وہ لوگ ہیں جو کرامات، کشف، الہام کے سرے ہی سے منکر ہیں اور آج کل کے غیر مقلدین بھی یہی رائے رکھتے ہیں۔ پہلے غیر مقلد علماء میں حضرت مولانا عبد اللہ غزنویؒ، عبد الجبار غزنویؒ، بارک اللہ لکھوی، محمد بن بارک اللہ لکھوی، عبد اللہ روپڑی، ابراہیم سیالکوٹی، نواب صدیق حسن خانؒ، وحید الزمان، قاضی سلمان منصور پوری وغیرہ کرامات، کشف، الہام، رویا صالحہ کو مانتے تھے بلکہ انکے اثبات میں کتابیں بھی لکھیں کرامات اہل حدیث، اثبات الہام والبیعت اس پر شاہد ہیں سوانح مولانا عبد اللہ غزنوی جو عبد الجبار غزنوی اور مولانا غلام رسولؒ (قلعہ میاں سنگھ) نے لکھی ہے۔ یہ ایک ہی کتاب ایسی ہے جس میں کشف، الہام کے اتنے واقعات ہیں کہ کسی دیوبندی عالم کے اتنے نہیں ہونگے۔ اگر ہم بھی غیر مقلدین کی کتابوں میں سے وہ سب جمع کر دیں تو ایک بڑی کتاب تیار ہو سکتی تھی۔ زیر نظر کتاب آٹھ کتابوں کا مجموعہ ہے۔ پہلے یہ سب کتابیں الگ الگ شائع ہو چکی ہیں اب ان کو جمع کر دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ دینِ حق کی سمجھ عطا فرمائے اور ایمان پر خاتمہ فرمائے۔ آمین

تمت بالخیر

الجواب الکامل
فی
ازہاق الباطل

تالیف

مولانا امیر محمد میرٹھیؒ

ناشر
مکتبہ فاروقیہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ پاکستان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

تمہید

سُبۡحَانَکَ لَا عِلۡمَ لَنَاۤ اِلَّا مَا عَلَّمۡتَنَا اِنَّکَ اَنۡتَ الۡعَلِیۡمُ الۡحَکِیۡمُ

بعد حمد و صلوٰۃ کے واضح رائے ناظرین ہو کہ میرٹھ شہر میں چند دنوں سے ایک نیا فرقہ اہلِ اسلام میں سے نکلا ہے عام لوگ لامذہب کہتے ہیں اور اپنے سرگروہوں کو حق پرست جتاتے ہیں اور ماسوائے اپنے جس قدر اہل اسلام زمانۂ ائمہ کرام سے لے کر اس وقت تک ہوئے ہیں سب کو دین سے بے دین اور راہ سے بے راہ سمجھتے ہیں حالانکہ اس زمانہ طول طویل میں جس کا اندازہ بارہ سو برس سے کم نہیں ہے۔ لکھو کھہا علماء اور ہزارہا اولیاؑ اور سینکڑوں غوث اور قطب ہوئے ہیں اور ان کے واسطہ در واسطہ علم دین چلا آیا ہے مگر ان کے گمانِ فاسد میں کسی کو آج تک ہدایت نصیب نہیں ہوئی ہے اگر ہوئی ہے تو اس دورِ آخر میں ان چند آدمیوں کو نصیب ہوئی ہے اور وہ بھی اس طرح کہ دو کو یہاں اور چار کو وہاں، دس کو اس شہر میں بیس کو اس شہر میں باقی سب کے سب گمراہ اور بے دین رہے ہیں اور یہ نہ سمجھا کہ اس خام خیالی سے تو خود حدیثِ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو جھوٹا بنانا ہے اور سراسر اس کے خلاف کہنا ہے۔ پھر اس پر دعوائے عمل بالحدیث کا کیوں کر ٹھیک ہوگا نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم بطور پیشین گوئی یوں ارشاد فرما گئے ہیں کہ ان اللہ لا یجمع اُمّتی علی الضلالۃ و ید اللہ علی الجماعۃ و من شذ شذ فی النار۔ یعنی اللہ تعالیٰ میری اُمّت

کو گمراہی پر ہر گز جمع نہ کرے گا اور ہمیشہ خدا کی امداد جماعت ہی پر رہے گی اور جو جماعت سے علیحدہ ہوا جہنم میں ڈالا جائے گا۔ سو بتلائیے کہ اگر یہ بات ٹھیک ہو کہ اوّل سے لے کر اس وقت تک تمام جہان کے مسلمان گمراہی پہ جمے رہے ہوں اور صرف ان گنے چنے آدمیوں کو اتباعِ حق نصیب ہوا ہو تو درپردہ یہ لوگ گویا یوں کہہ رہے ہیں کہ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم یہ ارشاد جھوٹے فرما گئے ہیں اور یہ افسانہ محض لا اصل سنا گئے ہیں۔ ادھر ارشادِ خداوندی مَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰی۔ جس سے سراسر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف اور آپ کی دیانت و امانت ٹپکتی ہے لغو و بے کار ہو جائے گا اور پھر خدائے پاک اور صاحبِ لولاکؐ دونوں کے ذمہ جھوٹ کا دھبہ عائد ہو جائے گا۔ اب بتلائیے کہ بعد خدا اور رسول کے اور کس سے حق گوئی کی توقع رکھی جائے اور کس کے قول پر اعتماد کیا جائے۔ بھلا جس مذہب کی بنیاد ایسے ایسے خراب اصول پر ہو اس مذہب کا کیا ٹھکانا ہے۔ بالجملہ ایسے ایسے عقاید فاسدہ اس فرقے نے تراش کر خلقِ خدا کو گمراہ کرنا شروع کیا اور سیدھے سادے مسلمانوں کو راہ سے بے راہ کرنا اختیار کیا اور ائمہ دین خصوصًا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ پر طعن و تشنیع کی بوچھاڑ اور اولیاء اللہ رحمہم اللہ تعالیٰ پر سب و شتم کی دھواں دھار برسانی شروع کی۔ اس اثناء میں بعض علماء حنفی المذہب یہاں تشریف لائے اور ان لوگوں کے مذہب کی حقیقت موشگاف کر دکھائی اور ان کی بہتان بندی اور افتراء پردازی کا حال لوگوں کو سنایا جس کا یہ ثمرہ ہوا کہ جو لوگ اپنی سادہ لوحی سے ان کے ساتھ ہو گئے تھے اس مذہب سے تائب ہوئے اور حنفی المذہب پر قائم ہوئے اور جو لوگ متردّد تھے اور مذہب کے بارے میں مذبذب تھے ان کے دل سے شبہات و تردّدات دور ہوئے۔ اس امر سے اس فرقہ کی حد سے زیادہ کساد بازاری ہوئی اور مدتوں

کا منصوبہ بندھا بندھایا مثلِ تارِ عنکبوت ٹوٹ پھوٹ کر برابر ہوا اور لوگوں کے پھانسنے کی آئندہ کو توقع منقطع ہوئی جب یہ خوف ان کو معلوم ہوا کہ کہیں رہے سہے لوگ بھی ہمارا ساتھ نہ چھوڑ دیں اور کہیں رشتۂ محبت بالکل نہ توڑ دیں تو ان کے آنسو پونچھنے کے لیے اور اپنی بات کی ہوا باندھنے کے لیے ایک اشتہار طبع کرایا اور اس میں بڑے زور شور سے علماء مقلدین سے مناظرہ کی درخواست کی اور اس میں بہت کچھ پھکڑ بازی اور بدتہذیبی کو کار فرمایا اور چند عمائدین شہر کی نسبت لکھا کہ ہم نے فلاں فلاں حضرات کو اپنا پنچ مقرر کیا ہے۔ علماء حنفیہ بھی جن کو چاہیں اپنا پنچ مقرر کر لیں اور نواب احمد اللہ خاں صاحب کی کوٹھی جنت نشان میں مناظرہ کر لیں اس پر مقلدین میرٹھ نے ان کی بدتہذیبی سے قطع نظر کر کے بمقتضائے آیہ کریمہ وَاِذَا مَرُّوْا بِاللَّغْوِ مَرُّوْا کِرَامًا۔ ایک اشتہار طبع کرایا۔ اس میں نہایت نرم لفظوں سے شائستگی کے ساتھ ان کی درخواستِ مناظرہ کو بسر و چشم منظور کیا چونکہ وہ حضرات جن کو ان لوگوں نے اپنا پنچ مقرر کیا تھا نہایت لائق اور فہمیدہ اور معزز رؤسا تھے اس لیے اہلِ شہر نے بھی ان ہی حضرات کو اپنا پنچ مقرر رکھا اور لکھ دیا کہ ہم کو آپ کی جملہ شرائط منظور ہیں۔ حکام ضلع سے درخواست انتظام کر کے جہاں چاہو بلا لیجئے اور مسائل خلافیہ میں گفتگو کر لیجئے جب غیر مقلدین نے دیکھا کہ اہلِ شہر تو دل و جان سے مناظرہ پر آمادہ ہو گئے تو اپنے مولویوں سے مناظرہ کی درخواست چاہی اس پر کسی نے کچھ عذر کیا کسی نے کچھ بہانہ لیا غرض کوئی مجمع میں مناظرہ کرنے پر آمادہ نہ ہوا اور وقت پر کورا جواب دیا سو جب ان لوگوں نے اپنے معتمد علیہم کی یہ کیفیت دیکھی تو یہ تدبیر سوچی کہ اپنے ذمہ سے بار بوجھ مناظرہ کا اُتاریں اور کسی طرح اہلِ شہر کے ذمہ ڈال دیں اس بناء پر ایک دوسرا اشتہار طبع کرایا اور اس میں ظاہر کیا کہ ہم کو مناظرہ کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے ہاں اگر اہلِ شہر حکام ضلع سے اجازت مناظرہ حاصل کر لیں تو ہم کو کچھ انکار بھی نہیں

ہوگا۔ ناظرینِ ہر دو اشتہار خوب جانتے ہیں کہ اوّل اشتہار میں تو کس طرح مناظرہ کے لیے اہلِ شہر کی ہمتیں بندھائی جاتی تھیں اور پھر دوسرے اشتہار میں کس طور اپنے ذمہ سے بات ٹالی ہے اوّل اوّل تو یہ شورا شوری اور پھر یہ بے نمکی۔ اس دوسرے اشتہار سے اہلِ شہر پر خوب ظاہر ہو گیا کہ ان لوگوں کی درخواستِ مناظرہ مثل آواز طبل ایک بے معنی آواز ہے۔ نظر بریں ان کا تعاقب کرنا قرینِ مصلحت نہ سمجھا اہلِ شہر کی جانب سے نہ اوّلاً درخواست تھی نہ ثانیاً۔ البتہ ان لوگوں کی درخواست کو بسر و چشم منظور کیا تھا سو وہ خود ہی اس سے گریز کر گئے۔

الغرض جب علماء حق کے کفش برداروں نے شہر میں مختلف جگہ پر وعظ و پند شروع کیا تو بہت سے لوگ ان کے جال سے نکل بھاگے اور سیدھی راہ پر چلنے لگے اور ٹوٹ ٹوٹ کر ادھر آنے لگے جب ان کی کوئی تدبیر کام نہ آئی اور سب کام قابو سے باہر ہوا تو حسبِ عادت قدیمہ بہتان بندی اور افتراء پردازی کو کار فرما کر ایک اشتہار طبع کرایا جس میں چند مسائل طبع زاد لکھ کر کتبِ فقہ کے ذمہ لگایا اور نقل عبارت میں قطع برید کو کار فرمایا کہیں اوّل کی عبارت فروگزاشت کی اور کہیں آخر کی عبارت حذف کی اور پھر اس پر بھی بس نہ کیا بلکہ بعض جملوں کا ترجمہ بھی سراسر غلط کیا اور عوام پر ظاہر کیا کہ فقہ کی کتابوں میں ایسے ایسے گندے مسائل ہیں تاکہ شاید اسی بہانہ لوگ ان کتابوں سے بدظن ہو جاویں۔ لیکن ہر ذی عقل پر خوب روشن ہے کہ آفتاب پر خاک ڈالنے سے آفتاب کا کوئی نقصان نہیں ہے پر خاک ڈالنے والے کی حقیقت سب پر عیاں ہو جاتی ہے اور اس کی حماقت و بلاہت نمایاں ہو جاتی ہے۔ ہر چند کہ بروئے عقل ایسی خرافات و مزخرافات کا جواب دینا بھی لاحاصل تھا مگر جب بعض بعض حضرات کے دلوں میں ان شبہات نے کسی قدر گنجائش پائی اور اصل حقیقت ان کے فہم میں نہ آئی تو کسی کسی کی تو زبانی طور سے

تشفی کی گئی مگر پھر خیال آیا کہ اگر ان تمام شبہات کا جواب کتبِ فقہ سے لکھ کر مشتہر کرایا جائے تو عین مصلحت ہے۔ اس ذریعہ سے اہلِ شہر کی بھی عام طور سے تشفی ممکن ہے اور نیز جہاں جہاں یہ لوگ عام مسلمانوں کو بہکاتے پھرتے ہیں اور ان کے دلوں میں شبہ ڈالتے پھرتے ہیں یہ تحریر کار آمد ہو گی اس لیے بنامِ خدا قلم اٹھایا اور جوابات کا دھیان دل میں جمایا اور خدائے پاک سے دعا مانگی کہ توفیقِ صواب عطا فرمائے اور جوابِ ناصواب سے مجھ کو بچائے۔

واضح ہو کہ ہر جواب کے اوّل بجنسہٖ عبارت اعتراض جو غیر مقلدین نے درج اشتہار کی ہے لکھی جائے گی۔ پھر بلفظ الجواب سے اس کا جواب دیا جائے گا۔

پہلا اعتراض

شرح وقایہ چھاپہ نولکشوری کے صہ ۲۹۸ کے حاشیہ میں لکھا ہے: ان ما اخذته الزانية ان كان بعقد الاجارة فحلال عند الاعظم۔ (ترجمہ) "یعنی تحقیق زنا کرانے والی عورت اگر خرچی مقرر کر کے زنا کراوے تو وہ مال امام اعظمؒ کے نزدیک حلال ہے۔"

الجواب

ان مدعیانِ عمل بالحدیث کا شیوہ اور طریقہ ہے کہ اپنے مذہب کے رواج دینے کو جھوٹ بول دیا کرتے ہیں۔ بہتان بندی اور حیلسازی سے کام لیا کرتے ہیں اور دیدۂ انصاف بند کر کے جو چاہیں سو کیا کرتے ہیں سو اسی عادتِ قدیمہ کے موافق نقل عبارت مذکورہ اور اس کے ترجمہ میں عوام الناس کو دھوکہ دینے کے لیے تصرف کیا ہے۔ سو دیکھ لیجئے کہ نہ اشتہار میں یہ لکھا کہ یہ حاشیہ کونسے باب کے مسائل کا حاشیہ ہے اور نہ اس عبارت سے اگلی پچھلی عبارت لکھی اور پھر اس پر بھی اکتفا نہ کیا بلکہ ترجمہ بھی سراسر غلط کیا تاکہ عوام کے خیال میں یہ بات جم جائے کہ جب ان لوگوں نے اس اہتمام سے یہ مسائل درج اشتہار کیے ہیں کہ کتابوں کے صفحات بھی لکھ دیئے اور عبارت بھی نقل کر دی اور ترجمہ بھی صاف صاف

کر کے لکھ دیا تو واقعی یہ مسائل ان کتابوں میں اسی طرح ہوں گے ورنہ ایسا بھی کیا تھا کہ اس طرح بےباکانہ لکھ دیتے اور سمجھا کہ شاید اسی تدبیر سے مذہب حنفی کی توقیر لوگوں کے دلوں سے اُٹھ جائے اور ہر ایک کی طبیعت اس کی حقانیت کی جانب سے ہٹ جائے مگر ان حضرات نے یہ خیال نہ کیا کہ خداوند کریم نے ان مذاہبِ اربعہ کو خصوصاً مذہب امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو وہ مقبولیت عنایت فرمائی ہے کہ اس قدر زمانہ دُور دراز سے اس وقت تک بہ آب و تاب چلے آئے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ اسی حیثیت سے قیامت تک جاری رہیں گے نہ کسی متعصب کو آج تک اس قدر حوصلہ ہوا کہ ان مذاہبِ مقبولہ کو ریٹ میٹ کرے اور نہ آئندہ کسی سے انشاء اللہ تعالیٰ یہ امر ہو سکے۔ پہلے بھی بہت سے سگانِ مردم صورت نے محض اپنی دنارت و سفاہت سے عوعو کر کے ان مذاہبِ مقبولہ کا پیچھا کیا تھا اور پھر آخر کار چپ ہو کر بیٹھ رہے۔ سو ایسے ہی آج کل کی شورش کو خیال کیجئے۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے بلکہ اس اشتہار کا شائع ہونا اور زیادہ تر باعث فروغِ مذہب حنفی ہوا اور ان لوگوں کے ظہور دروغ گوئی کا پورا پورا ساماں بنا۔ دیکھئے تو سہی کہ اب کس طرح وعدہ الٰہی الحق یعلو ولا یعلی ظہور کرتا ہے اور مضمون جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ فروغ پکڑتا ہے قبل اس کے کہ اصل مسئلہ کی صورت بیان کی جائے اور اہلِ اشتہار کی غلطی عیاں کی جائے چند اُمور قابلِ گزارش معلوم ہوتے ہیں۔ ناظرینِ جواب اوّلاً ان کو بغور ملاحظہ فرمائیں:

اجارہ عربی زبان میں اُجرت کے معاملہ کو کہتے ہیں۔ شریعت میں اس کی تین اقسام ہیں۔ اوّل اجارہ صحیحہ، دوم اجارہ فاسدہ، سوم اجارہ باطلہ ان تینوں اقسام کی تعریف جو آگے لکھی جاتی ہے خوب یاد رکھنی چاہیئے کیونکہ اس مسئلہ کا جواب ان اقسامِ سہ گانہ کی تعریف یاد رکھنے پر موقوف ہے۔

سو اوّل قسم سے وہ معاملہ اجرت مراد ہے کہ جس میں اصل کام جس کے عوض اجرت دی جاتی ہے شرعاً جائز و درست ہو اور کوئی وجہ ناجائز مثل شرط وغیرہ کے بھی اس معاملہ کے ساتھ اوپر سے نہ لگی ہے مثلاً کسی کو کھانا پکانے پر نوکر رکھنا یا نوشت و خواند کے لیے کسی کو مامور کرنا اور کار کی تعیین اور وقت روزانہ کی تعیین اور اجرت کا پوری طرح سے تقرر کر دینا اور پھر کسی شرط خارجی کا اس کے ساتھ نہ لگانا سو ایسا معاملہ شرعاً و عقلاً ہر طرح سے جائز ہوگا نہ اس میں کوئی ذاتی خرابی ہے اور نہ شرط وغیرہ کی وجہ سے کوئی بیرونی خرابی ہے اس لیے کارِ معلوم کے انجام دینے پر اُجرت مقررہ نوکر کو دی جائیگی۔

قسمِ دوم یعنی اجارہ فاسدہ سے یہ مُراد ہے کہ اصل کام تو اس معاملہ میں شرعاً درست اور مباح ہو پر اور کسی شرط وغیرہ کی وجہ سے اس معاملہ کی ممانعت کی گئی ہو علم ہے کہ وہ شرط فی نفسہ امر مباح ہو یا امر حرام دونوں صورتوں میں اصل معاملہ فاسد ہو جائے گا۔ مثلاً کسی کو حفاظت مکان پر بتعیین اوقات تنخواہ معلومہ پر نوکر رکھنا اور پھر کوئی بالائے شرط اس طرح سے کر لینا کہ گاہ و بے گاہ کھانا بھی پکا دیا کرنا یا چوسر و گنجفہ میرے ساتھ کھیلا کرنا ان دونوں صورتوں میں معاملہ حفاظت مکان کا ناجائز ہو جائے گا یہ نہیں کہ چوسر وغیرہ کی شرط کرنے سے تو بوجہ حرمت ان اشیاء کی اصل معاملہ ناجائز ہو اور کھانا پکانے وغیرہ کی شرط سے۔ چونکہ یہ اُمور جائز ہیں اصل معاملہ بدستور صحیح رہے نہیں، بلکہ شرط خواہ مباح ہو یا حرام دونوں کے دونوں اصل معاملہ کو ناجائز کر دیتے ہیں۔

سو اگر کسی عالم سے اس قسم کے اجارہ کا استفتاء کیا جاوے تو اس کو لازم ہے کہ عدم جواز کا فتویٰ دیوے اور اگر حاکم اسلام تک اس معاملہ کی نوبت پہنچی تو اس معاملہ کو فسخ کرا دے اور از سر نو معاملہ کرا دیوے لیکن اگر کسی نے ایسی شرائط کے ساتھ اُجرت کا معاملہ کیا اور نوکر سے وہ کام لے لیا اور عالم یا حاکم سے پوچھنے کا اتفاق نہ ہوا اور

پھر مسئلہ کی چھان بین کا اتفاق پڑا تو حکمِ شریعتِ غرّا یوں ہے کہ اصل اُجرت مقررہ کا کچھ اعتبار نہ کریں اور یوں سمجھیں کہ گویا بلا تعین مزدوری کام لیا ہے اس لیے جو مزدوری اس جیسے کام کی اس شہر میں مروّج ہو حسبِ تفصیل کتبِ فقہ مزدور کو دِلوا دیں۔ اس مزدوری کو اصطلاحِ شریعت میں اجر المثل کہتے ہیں اور جو مزدوری اوّل سے مقرر ہو اس کو اجر معین بولتے ہیں۔

قسم سوم یعنی اجارہ باطلہ اسکو کہتے ہیں کہ جس میں اصل کام ہی شرعاً حرام و ممنوع ہو مثلاً شراب بنانے یا تصویر کھینچنے یا بتوں کے تراشنے پر کسی کو نوکر رکھنا یا ماتم و نوحہ کرنے یا ستار سارنگی بجانے یا زنا کرنے کرانے یا باجے گاجے سکھانے پر کسی کو نوکر رکھنا یہ سب مزدوریاں شرعاً حرام ہیں نہ ایسی اجرت کا دینا جائز نہ لینا جائز بلکہ اور الٹا دین دنیا کا خسران ہے۔ علیٰ ہٰذا القیاس اور جس قدر معصیتیں ہیں ان کا بھی یہ ہی حال ہے۔

جب یہ چند امور ذہن نشین ہو چکے تو اصل مطلب کا حال سُنیے: ۔صورت مسئلہ درحقیقت کیا تھی پر ان دشمنانِ دین و دانش نے اس میں کیا کیا اختراع کیا ہے؟

واضح ہو کہ اصل مسئلہ یوں ہے کہ اگر کسی نے کسی عورت کو کسی امر مباح مثلاً کھانا پکانے یا بچے کے دودھ پلانے کے لیے بہ تنخواہ معین نوکر رکھا اور بعد پورا ہو جانے معاملہ کے ایک شرط بالائے فعلِ حرام کی اس سے کر لی ہو اور پھر کھانا پکانے وغیرہ کا کام اس سے لیا گیا ہو تو اس صورت میں تین امر قابل استفسار ہیں:

اوّل یہ کہ بوجہ شرط کر لینے فعل حرام کے اصل معاملہ کا کیا حکم ہے؟ آیا وہ اجارہ صحیحہ ہے یا اجارہ باطلہ؟

دوم یہ کہ اگر کبھی اس شرط پر عمل درآمد نہ ہوا ہو اور عورت مذکورہ نے اصل نوکری مثل کھانا پکانے وغیرہ کا کام سرانجام دیا ہو تو اس کھانا پکانے وغیرہ کی اُجرت

اس کو دی جائے گی یا بوجہ شرط کر لینے حرام کے وہ اجرت بھی سوخت ہو جائیگی۔

سوم یہ کہ اگر وہ عورت کارِ نوکری بھی بجا لائے ہو اور اس شرط ناجائز پر بھی عملدرآمد کیا کرایا ہو تو اُجرت نوکری کا کیا حکم ہے دینی چاہیئے یا نہیں؟ اور بوجہ مرتکب ہونے فعل زنا کے ان دونوں کا کیا حکم ہے؟ سو امر اوّل کا یہ جواب ہے کہ معاملۂ اُجرت کسی امر زائد کے شرط کر لینے سے فاسد ہو جایا کرتا ہے خواہ وہ امر زائد فی نفسہٖ جائز و مباح ہو یا حرام و ممنوع ہو جس حالت میں امر مباح کی شرط سے بھی معاملہ صحیحہ فاسد ہو جاتا ہے تو اس صورت میں چونکہ وہ شرط خود ہی حرام و ممنوع ہے تو وہ معاملہ بدرجہ اولیٰ فاسد ہو گا۔ ایسے معاملہ کو نہ صحیح کہہ سکتے ہیں اور نہ باطل کیونکہ صحیح معاملہ کی تعریف بیٔں داخل ہے کہ وہ اصل سے بھی صحیح ہو اور کوئی شرط بھی اس کے ساتھ نہ کی گئی ہو سو اس صورتِ خاص میں شرط موجود ہے اور وہ بھی کیسی حرام معصیّت اور اجارہ باطلہ اس وجہ سے نہیں کہہ سکتے ہیں کہ اُس میں اصل کام ہی سرے سے حرام معصیّت ہوا کرتا ہے اور یہاں نوکری کا اصل کام کھانا پکانا، دودھ پلانا وغیرہ ہے جو ہر طرح سے شرعاً مباح ہے ہاں البتہ شرط معلوم حرام ہے سو ایسے ہی اجارہ کو جو اصل سے حلال ہو پر اور کسی طرح کی شرط اس کے ساتھ کر لی گئی ہو اجارہ فاسدہ کہتے ہیں۔

اور امر دوم کا یہ جواب ہے کہ گو اس شرط حرام پر طرفین کا کبھی عمل درآمد نہ ہوا پر چونکہ اوّل شرط کر لی تھی لہٰذا وہ معاملہ فاسد ہو گیا سو اگر عورت معلومہ کھانا پکانے وغیرہ کا کام انجام دیوے تو تنخواہِ مقررہ کا کچھ اعتبار نہ ہو گا مگر اجر المثل واجب ہو گا چنانچہ اس کی کسی قدر تفصیل اوپر جا چکی ہے وہاں دیکھ لینا چاہیئے۔

اور تیسرے امر کا یہ جواب ہے کہ اصل کام کے عوض میں اجر المثل حسبِ تفصیل فقہ دینا چاہیئے اور زنا کی سزا جو کچھ شریعت میں مقرر ہے اور ان دونوں پر جاری کرنا چاہیئے تفصیل اس کی اپنے موقع پر پورے طور سے مشرح ہے اس کے بعد

ناظرین باتمکین کی خدمت میں گزارش ہے کہ چونکہ اس مسئلہ خاص میں پہلے دو امر یعنی ایسے معاملہ کا اجارہ فاسدہ ہونا اور کام پورا کرنے پر اجرالمثل کا دلایا جانا اجارہ فاسدہ کے باب سے متعلق تھے اور تیسرا امر یعنی حد زنا کا جاری ہونا باب حد الزنا کے متعلق تھا اس لیے پہلے دو امر تو اجارہ فاسد کے باب میں مذکور ہوئے اور تیسرا امر حد زنا کے باب میں مذکور ہوا اب غیر مقلدین کی سفاہت و بلادت قابلِ دید ہے کہ بے سوچے سمجھے کچھ سے کچھ کہنے لگے اور عام لوگوں کو طرح طرح سے بہکانے لگے اور صریح بہتان حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے ذمہ لگایا کہ انکے نزدیک زنا کی خرچی درست ہے حالانکہ زنا کی خرچی خواہ اوّل ٹھہرا کر لی جائے یا بلا ٹھہرائے لی جاوے باتفاق امّت حرام و معصیت ہے تو امام اعظم کے نزدیک جو تقویٰ و طہارت میں اوروں سے نمبر اوّل ہیں کیوں کر جائز ہو سکتی ہے۔ بالجملہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ میں ایسی فقاہت و درایت کو کام فرمایا ہے کہ گویا دودھ میں پانی جدا کر دکھلایا ہے یعنی جب صورت خاص میں اصل معاملہ تو درست ہے پر اوپر کی شرط نادرست ہے تو دونوں امر کا لحاظ ضروری ہے اصلی کام کے سرانجام دینے پر اس کی مزدوری ملنی چاہیئے اور زنا کی سزا جو کچھ ہو پہنچنی چاہیئے بڑی ناانصافی ہے کہ بُرے کام کی شرط کر لینے سے اچھے کام کی مزدوری بھی سوخت ہو جائے اگر ایک شخص بارادہ نماز مسجد میں آیا اور نماز ادا کی اور چلتے وقت کسی کا کپڑا وغیرہ چُرا لیا تو بالضرور نماز کا ثواب اس کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا اور نیز چوری کا عذاب بھی ثبت کیا جاوے گا پر یہ نہ ہوگا کہ چوری کی وجہ سے نماز کا ثواب بھی جاتا رہے۔ سو امام صاحب کے نزدیک بھی اس مسئلہ کا ایسا ہی قصہ ہے۔ امرِ مباح کی اجرت کو وہ مباح و حلال کہتے ہیں اور شرطِ زنا کو حرام بتاتے ہیں اور اس کی اجرت کو خواہ کسی طرح ہو ممنوع فرماتے ہیں۔ اب عبارت مندرجہ اشتہار کی شرح کس قدر قابلِ اظہار ہے۔ یہ عبارت واقعی علامہ

چلپی کی ہے اور شرح وقایہ کے حاشیہ پر منقول ہے اور اجارہ فاسدہ کے ایک مسئلہ کا حاشیہ ہے اور اسی طرح ردالمحتار جلد ثالث میں اجارہ فاسدہ کے بیان میں مذکور ہے جائے تعجب ہے کہ یہ لوگ جب علماء کی عبارت سمجھنے سے بھی قاصر ہیں تو رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام کیونکر سمجھتے ہوں گے حالانکہ آپ کو جوامع الکلم عنایت فرمائے گئے ہیں۔ سنیئے کہ شرح وقایہ میں ہے فیھا اجرالمثل یعنی اجارہ فاسد میں مزدوری مقرر نہیں دی جاتی ہے بلکہ اجر المثل واجب ہوتا ہے۔ اس قول پر علامہ چلپی نے محیط سے نقل کر کے اس طور سے حاشیہ لکھا ای یجب اجرہ حتی ان ما اخذتہ الزانیۃ ان کان بعقد الاجارہ فحلال عند الاعظم لان اجرالمثل فی الاجارۃ الفاسدۃ طیب وان کان السبب حراما وحرام عندھما۔

اس میں غیر مقلدین نے چند غلطیاں کھائی ہیں ان کا لکھنا ضروری ہے۔ پر جو لوگ صرف و نحو میں تھوڑی سی بھی استعداد رکھتے ہوں گے بلا تکلف اس کو سمجھ لیں گے اور جو لوگ اس فن سے ناواقف ہوں گے وہ اپنی تسلی کسی مولوی یا طالب علم سے کر لیں گے اوّل تو یہ کہ غیر مقلدین نے ضمیر (ان کان بعقد الاجارۃ) کے لفظ (ما) کی جانب پھیری ہے۔ دوّم یہ کہ با اجارہ (بعقد الاجارۃ) کو سببیہ سمجھ بیٹھے ہیں سوّم یہ کہ الاجارۃ کو جو (بعقد الاجارۃ) میں واقع ہے زنا کے اجارہ پر حمل کرتے ہیں حالانکہ یہ تینوں امر غلط ہیں بلکہ ضمیر (ان کان) کی زنا کی طرف راجع ہے جو لفظ الزانیۃ سے مفہوم ہے۔ کمافی قولہ تعالیٰ "اِعۡدِلُوۡا هُوَ اَقۡرَبُ لِلتَّقۡوٰى" اور یہی اسم کان کا ہے اور بآ اجارہ بعقد الاجارۃ میں بمعنی سبب نہیں بلکہ بمعنی تلبس ہے۔ یعنی متلبسًا بعقد الاجارۃ پھر چونکہ متلبسًا صیغہ صفت ہے لامحالہ اس کے لیے کوئی موصوف چاہیئے سو وہ لفظ شرطًا ہے اور لفظ الاجارہ

سے اجارۂ زنا مراد نہیں بلکہ بقرینہ اطلاق اجارہ صحیحہ مراد ہے جب یہ بات ذہن نشین ہوئی تو تقدیر عبارت یوں ہوگی "حتی ان ما ای اجر المثل الذی اخذتہ الزانیۃ ان کان ای الزنا شرطا متلبسًا بعقد الاجارۃ ای الصحیحۃ فھو ای ما اخذتہ حلال عند الاعظم لان اجر المثل فی الاجارۃ الفاسدۃ طیب وان کان السبب حرامًا وحرام عندھما" جس کا خلاصہ یہ ہے کہ زنا کرانے والی کا لینا اگر اس طرح سے ہوا کہ فعلِ زنا کسی جائز نوکری کے ساتھ شرط کر دیا گیا تھا تو جائز نوکری کے عوض اجر المثل لینا اس کو حلال ہے اگرچہ ایسے معاملہ کا کرنا حرام ہے اور صاحبین کے نزدیک یہ مال حرام ہے ان کے نزدیک حرمت کی وجہ یہ ہے کہ فعل زنا کو داخل معاملہ خیال کرتے ہیں اور اجرت کو دونوں کام کی مزدوری تصور کرتے ہیں مگر ظاہر ہے کہ صورت مرقومہ بالا میں یہ شرط داخلِ معاملہ نہیں ہے بلکہ شرط زائد خارج عقد ہے بنائً علیہ امام صاحبؒ اور صاحبینؒ میں کوئی نزاع حقیقی نہیں بلکہ نزاع لفظی ہے درحقیقت سب کا ایک ہی مذہب ہے یعنی فعل زنا اگر معاملہ میں داخل مانا جائے تو امام اعظمؒ کے نزدیک بھی مثل مذہبِ صاحبین وہ اجرت حرام ہوگی اور اگر خارج مانا جائے تو لاریب صاحبین کے نزدیک بھی مثل امام اعظمؒ امر مباح کی اجرت مباح ہے۔ بالجملہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ امر مباح کی اجرت کو حلال فرماتے ہیں نہ اجرت زنا کو۔ پھر کیسی بڑی خیانت ہے کہ عبارت کے معنی کچھ ہوں اور لکھیں کچھ۔ یہ سب ان لوگوں کی لاعلمی کا ثمرہ اور نتیجہ ہے کہ عبارت سے معنی نہیں سمجھ سکتے اور خواہ مخواہ ان مسائل کو اپنی گندی سمجھ سے گندے بتاتے ہیں اب ایک اور خیانت ان لوگوں کی قابل خیال ہے وہ یہ ہے کہ اس عبارت کے آگے کا جملہ جس میں صراحۃً زنا کی خرچی حرام وممنوع لکھی ہوئی ہے بالکل حذف کیا اور پہلی عبارت کے ترجمہ میں تصرف کرکے زنا

کی خرچی سے تعبیر کیا حالانکہ وہ کسی امر مباح کی اجرت ہے نہ کہ فعلِ زنا کی اور پھر خواہ مخواہ عوام کے بہکانے کے لیے حنفی مذہب کے ذمہ اتہام لگایا اور ذرا خدا سے نہ شرمائے کہ ہم کیا کہ رہے ہیں اس لیے مناسب ہے کہ وہ عبارت بھی نقل کی جائے اور اس کا ترجمہ لکھا جائے۔ عبارت اس کی اس طرح سے ہے: وان کان بغیر عقد الاجارۃ فحرام اتفاقا۔ لانھا اخذتہ بغیر حق۔ یعنی اگر فعلِ زنا کسی معاملہ صحیحہ کے ساتھ شرط منضم نہ تھا بلکہ خود زنا ہی کے عوض کچھ لیا لوایا ہے تو مال باتفاق علمائے کرام حرام ہے کیونکہ اس عورت نے یہ مال کسی حق جائز کے بدلے نہیں لیا ہے بلکہ معصیّت کے عوض لیا ہے اور ظاہر ہے کہ عرف میں اسی مال کو زنا کی خرچی کہتے ہیں نہ اور کسی کام کی اجرت کو، سو اس کو باتفاق علمائے کرام حرام لکھا ہے اب بتلایئے کہ امام اعظمؒ نے اس مسئلہ میں کیا خلافِ شرع کیا ہے جس کے صلہ میں یہ سفہاء ان کو لعن وطعن سے یاد کرتے ہیں۔ بالجملہ اس مسئلہ کا اجارۂ فاسدہ میں لکھنا اور پھر اس کی دلیل اس طرح سے بیان کرنا۔ لان اجر المثل فی الاجارۃ الفاسدۃ طیب دلیل روشن ہے اس امر کی کہ اس مال کا حلال ہونا کسی امر مباح کے عوض ہے نہ زنا کے عوض میں اگر زنا کی اجرت اس کو قرار دے حلت کا حکم دیا جائے جیسا کہ ان لوگوں کا خیالِ خام ہے تو چند خرابیاں لازم آتی ہیں:

اوّل تو یہ کہ اس کو اجارہ فاسدہ میں لکھنا نہیں چاہیئے بلکہ اجارہ باطلہ میں بیان کرنا چاہیئے حالانکہ سب جانتے ہیں کہ اس اجارہ فاسدہ ہی میں لکھا ہے۔

دوم یہ کہ دلیل مسئلہ اعنی لان اجر المثل ... الخ اس مسئلہ پر چسپاں نہ ہوگی کیونکہ خلاصہ دلیل یہ ہے کہ اس صورت مرقومہ میں اجارہ صحیحہ فاسد ہو گیا تو اجرُ المثل جائز رہے گا سو جس صورت میں خود زنا ہی کا معاملہ ہے تو اجارہ فاسدہ کہاں ہوگا بلکہ بوجہ معصیت کے اجارہ باطلہ ہوگا اور ظاہر کہ اس میں ہرگز مزدوری واجب

نہیں ہوتی ہے جیساکہ ردمختار میں ہے : بخلاف الثانی وھو الباطل فانہ لا اجر فیھا بالاستعمال ۔

سوئم یہ کہ جب تمام کتب فقہ میں گانے بجانے یا اور لہو ولعب کی مزدوریوں کو حرام قطعی لکھیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ زنا کی مزدوری کو جائز وحلال بتلاویں چنانچہ ہدایہ میں مذکور ہے : ولا یجوز الاستیجار علی الغناء والنوح وکذا سایر الملاھی لانہ استیجار علی المعصیۃ والمعصیۃ لا تستحق بالعقد ۔ یعنی گانے اور نوحہ کرنے پر اور ایسے ہی اور لہو ولعب کام پر نوکر رکھنا جائز نہیں کیونکہ یہ معصیت پر نوکر رکھنا ہے اور معصیّت معاملہ سے جائز نہیں ہو جاتی ہے اس کے بعد ہر انصاف پسند غور کر سکتا ہے کہ جس امام کے نزدیک گانا بجانا جو اکثر زنا کا ذریعہ ہو جایا کرتا ہے خود حرام ہو اور اس کی اجرت بھی لینی حرام ہو تو اس کے نزدیک زنا کی اجرت کیسے حلال ہو سکتی ہے یہ صرف ان لوگوں کا اتہام ہی اتہام ہے مرد عاقل کو یہی بس ہے ۔ اب دوسرے اعتراض کا جواب لکھتا ہوں ۔ فقط

دوسرا اعتراض

کفایہ میں ہے : ان اراد تسکین مابہ من الشھوۃ ارجوان لا یکون علیہ وبال ۔ یعنی شہوت کی تسکین کے واسطے جلق کرے تو کچھ حرج نہیں اور ردالمحتار میں ہے کہ شہوت کے غلبہ کا خوف ہو تو مٹھولے مارنے واجب ہیں ۔

الجواب

اے مدعیانِ عمل بالحدیث کبھی تو خدائے پاک سے شرمایا کرو ، اور کہیں تو بھول چوک کر عبارت کا صحیح ترجمہ لکھ دیا کرو اور کچھ تو اپنے دعوٰی عمل بالحدیث کا پاس کیا کرو ۔ کیا سارے جہان کی افترا پردازی آپ ہی کے حصّہ میں آگئی ہے ؟ کیا عمل بالحدیث بہتان بندی ہی کا نام ہے ۔ اے مسلمانانِ منصف مزاج دیکھو ان لوگوں نے دیدہ و دانستہ کیسی حق پوشی کی ہے اور کیسا غلط

ترجمہ کیا ہے ایک کتاب کی عبارت نقل کی اس کا ترجمہ صریح غلط کیا دوسری کتاب کی عبارت نقل نہیں کی پر زبانی ہی مسئلہ نقل کیا لیکن یہ مسئلہ کسی کتاب میں نہیں کہ غلبہ شہوت میں اس فعل شنیع کا ارتکاب واجب ہے ۔ یہ مسئلہ ان لوگوں کا طبع زاد ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی عبارت نقل نہیں کی ہے خیر یہ لوگ تو اپنے مذہب کی پاسداری میں حق وناحق سے قطع نظر کر لیا کرتے ہیں پر ہم یہ مسئلہ واقعی طور سے بیان کرتے ہیں تاکہ عوام وخواص پر ظاہر ہو جائے کہ ان لوگوں نے کیسی کچھ تحریف وتبدیل کی عادت کر رکھی ہے ۔ کتب فقہ میں لکھا ہوا موجود ہے کہ لذت حاصل کرنے کے لیے اخراج منی حرام و معصیّت ہے اگر حاکم اسلام کو معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص ایسی بلائے شنیع میں مبتلا ہے تو اس کا فرض منصبی ہے کہ اس کو تعزیر وسزا دیوے اور ہرگز اس میں چشم پوشی نہ کرے اگر میرا قول باور نہ سمجھا جائے تو درمختار کو ملاحظہ فرمائیے ۔ بابِ حدود میں یہ عبارت موجود ہے : والاستمناء حرام وفیہ التعزیر یعنی ہاتھ سے منی نکالنا حرام ہے اور مرتکب اس فعلِ زبوں کا اس جرم میں تعزیر وسزا دیا جائے گا سو دیکھ لیجئے کہ کیسے شد و مد کے ساتھ اس فعل قبیح کی حرمت کتبِ فقہ میں مذکور ہے پھر کس وجہ سے یہ لوگ اس مذہب مقبول پر طعن وتشنیع کی بوچھاڑ برساتے ہیں ۔ خیر جب اس فعل کی حرمت ہم اپنی کتابوں سے صاف طور سے دکھا چکے تو اب اُس عبارت کا حال جو درجِ اشتہار ہے ملاحظہ فرمائیے :

پہلے لکھ چکا ہوں کہ ان لوگوں نے حسبِ عادتِ قدیمہ اس کے ترجمہ میں تصرف کیا ہے سو ہم اس کو واضح طور سے ہی بیان کرتے ہیں ۔ ردالمحتار شرح درالمختار سے اس مسئلہ کا خلاصہ بیان کر کے اس کی عبارت بجنسہٖ ملاحظہ ناظرین سے گزرے گی جو فتاوٰی قاضی خاں کی عبارت سے مطابق وموافق ہے مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی جوان صالح صاحب تقوٰی وطہارت بعالمِ شباب تجردی کی حالت میں ہو اور نعمتِ نکاح

سے ابھی تک فائز نہ ہوا ہو یا نکاح ہو چکا ہو پر کسی وجہ خاص سے بیوی تک پہنچنا ممکن نہ ہو اور شہوت کی شدّت وحدّت کی یہ نوبت ہو کہ حد سے تجاوز کر گئی ہو مگر اس پر بھی بمقتضائے حدیثِ نبوی شباب نشاء فی عبادت اللہ ۔ عبادت خدا اور تلاوتِ قرآن اور دیگر اوراد و وظائف میں لگا ہوا ہو اور ان نیک کاموں کا حد سے زیادہ شائق ہو پر غلبۂ شہوت اُن میں دل لگنے نہ دیتا ہو اس پر وہ اپنی کمی ضبط سے اخراج منی کر دے اور دل میں اس فعل کو حرام سمجھے اور اس کو عبادت کے لیے ذریعہ فارغ دلی سمجھے اور تحصیل لذّت اس کی غرض نہ جانے تاہم یہ فعل شرعاً ممنوع ہے یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس میں مواخذہ نہیں ہے پر بمقتضائے اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّیَّاتِ چونکہ اس فعل سے تحصیل لذّت مدّنظر نہیں بلکہ تحصیلِ فارغ دلی منظور ہے جو عبادت کا جزو اعلیٰ ہے۔ اللہ کے فضل وکرم سے اُمّید ہے کہ اس گناہ کو معاف کرے اور وبال و نکال سے بچائے اور چونکہ اس نے اس فعل کو معترف بہ گناہ ہو کر اپنی غلطی اجتہاد سے فارغ دلی عبادت کے لیے کیا ہے سو اُمّید ہے کہ خداوند کریم بمقتضائے وَاٰخَرُوْنَ اعْتَرَفُوْا بِذُنُوْبِهِمْ خَلَطُوْا عَمَلًا صَالِحًا وَّاٰخَرَ سَيِّئًا عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْهِمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اس گناہ سے درگزر فرمائے اب جائے غور ہے کہ فقہاء حنفیہ تو اس حالت میں بھی جائز و مباح نہیں فرماتے بلکہ اس گناہ کو گناہ جتاتے ہیں پر خدائے پاک سے امید عفو رکھتے ہیں اور ظاہر ہے کہ امید عفو وہاں ہی ہوتی ہے جہاں وجود گناہ ہو۔ سو معلوم نہیں کہ ان دشمنانِ دین و دانش نے کس عبارت سے یہ بات نکالی کہ حنفیہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ فعل جائز ہے اور اس میں کچھ حرج نہیں اگر یہ جواز فقہاء کی امید عفو سے استنباط کیا ہے سو چاہیئے کہ جن جن گناہوں میں خدائے علیم اور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے امید معافی ظاہر فرمائی ہے وہی سب کے سب جائز مباح ہو

جائیں سو ایسی بات سوا ان بے وقوفوں کے اور کون کہہ سکتا ہے۔ عبارت ردّ المحتار ملاحظہ فرمائیے اور پھر اگلی بات کی جانب دھیان لگائیے۔ ان اراد تسکین الشھوۃ المفرطۃ الشاغلۃ للقلب وکان غربا لا زوجۃ لہ ولا امۃ اوکان الا انہ لا یقدر علی الوصول الیھا لعذر قال ابو اللیث ارجوان لا وبال علیہ۔ اس عبارت کا وہی خلاصہ ہے جو اوپر مذکور ہوا یعنی اگر عبادت کی فارغ البالی کے لیے اس فعل کا ارتکاب کیا جائے تاہم گناہ ہے پر اُمّید عفو وکرم ہے اس کے بعد گزارش ہے کہ اگر بلا غلبہ شہوت صرف حصولِ لذّت کے لیے یہ فعل شنیع کیا جاوے جیسے اکثر نوعمران ناعاقبت اندیش اس مرض سخت میں مبتلا ہو جاتے ہیں تو اس میں علاوہ مضرت دنیاوی کے سخت درجہ کا گناہ ہے۔ چنانچہ صاحبِ درمختار نے اس کی حرمت بیان کر کے دلیلِ حرمت یوں بیان کی ہے: لحدیث ناکح الید ملعون۔ یعنی حدیث میں آیا ہے کہ ہاتھ سے منی نکالنے والا ملعون ہے اور ردّ المحتار میں اس کی نسبت یہ عبارت مذکور ہے واما اذا فعلہ لاستجاب الشھوۃ فھو اٰثم۔ یعنی اگر کوئی اس فعل کو صرف لذّت حاصل کرنے کے لیے کرتا ہے تو وہ گنہگار ہے۔ الغرض بہ تحقیق تو شہوت غالبہ کے فرو کرنے یا تحصیل لذّت کے متعلق تھی جس کی حرمت دونوں صورتوں میں یکساں ہے اب اس کا جواب لکھا جاتا ہے کہ انھوں نے بے باکانہ لکھ دیا ہے کہ فقہ کی کتابوں میں مذکور ہے کہ جب شہوت غالب ہو تو یہ حرکت شنیعہ واجب ہے۔ سو صاحبو یہ ان لوگوں کا سراسر اتہام ہے غلبۂ شہوت میں کسی کتاب کی رُو سے واجب تو درکنار مباح بھی نہیں چنانچہ غلبہ شہوت کا قصہ اوپر تفصیل سے لکھ چکا ہوں اور حوالہ کتب دے چکا ہوں ہاں بعض موقع ایسا ہوتا ہے کہ اس میں اندیشہ زنا قریب الیقین ہوتا ہے اور بچنے کی کوئی صورت ظاہر نظر میں معلوم نہیں ہوتی ہے

مثلاً ایک شخص دیندار کسی مکان میں آگھرا ہو اور وہ مکان فرش فروش سے آراستہ اور شیشہ وآلات سے پیراستہ ہو اور چھت گیری اس کی جھاڑ وفانوس سے مزّین اور دیواریں پھول وبوٹے سے رشک گلشن ہوں اور وہاں کوئی عورت نازنین جادو نگاہ دلفریب جدا جلوہ دکھا رہی ہو کبھی اپنی خوب روئی کا جوبن اور اپنے جامۂ چست کی پھبن دکھاتی ہیں اور کبھی اپنا ساعد سیمیں دکھا کر سیماب وار بناتی ہے اور کہیں زلف دوتا کا جال بچھاتی ہے اور میٹھی باتوں سے قند مکرر کا مزہ چکھاتی ہے پر یہ شخص دیندار اپنی قوتِ ایمانی سے اس کے فریب میں نہیں آتا ہے اور ہرگز راہِ شیطانی پر نہیں جاتا ہے مگر بمقتضائے بشریت غلبۂ شہوت سے مجبوراً اور جوانی کے نشہ میں مخمور ہے اور اندیشہ ناک ہے کہ اگر اخراجِ منی نہ کیا گیا تو معصیّت زنا میں ضرور مبتلا ہو جائے گا سو ایسے حالات میں یوں حکم ہے کہ اخراجِ منی کرے اور زنا سے بچے کیونکہ کم درجہ کی معصیّت بمقابلہ بڑی معصیت کے آسان ہوتی ہے دیکھئے اپنی جان تلف کرنا بھی حرام ہے پر بحالت اضطرار اکلِ خنزیر کا حکم ہے کہ بمقابلہ تلف جان یہ کم درجہ ہے سو اگر فقہاء پر اس وجہ سے اعتراض ہے کہ ایسی حالت میں بھی انھوں نے اس فعل کو ضروری لکھا ہے تو اوّل خدائے پاک اور صاحبِ لولاک کی جانب سے ایسے اعتراضوں کا جواب دیجئے پھر کہیں فقہاء پر اعتراض کیجئے سو اہلِ فہم خوب جانتے ہیں جو جواب وہاں ہے وہی جواب یہاں اس صورت میں ان لوگوں کا فقہاء پر اعتراض درحقیقت خدا ورسول پر اعتراض ہے کہ کیوں انھوں نے حالتِ اضطرار میں محرمات کو مباح کیا ہے سو ایسے مذہب سے خدا بچائے۔ اللّٰھم احفظنا من الفھم الردی۔ فقط۔

تیسرا اعتراض | فتاویٰ قاضی خاں میں ہے: اذا صلّی علی جلد کلب او ذئب قد ذبح جازت صلوتہ۔

ترجمہ: "کتا یا بھیڑیا ذبح کر لیا جائے تو اس کی کھال پر نماز جائز ہے"۔

الجواب | اس اعتراض کا یہ خلاصہ ہے کہ کتا یا بھیڑیا یا اور جانور جن کا کھانا شرعاً حرام ہے ان کی کھال کسی طرح پاک نہیں ہوتی خواہ اللہ کے نام پر ذبح کیے جائیں یا اور کسی طرح مر جاویں اور مذہبِ حنفیہ میں ایسے جانوروں کا گوشت کھانا تو ہر طرح سے حرام ومعصیّت ہے پر اگر ان جانوروں کو بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ذبح کر لیں تو ان کی نجاست جاتی رہے گی البتہ حرمت ان کی بدستور باقی رہے گی سو اگرچہ اس مسئلہ کا تسلیم کرنا عوام کے دھیان میں بہت مستبعد معلوم ہوتا ہے پر جب قرآن وحدیث کی جانب دھیان کیا جاوے تو یہ مسئلہ قابلِ تسلیم معلوم ہوتا ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ خداوند کریم سورۃ مائدہ میں فرماتا ہے: وَالْمَوْقُوْذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيْحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ یعنی تم پر حرام کیا گیا چوٹ کھا کر مر جانے والا جانور اور گر ڈھک کر مر جانے والا جانور اور سینگوں سے لڑ بھڑ کر مر جانے والا جانور اور درندہ کا پھاڑا ہوا جانور مگر جس کو تم ان میں سے ذبح کر لو وہ تمھارے لیے حلال ہے مقصود اس آیت کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ اللہ پاک نے اس آیت میں ذبح کرنے کو تزکیہ سے تعبیر فرمایا ہے اور بجائے "اِلَّا مَا ذُبِحْتُمْ"۔ "اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ" ارشاد فرمایا ہے اور تزکیہ زبان عرب میں پاک کرنے کو کہتے ہیں۔ اگر دلیل درکار ہے تو لیجئے ایک دو حدیث نقل کرتا ہوں اور اسی کو سند کافی سمجھتا ہوں۔ اس کے بعد مدعیان حدیث کو بھی گنجائشِ انکار باقی نہ رہے گی۔ نسائی شریف میں جو منجملہ صحاح ستّہ مستند کتاب ہے یہ حدیث موجود ہے ذکاۃ المیتہ دباغھا یعنی مُردہ جانور کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے سو صاف ظاہر ہے کہ اس حدیث میں لفظ ذکاۃ سے تطہیر کے معنی مراد ہیں ذبح کے معنی تو کسی طرح ممکن ہی نہیں۔

ایسے ہی دوسری حدیث میں آیا ہے کہ ذکاۃ الارض یبسھا یعنی زمین کی پاکی اس کا خشک ہو جانا ہے۔ علیٰ ہذا مصنف ابن ابی شیبہ میں یہ حدیث موجود ہے۔ اذا جفت الارض فقد ذکت یعنی جب زمین خشک ہوگئی تو وہ پاک ہوگئی۔ سو ان چند احادیث سے ثابت ہوا کہ ذکاۃ کے معنی حقیقی تطہیر اور پاک کرنے کے ہیں سو جب خداوند کریم نے ذبح کو تزکیہ فرمایا تو معلوم ہوا کہ جانور کو بنام خدا ذبح کرنا اس کے گوشت پوست کو پاک کر دینا ہے ورنہ بڑی ہٹ دھرمی ہے کہ یہی لفظ ذکاۃ اگر دباغت پر اطلاق کیا جائے تو پاکی معنی مراد ہوں اور زمین کی خشکی پر بولا جائے تب بھی پاکی معنی مراد ہوں پر ذبح شرعی پر اگر خدائے پاک بھی اس لفظ کو اطلاق فرمائے تو پاکی کے معنی مراد نہ ہوں یہ کیسی بڑی ناانصافی ہے فَمَا لَهُمْ لَا يَفْقَهُوْنَ بالجملہ ذبح باسم اللہ سے ذبیحہ کا گوشت پوست پاک ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ مذبوحہ جانور کی کھال بے دباغت بھی شرعاً پاک ہے بشرطیکہ کوئی آلائش خارجی اس پر نہ ہو اور مردہ جانور چونکہ بنام خدا ذبح نہیں ہوا تو اس کا تمام گوشت پوست ناپاک رہتا ہے یہی وجہ ہے کہ اس کی تطہیر میں شارع نے دباغت شرط کر دی ہے اور بلا دباغت اس کے استعمال کو ناجائز قرار دیا ہے چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ لا تنتفعوا من المیتۃ باھاب یعنی مردہ جانور کی کچی کھال سے نفع نہ اٹھاؤ۔ اور دوسری حدیث میں ہے کہ امر ان یستمتع بجلو والمیتۃ اذا دبغت۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت فرمائی کہ مردہ جانور کی کھال سے نفع اٹھایا جائے جب اس کو دباغت کر لیا جاوے۔ سو ان دونوں حدیثوں سے بھی معلوم ہوا کہ دباغت اگر شرط ہے تو مردہ کی کھال میں شرط ہے نہ کہ مذبوحہ جانور کی کھال میں۔ ورنہ تخصیص میتہ کی جو ان دونوں حدیثوں میں موجود ہے لغو و بے کار رہے گی۔

الغرض جب قرآن و حدیث دونوں سے اس امر کا پتہ لگا کہ مذبوحہ جانور کی کھال بلا دباغت پاک ہوتی ہے تو معلوم ہوا کہ ہو نہ ہو اس کی طہارت اگر حاصل ہوئی ہے تو بدولت ذکر اللہ ہوئی ہے اس تطہیر میں اس جانور کی حلت کو کچھ دخل نہیں۔ ورنہ لازم آتا ہے کہ حلال جانور کا کوئی پارچہ گوشت اگر بغیر ذبح کیے تراش لیا جائے تو وہ پاک سمجھا جائے یا اس کے مرنے کے بعد اس کی کھال پاک تصور کی جائے کیونکہ اس جانور کا از قسم حلال ہونا موجود ہے حالانکہ اس کے پوست کی نجاست ہر دو حدیث بالا سے معلوم ہو چکی اور اس کے گوشت قطع کردہ کی حرمت و نجاست اس حدیث سے ثابت ہے جو ابوداؤد اور ترمذی میں ہے: ما یقطع من البھیمۃ وھی حیّۃ فھی میتۃ ولا توکل۔ یعنی جو پارچہ گوشت زندہ جانور سے کاٹ لیا جاوے اس کا حکم مردہ کا سا ہے وہ کھایا نہ جائے۔ جب اس گوشت کا حکم مردہ کا سا ہوا تو معلوم ہوا کہ وہ حرام بھی ہے اور ناپاک بھی ہے کیونکہ مردہ میں یہ دونوں باتیں جمع ہوتی ہیں۔ بالجملہ ذبح باسم اللہ تطہیر کے لیے علّت مستقلہ ہے اس کے بعد دباغت کی حاجت نہیں رہتی۔ جانور کو اس طرح ذبح کریں وہ لاریب پاک ہو جائے گا۔ ہاں جس جانور کا نجس العین ہونا کسی دلیل شرعی سے ثابت ہو جائے تو وہ البتہ کسی طرح قابلِ تطہیر نہیں ہو سکتا خواہ اس کو بنام خدا ذبح کریں یا اس کی کھال کو دباغت دیویں ناپاک کا ناپاک رہے گا۔ سو تمام جانوروں میں سے صرف خنزیر کا نجس العین ہونا ثابت ہوا ہے کیونکہ اس کے بارے میں آیت فَاِنَّهٗ رِجْسٌ نازل ہوئی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ سراسر ناپاک مجسم ہے سو جو چیز بجمیع اجزائہ ناپاک ہو وہ بھلا خشک کرنے سے کیسے پاک ہو سکتی ہے۔ مثلاً جانوروں کی لید و گوبر یا آدمی کا پاخانہ چونکہ ان کا ہر ہر جزء ناپاک ہے خشک ہونے سے بھی پاک نہیں ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان کپڑے میں باندھ کر

اسی کپڑے سے نماز پڑھے تو اس کی نماز نہ ہوگی گو اس کے چھونے سے ہاتھ یا کپڑا بوجہ خشکی کے ناپاک نہ ہوتا ہو۔ رہا کتّا، بھیڑیا، شیر و ہاتھی وغیرہ، سو یہ سب حرام ہیں پر ان کا نجس العین ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں ہے بلکہ جیسے بیل و ہرن مرا ہوا حرام ہے ایسے ہی یہ حیوانات بھی حرام ہیں سو جیسے وہ دباغت سے پاک ہو جاتا ہے یہ جانور بھی دباغت سے پاک ہو جائیں گے اور جب ان کی کھال دباغت سے پاک ہوئی تو ذکر اللہ سے بدرجہ اولیٰ پاک ہو جائے گی کیونکہ اوپر ثابت ہو چکا کہ ذکر اللہ ایسا اعلیٰ درجہ کا مطہر ہے کہ اس کے سامنے دباغت کی بھی ضرورت نہیں رہتی مگر ان کی کھالوں کے پاک ہونے سے یہ مراد نہیں کہ خواہ مخواہ ایسی کھالوں کے مصلّے بنایا کریں اور پھر اس پر نمازیں پڑھا کریں بلکہ مراد یہ ہے کہ اگر کسی نے لاعلمی سے یا اور کسی وجہ سے اس پر نماز پڑھ لی تو اس کی نماز ہو گئی حاجت اعادہ نہیں۔ پر دیدہ و دانستہ اس پر نماز نہیں پڑھنی چاہیئے کیونکہ اوّل تو کتے کی دنائت و حقارت اسی قابل ہے کہ ہر لطیف المزاج اس سے نفرت کیا کرے اور ایسی گندی باتوں سے بچا کرے۔ دوسرے احادیث سے بھی جلود سباع کے استعمال کی کراہت معلوم ہوتی ہے کیونکہ شیر کی کھال کے استعمال سے رعونت اور تکبر مزاج میں سما جاتا ہے اور کتّے کی کھال کے استعمال سے دنارت اور حرص جی میں آجاتی ہے اس موقع پر پہنچ کر شاید بعض غیر مقلدین یہ بول اٹھیں کہ جب تم نے کتے شیر وغیرہ کی کھالوں کی کراہت حدیث سے تسلیم کر لی تو بس یہی احادیث ان کے نجس ہونے کے لیے دلیل کافی ہیں سو بندہ نواز ذرا اس کا جواب بھی سن لیجئے، اعتراض تو بڑی خوشی خوشی کر ڈالا۔ اگر یہ قاعدہ مسلم ہو کہ جسکے استعمال کی ممانعت ہو وہ شرعاً نجس سمجھا جائے گا تو آپ پر لازم ہے کہ ثواب ارغوانی یعنی جامۂ سرخ رنگ اور دیبا و حریر کو جنکے استعمال کے مردوں کے لیے صاف طور پر احادیث میں ممانعت

موجود ہے ناپاک کیئے۔ علیٰ ہٰذا کرتہ ہائے دراز آستین اور تہ بند دراز ممنوع الاستعمال ہے ان کو بھی ناپاک خیال فرمائیے غرض ایسے ایسی مثالیں بہت موجود ہیں کہاں تک لکھوں۔ سو خلاصہ جواب یہ ہے کہ ممنوع ہونا اور چیز ہے اور نجس ہونا اور شے ہے تنگی موقع اجازت نہیں دیتی ورنہ ہر شے کے لیے ممانعت کی وجہ بیان کرتا اور قرآن و احادیث سے اس وجہ کو موجہ کر دکھاتا۔

بالجملہ ذکر اللہ اور دباغت سے ان محرمات حیوانات کی کھالیں پاک ہو جاتی ہیں پر اس سے یہ کوئی نہ سمجھے کہ خواہ مخواہ بھی اس پر نمازیں پڑھا کریں اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی عالم مسئلہ بتادے کہ اگر کوئی شخص زمین پر پیشاب کر دے اور پھر وہ زمین خشک ہو جاوے تو وہ پاک ہو جاتی ہے۔ اس سے کوئی عالی فہم یہ سمجھ بیٹھے کہ خواہ مخواہ فرش مسجد کو پیشاب سے تر کرنا شرع میں درست ہے خشک ہو کر اپنے آپ پاک ہو جائے گا۔ اس میں کیا ڈر ہے۔ سو بعینہٖ یہی قصہ جلد کلب کی طہارت کا ہے سرِ مُو فرق نہیں جو اس میں سمجھتے ہیں وہی یہاں سمجھو۔

رہا یہ شبہ کہ جب ذبح باسم اللہ سے کتّے کا گوشت پوست پاک ہو جاتا ہے تو اس کے کھانے میں کیا تامل ہے سو اس کا یہ جواب ہے کہ ہمارے مجتہدان زمانہ کی اگر یہی نازک فہمی ہے تو ان پر لازم آئے گا کہ جس چیز کی طہارت ان کے نزدیک ثابت ہو جائے گی فوراً اس کے کھانے کے لیے تیار ہو جایا کریں گے۔ سو لیجئے ہم بہت سی اشیاء طاہرہ آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہیں بہ رغبت دل تناول فرمائیے، آدمی کا تھوک و بلغم اور ناک کا رینٹھ و سنک پاک ہے۔ کپڑا اس سے ناپاک نہیں ہوتا اس کا معجون بنا کر تناول کیجئے۔ زہر پاک ہے خود کھائیے اور اپنے معتقدین کو بھی کھلائیے۔ جلد میتہ بعد دباغت کے پاک ہے۔ پیشاب کا ڈھیلہ خشک شدہ پاک ہے اور جوتی کا تلوہ مل دل دینے سے پاک ہو جاتا ہے،

ان سب کو بھی کھایا کیجیئے۔ سبحان اللہ کیا ان لوگوں کی کوتاہ فہمی ہے کہ اس قدر خرابیاں اپنے ذمہ لے لیں۔

الحاصل کتا وغیرہ ذبح باسم اللہ سے پاک بے شک ہوجاتا ہے پر کھانے کے حق میں بدستور حرام رہتا ہے جیسا کہ میتہ بعد دباغت پاک ہے پر اس کا کھانا حرام ہے لقول النبی علیہ السلام انما حرم اکلھا اس کے بعد غیر مقلدین کی خیانت بھی قابل اظہار ہے وہ یہ ہے کہ فقہ کی کتابوں میں کتے کی نسبت لکھتے ہیں: انہ لیس بنجس العین یعنی کتے کا ہر ہر جزء ناپاک نہیں بلکہ خون اس کا مثل حلال جانوروں کے خون کے بالکل ناپاک ہے اور اس کے اتصال ہی سے سارا گوشت پوست اس کا ناپاک ہے چنانچہ حلال جانوروں کا گوشت پوست بھی تا وقتیکہ اس سے علیحدہ نہ ہو پاک نہیں ہوتا ہے یہی وجہ ہے کہ مردہ جانور شرعاً ناپاک و حرام سمجھا گیا کیونکہ خون سایل جو دراصل نجس العین ہے اس سے جدا نہیں ہوا اور نیز اس وجہ سے شارع نے اس کی کھال کو ناپاک بتایا اور اس کی تطہیر میں بغرض ازالہ رطوبت ناپاک دباغت کو شرط ٹھہرایا۔

الغرض جمیع حیوانات ہیں سوائے خنزیر کے خواہ وہ حلال ہوں یا حرام خون تو اصل سے ناپاک ہے اور گوشت پوست ان کا اصل سے ناپاک نہیں ہے بلکہ بوجہ اتصال خون کے ناپاک ہے۔ سو اصطلاح فقہاء میں جو چیز اصل سے ناپاک ہو اس کو نجس العین کہتے ہیں جیسے لید و گوبر، پاخانہ و پیشاب کہ ان کا ہر ہر جزء ناپاک ہے یہی وجہ ہے کہ یہ اشیاء بعد خشک ہوجانے کے بھی بدستور ناپاک رہتی ہیں اور جو چیز اصل سے تو ناپاک نہ ہو، پر اور کسی ناپاک کے اتصال سے ناپاک ہو اس کو نجس بالغیر کہتے ہیں جیسے پیشاب وغیرہ کے اتصال سے بدن یا کپڑا ناپاک ہوجاتا ہے سو اس کی تطہیر کی یہی شکل ہے کہ اس پیشاب وغیرہ کو

پانی سے دھو ڈالیں۔ سو کتے کی نسبت فقہاء کا یہ ارشاد کہ نجس العین نہیں ہے۔ اس سے یہ مراد ہے کہ اس کا پوست وغیرہ اصل سے ناپاک نہیں ہے پر بوجہ اتصالِ خون کے ناپاک ہے سو حضرات غیر مقلدین اس عبارت کا ترجمہ یوں لکھتے ہیں کہ "کتا ناپاک نہیں"۔ اور عوام کو بہکاتے ہیں کہ فقہ میں کتے کو پاک لکھا ہے حالانکہ فقہ میں اس کی نجس العین ہونے کی نفی کی ہے نہ نجس ہونے کی اس کی ایسی مثال ہے کہ کوئی کہے کہ میں نے گرم پانی نہیں پیا اس سے کوئی سمجھ بیٹھے کہ بالکل پانی ہی نہیں پیا سو یہ خوبی فہم کی دلیل ہے۔

الغرض جب کتے کی ناپاکی بوجہ خون کے تھی سو جب اس کو بطریق ذبح اس کے گوشت پوست سے نکال ڈالیں تو لاریب وہ پاک ہوجائے گا یا بذریعہ دباغت اس کی رطوبت ناپاک دور کردیں تب بھی پاک ہوجائے گا یہی وجہ ہے کہ سوائے خنزیر کے سب جانوروں کی ہڈی وغیرہ کا استعمال شرعاً جائز ہے۔ چنانچہ سُننِ بیہقی میں یہ روایت موجود ہے انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان تمیشط بمشط من عاج۔ یعنی نبی علیہ السلام ہاتھی دانت کا کنگھا کیا کرتے تھے سو جب ہاتھی اور کتا حرام ہونے میں دونوں برابر ہیں سو جیسے ہاتھی دانت کا استعمال شرع میں روا ہے ایسے ہی کتے وغیرہ کی ہڈی و کھال کا حکم ہے، ہاں نفرت طبعی مجوز استعمال نہیں سو وہ نفیس المزاج کے لیے ضرور ہے۔ سو ایسے مسائل لکھنے سے سوائے اس کے کہ عوام میں کسی قدر شورش برپا کریں اور کوئی مفاد نہیں۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ اگر کوئی سور کا گوشت کھانے لگے تو اس سے ہر کس و ناکس نفرت کرنے لگے گا پر اگر کوئی بیاج بٹہ کا مال اُڑانے لگے یا رشوت کے مال سے مٹھی گرم کرنے لگے تو اس سے کوئی چنداں پرہیز نہ کرے گا حالانکہ اس کا گناہ خنزیر کھانے سے زیادہ ہے۔ کیونکہ اس کی حرمت لحق اللہ ہے اور

بیاج ورشوت کی حرمت لحق الجد ہے مرد فہیم کے لیے یہی کافی ہے سو اسی قدر پر بس کرتا ہوں ۔ فقط ۔

چوتھا اعتراض کفایہ میں ہے کہ سور کی کھال دباغت یعنی نمک وغیرہ لگانے سے پاک ہو جاتی ہے ۔

الجواب یہ اعتراض بھی پچھلے ہی اعتراض کا تتمہ ہے اس لیے مناسب تھا کہ بعد لکھنے جواب سابق کے اس کے جواب کو فروگزاشت کیا جاتا مگر چونکہ ان لوگوں نے اس اعتراض میں بھی حسب عادت قدیمہ عوام کے بہکانے کے لیے ایک داؤ کھیلا ہے اس لیے مناسب ہے کہ اس دھوکہ بازی کو سب لوگوں پر ظاہر کر دیا جاوے ۔ صاحبو میری عرض کی جانب دھیان لگائیے اور ان لوگوں کی خیانت کو خیال فرمائیے ۔ کتب احادیث وفقہ کا دستور ہے کہ ان میں ہر قسم کی روایات ہوا کرتی ہیں کوئی صحیح ہوتی ہے کوئی سقیم ۔ چنانچہ ترمذی کو دیکھ لیجیے کہ اس میں ہر قسم کی احادیث موجود ہیں کوئی صحیح ہے کوئی ضعیف اور کوئی غریب ہے کوئی شاذ ، علیٰ ہذا اور جس قدر کتابیں صحاح ستّہ کی ہیں ان میں بھی یہی حال ہے ۔ خود بخاری میں جو بعد کتاب اللہ سب سے زیادہ صحیح کتاب ہے بہت سی احادیث منسوخہ موجود ہیں ۔ شراب کی حلت اور متعہ کا جواز اور نماز میں جوازِ کلام اور ردِّ سلام وغیرہ وغیرہ ان سے ثابت ہے پر چونکہ انہی کتابوں میں احادیث ضعیفہ کا ضعف ظاہر کر دیا گیا ہے اور احادیث منسوخہ کے مقابلہ میں احادیث ناسخہ مذکور ہیں تو ان کتابوں پر کچھ اعتراض نہیں ۔ ہاں جن لوگوں کے مزاج میں مثل ہمارے مجتہدان زمانہ کی سفاہت وبلادت گھسی ہوئی ہے وہ شاید احادیث پر بھی اسی قسم کے اعتراضات کریں سو خیر اگر کتب احادیث پر بھی وہی اعتراض ہے جو کتب فقہ پر اعتراض ہے تو ہم کو چنداں جواب کی ضرورت نہیں ہے ۔ جب اپنے ہاتھوں اپنا گھر بنا بنایا توڑ ڈالا تو ہم کو کیا ضرورت دردسری ہے ۔

شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گزشتی
گو مشت خاک ماہم برباد رفتہ شد

اب ناظرین باتمکین ملاحظہ فرمائیں کہ ہم حدیث وفقہ دونوں کی جانب سے جواب دیتے ہیں کہ اگر ان میں کوئی روایت ضعیفہ مذکور ہو اور اس کے ضعف کو ظاہر کر دیا جائے یا اس کے مقابلہ میں کوئی روایت صحیحہ بیان کر دی جائے تو وہ روایت ضعیف ان کتابوں کے حق میں مسقط اعتبار نہیں بلکہ اور زیادہ تر باعثِ اعتبار ہے چنانچہ ماہرانِ حدیث پر یہ امر مخفی نہیں ہے سو یہی قصہ اس مسئلہ کا ہے ۔ ملاحظہ فرمائیے کہ سور کی کھال کی نسبت ہدایہ میں اس طرح عبارت مذکور ہے : بخلاف الخنزیر لانہ نجس العین " یعنی سور کی کھال قابلِ تطہیر نہیں کیونکہ اس کا ہر ہر جزء ناپاک ہے جیسے پاخانہ وگوبر کہ اس کا ہر ہر جزء ناپاک ہے بعد خشک ہونے بھی ناپاک رہے گا اور درمختار میں ہے : خلا خنزیر فلا یطھر یعنی فلاں فلاں کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے بجز سور کی کھال کے کہ وہ پاک نہیں ہو سکتی ہے اور درمختار میں تو خوب اس مسئلہ کو مدلّل لکھا ہے ملاحظہ کیجیے : قولہ فلا یطھر ای لانہ نجس العین بمعنی ان ذاتہ بجمیع اجزائہ نجسۃ حیًّا ومیتًا فلیست نجاستہ لما فیہ من الدم کنجاسۃ غیرہ من الحیوانات فلذا لم یقبل التطھیر فی ظاھر الروایۃ عن اصحابنا " یعنی دباغت سے اس کی کھال پاک نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے سارے اجزاء ناپاک ہیں زندگی کی حالت میں بھی اور مرنے کے بعد بھی سو اس کی نجاست ایسی نہیں جیسے اور جانوروں کی کھال کی نجاست بوجہ اتصالِ خونِ ناپاک ہے یہی وجہ ہے کہ سور کی کھال قابلِ تطہیر نہیں ہے ۔ چنانچہ ہمارے علماء ثلاثہ سے یہی روایت ہے "

پھر اس عبارت کے آگے یہ عبارت ہے : الا فی روایۃ عن ابی یوسف ذکرھا فی المنیۃ ۔ یعنی ایک روایت غیر مشہور سور کی کھال پاک ہو جانے کے بارے میں امام ابو یوسف سے منیہ میں ذکر کی گئی ہے سو اس کا حال سنیے کہ فقہ کا قاعدہ ہے کہ روایتِ صحیحہ مستندہ کو ظاہر الروایۃ کہتے ہیں اور غیر مستندہ کو بلفظ روایت تعبیر کیا کرتے ہیں سو جہاں ان دونوں کا مقابلہ ہو تو ظاہر الروایۃ پر عمل ہوا کرتا ہے ۔ چنانچہ ردّ محتار میں ہے اذا اختلف التصحیح وجب الفحص عن ظاھر الروایۃ والرجوع الیھا ۔ دوسرے جس مسئلہ میں دلیل بھی مذکور ہو اور دوسری روایت خلاف اس کے بلا دلیل مذکور ہو تو مسئلہ مدللہ پر عمل ہوا کرتا ہے ۔ کما فی ردّ المختار وکذا لو قللوا احدھما دون الاٰخر کان التعلیل ترجیحا للمعلل سو جس حالت میں نجاست خنزیر کی جملہ کتب معتبرہ میں دلیل موجود ہے تو اسی پر عمل ہو گا اور دوسری روایت مرجوح ہو گی ۔ اب معترضین اپنی آنکھوں کا علاج کرائیں اور پھر دلائل فقہ کی آب و تاب کو ملاحظہ فرمائیں ۔ فقط ۔

پانچواں اعتراض

فتاوٰی قاضی خاں میں ہے : وان اولج بھیمۃ او میتۃ ولم ینزل لا یفسد صومہ ولا یلزم الغسل ۔ ترجمہ "اگر کسی نے روزہ کی حالت میں کسی جانور سے یا مردہ عورت یا مرد سے صحبت داری کر لی اور انزال نہیں ہوا تو روزہ بھی نہیں گیا اور غسل بھی واجب نہیں" اور ہدایہ میں ہے کہ کفارہ نہیں آتا خواہ انزال ہو یا نہ ہو"

الجواب

فقہ قانونِ اسلام ہے قرآنِ مجید کی پوری تفسیر اور حدیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری شرح ہے اس میں تمام مسائل جزئیہ مشرح و مبسوط ہیں ان کے احکامات کے لیے جداگانہ ابواب ہیں ہر باب میں اسی باب کے متعلق مسائل مذکور ہیں اور جو جو حکم ان مسائل کے اور باب سے

متعلق ہیں وہ اس دوسرے باب میں مذکور ہیں جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی تو ہم کہتے ہیں کہ اگر کسی نے اپنے خبث نفس کی وجہ سے کسی جانور یا عورت مردہ سے یہ حرکت کی ہو تو لامحالہ شریعت میں اس کا کوئی حکم مذکور ہونا چاہیئے یعنی اوّلاً تو یہ معلوم ہونا چاہیئے کہ آیا یہ فعل اس کا شرعاً جائز ہے یا ناجائز ؟ ثانیاً اس میں غسلِ جنابت واجب ہوتا ہے یا نہیں ؟ ثالثاً اگر بحالت روزہ یہ حرکت وقوع میں آئے تو روزہ کا کیا حکم ہے ۔ رابعاً اس فعل زبوں کی سزا میں اس شخص بدکار کا کیا حکم ہے اور اس جانور کا کیا حکم ؟ سو قربان جائیے فقہاء کے کہ انھوں نے یہ چاروں حکم قرآن و حدیث سے چُن چُن کر اپنے اپنے باب میں ذکر کیے یعنی غسل کا واجب ہونا نہ ہونا باب الغسل میں ذکر کیا اور روزہ کا فاسد ہونا نہ ہونا مفسداتِ صوم میں ذکر کیا اور اس بدکار کی سزا اور جانور کا حکم باب الحدود میں ذکر کیا ۔ تفصیل اس کی یوں ہے کہ درمختار میں حد زنا کے باب میں مذکور ہے کہ ولا یحد بوطی بھیمۃ بل یعزر وتذبح ثم تحرق ویکرہ الانتفاع بھا حیّۃً ومیتۃً ۔ یعنی جانور سے صحبت کرنے میں کوئی حد شریعت میں مقرر نہیں ہوئی ہے مگر ہاں اس شخص بدکار کو سخت تعزیر دی جاوے اور اس جانور کو ذبح کر کے جلایا جائے اور اس جانور سے ہر طرح کا نفع اٹھانا قبل الذبح اور بعد الذبح مکروہ ہے یعنی بعد ذبح کے بھی اس کا گوشت نہ کھانا چاہیئے ۔ سو دیکھئے کہ اس عبارت میں کیسی شدّ و مدّ کے ساتھ اس شخص کا مستحق سزا ہونا اور اس جانور کا جلایا جانا مذکور ہے ۔ رہی یہ بات کہ کون سی سزا اس کو دی جائے گی ؟ سو اس کی نسبت درمختار میں یہ عبارت ہے : والتعزیر لیس فیہ تقدیر بل ھو مفوض الیٰ رائ القاضی ویکون بالقتل یعنی سزا کا گو اندازہ مقرر نہیں ہے بلکہ حسبِ مقتضائے وقت حاکم کو اختیار ہے اگر مصلحتِ وقت ہو تو اس کو قتل

کر دینا بھی حاکم کے لیے جائز ہے۔

اور ردالمحتار میں ہے: "الجماع فی غیر القبل اذا تکرر فللامام ان یقتل فاعلہ" یعنی اگر کوئی اپنی منکوحہ کی فرج کے علاوہ اور کسی محل ناجائز میں بدفعلی کرنے لگے تو امام کو اس کا مار ڈالنا بھی جائز ہے۔

سو دیکھئے کہ ان تینوں عبارتوں کی اوّل عبارت سے اس فعل شنیع کے مرتکب کا مستحق سزا ہونا معلوم ہوا اور دوسری عبارت سے دربارہ تعین سزا حاکم اسلام کا اختیار معلوم ہوا اور تیسری عبارت سے قتل کر دینا تک بھی تعزیراً جائز معلوم ہوا۔

سو اب مجتہدان غیر مقلدین کی خدمت میں التماس ہے کہ اگر آپ کا مقصود اس مسئلہ کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ یہ فعل شنیع علمار حنفیہ کے نزدیک درست ہے چنانچہ آپ کی جماعت کے ہر کہ و مہ سے یہی سنا جاتا ہے تو آپ نے بہت بڑا بہتان اس جم غفیر کے ذمہ لگایا ہے اور اس کے صلہ میں آپ کے تمام ہم مشرب مصداق آیت کریمہ لَا تَفْتَرُوْا عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا فَيُسْحِتَكُمْ بِعَذَابٍ ہو گئے ہیں۔ لہٰذا ضروری ہے کہ آپ اس بہتان بندی سے تائب ہو جائیں اور اپنے سخن کا پاس نہ کریں اور آئندہ جو کچھ شبہات مسائل حنفیہ کی نسبت آپ کو پیش آیا کریں تو کسی مجھ جیسے طالب علم سے اوّل استفسار کر لیا کیجئے پھر کہیں اوروں سے ذکر کیا کیجئے۔ شاید آپ کو وجہ اتہام یہ پیش آئی کہ اس مسئلہ میں غسل وغیرہ کا آنا تو مذکور ہوا پر حد اس کی اس مسئلہ کے ساتھ مذکور نہیں ہوئی اور جب کوئی سزا اس کے ساتھ ذکر نہیں کی گئی تو معلوم ہوا کہ یہ فعل حنفیہ کے نزدیک جائز ہے سو قربان جائیے آپ کی فہم عالی کے اگر یہ قاعدہ مسلم ہے کہ جس فعل کی سزا اس کے ساتھ ہی مذکور نہ ہو تو اس فعل کا جواز مفہوم ہوگا تو لیجئے ہم حدیث

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش کرتے ہیں۔ اس پر بھی اس قاعدہ کو جاری کیجئے اور یہی اعتراض اس حدیث پر بھی جڑ دیجئے۔ حدیث میں آیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ لا قطع فی ثمر ولا کثر یعنی پھل چرا لینے میں یا درخت کی گوبہ چرا لینے میں چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا۔ چھ کتابوں میں یہ حدیث موجود ہے یعنی ترمذی میں یہ حدیث موجود، ابوداؤد میں یہ موجود، نسائی میں یہ موجود، امام مالکؒ نے اس کو روایت کیا ابن ماجہ نے اس کو روایت کیا، دارمی نے اس کو روایت کیا۔ ایسے ہی اور لیجئے دوسری حدیث میں آیا ہے: لیس علی خائن ولا علی منتہب ولا علی مختلس قطع اس کو بھی چار محدثین نے یعنی ترمذی اور نسائی اور ابن ماجہ اور دارمی نے روایت کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ نہ امانت میں خیانت کرنے والے کا ہاتھ کاٹا جائے گا، اور نہ مال لوٹنے والے کا اور نہ گرہ کٹ کا۔ علیٰ ہٰذا تیسری حدیث کو خیال فرمائیے عن ابن عباسٍ انہ قال من اتی بہیمۃ فلا حد علیہ۔ امام ترمذی نے بعد نقل اس حدیث کے یوں فرمایا ہے: وھذا اصح من الحدیث الاول وھو من اتی بہیمۃ فاقتلوہ والعمل علی ھذا عند اھل العلم۔ یعنی ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے فرمایا کہ جو آدمی کسی جانور سے بدفعلی کرے تو اس پر زنا کی حد جاری نہ کی جائے گی امام ترمذی نے اس کو بیان کر کے فرمایا کہ یہ حدیث پہلی حدیث سے صحیح زیادہ ہے جس کا مضمون یہ تھا کہ جو آدمی کسی جانور سے بدفعلی کرے تو اس کو مار ڈالو اور اہلِ علم کا عمل بھی اسی پر ہے کہ اس پر حد نہ آئے گی۔ سو اب غیر مقلدین کی خدمت میں گزارش ہے کہ اپنے قاعدہ کے موافق پھل وغیرہ چرانے کو بھی جائز فرمائیے اور خیانت کو بھی جائز بتلائیے اور لوٹ مار اور لوگوں کی جیبیں کترنے کو

مباح فرمائے۔ اور جانور سے بدفعلی کو بھی جائز بتلائے کیونکہ اس میں حد زنا نہ آنے کو تو امام ترمذی بھی جو محدثین کے امام ہیں خوب شد و مد سے بیان کر چکے ہیں۔

سو اب ناظرین ملاحظہ فرمائیں کہ ہماری طرز کے موافق تو نہ ان احادیث پر کچھ اعتراض ہے اور نہ کتب فقہ پر کیونکہ کسی موقع پر رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو حد کا عدم الوجوب ذکر کرنا مدنظر تھا اس موقع میں تو یہ فرمایا کہ فلاں فلاں پر حد نہیں ہے اور کہیں اس فعل کا حرام و گناہ ہونا ذکر کے قابل تھا وہاں اسکو ذکر فرمایا چنانچہ ماہرین حدیث پر پوشیدہ نہیں ہے۔ علیٰ ہٰذا فقہ میں بھی یہی قصہ ہے یعنی جہاں غسل کے واجب ہونے نہ ہونے کا موقع تھا وہاں اس کو ذکر کیا اور جہاں اس کی حرمت اور اس کی سزا بیان کرنی مدنظر تھی۔ وہاں اس کو ذکر کیا اور کیوں نہ ہو عقل سلیم بھی اسی طرز کو پسند کرتی ہے۔

ع ہر سخن وقتے و ہر نکتہ مکانے دارد

بالجملہ جب اس حرکت شنیع کی حرمت اور اس میں تعزیر کا واجب ہونا ہم کتب فقہ سے مدلل بیان کر چکے تو مجتہدان غیر مقلدین سے التماس ہے کہ اگر آپ کے نزدیک اس صورت خاص میں بلا انزال بھی غسل واجب ہوتا ہے اور بحالت روزہ بدولت اس فعل قبیح کے کفارہ واجب ہوتا ہے تو آپ قرآن و حدیث سے اپنے دعوے کی دلیل لکھنی چاہیئے تھی۔ اگر آپ دلیل لکھتے تو ہم کو بھی اس کی تسلیم سے کیا انکار تھا۔ خیر جب نہیں لکھ سکے تو اب زیب قلم فرمائیے مگر اس قدر خیال رہے کہ چونکہ آپ کے نزدیک اجماع و قیاس تو کوئی دلیل شرعی نہیں ہے اس لیے کسی آیت سے صراحۃً یا کسی حدیث سے وضاحۃً ارقام فرمائیے کہ صورت مرقومہ بالا میں بلا انزال بھی غسل واجب ہوتا

ہے اور روزہ کی حالت میں کفارہ واجب ہوتا ہے۔ اگرچہ مناسب وقت تو یہی تھا کہ تاوقتیکہ آپ وجوب غسل اور وجوب کفارہ کی دلیل بیان نہ کریں ہم اپنے مدعا کی دلیل بیان نہ کرتے مگر چونکہ بعض بعض کو ہماری دلیل سننے کا حد سے زیادہ اشتیاق ہے اس لیے ابھی لکھے دیتے ہیں۔

سو سنیئے تتبع احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اصل میں موجب غسل خروج منی ہے مگر شارع نے بعض مواقع میں اس کے اسباب و دواعی کو اسکے قائم مقام کر دیا ہے جیسے اصل میں ناقض وضو خروج ریح وغیرہ ہے پر بعض موقع میں نیند کو جو باعث استرخاء اعضاء سبب خروج ریح ہے قائم مقام خروج ریح کے کر دیا ہے یہی وجہ ہے کہ جس نیند میں احتمال خروج ریح نہ ہو اس سے وضو نہیں جاتا ہے۔ چنانچہ حدیث میں آیا ہے کہ صحابہؓ انتظار عشاء میں بیٹھے بیٹھے سو جایا کرتے تھے اور پھر اسی وضو سے نماز پڑھا کرتے تھے۔ علیٰ ہٰذا موجب غسل بھی درحقیقت انزال منی ہے چنانچہ ابتدائے اسلام میں صحبت بلا انزال سے غسل واجب نہیں ہوتا تھا اور نیز اسی وجہ سے احتلام فی المنام میں وجوب غسل کے لیے انزال شرط ہے لیکن شارع نے وطی و مجامعت ہم جنس کو جو منجملہ دواعی انزال اعلیٰ درجہ کا سبب ہے۔ قائم مقام انزال کیا ہے اور بوجہ چند اس کو بھی موجب غسل قرار دیا ہے:

اوّل یہ کہ یگانگت جنسی باعث غلبہ شہوت ہوتی ہے۔

دوم یہ کہ محل شہوت کا منکشف ہونا اور زیادہ تر باعث ہیجان شہوت ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان مواضع کا ڈھکنا بہ نسبت ران وغیرہ کے سخت درجہ کا مؤکد ہے۔

سوم یہ کہ پھر ایسے غلبہ شہوت کے وقت حرکات جماعی کا وقوع میں کرنا انزال

منی کو قریب الوقوع کر دیتا ہے۔

چہارم یہ کہ ایسے وقت میں اکثر خروجِ مذی ہوا کرتا ہے اور اس میں منی رقیق کے اختلاط کا احتمال ہوا کرتا ہے۔

پنجم یہ کہ اگر مذی نکلتی بھی ہے تو نظر سے غائب ہوتی ہے اگر بپیشِ نظر ہوتی تو مذی و منی میں فرق چنداں دشوار نہ ہوتا۔ نظر بریں شارع نے صحبت ہم جنس کو قائم مقام انزال کر کے موجب غسل قرار دیا ہے۔ مگر صحبتِ جانور میں اوّل تو یگانگت جنسی مفقود ہے بلکہ بوجہ اختلاف جنسی رہی سہی شہوت بھی کم ہو جاتی ہے۔

دوم یہ کہ فرج جانور محلّ شہوت نہیں یہی وجہ ہے کہ شارع نے اسکی ستر پوشی کی لوگوں کو تکلیف نہیں دی۔ اگر محل شہوت ہوتا تو ضرور ان کو اس کے ڈھانکنے کی تکلیف دی جاتی اور نیز اسی وجہ سے طبایعِ سلیمہ اس سے متنفر ہوتے ہیں اور اس کے ذکر سے بھی مثل ذکر قے یا پاخانہ کے مکدر ہوتی ہیں پھر اس حالت میں بھی کوئی اس سے خراب ہوتا ہے تو محض اپنی سفاہت و دنارت سے خراب ہوتا ہے۔

نظر بریں فرج جانور میں عضوِ مخصوص داخل کرنا ایسا ہے کہ گوبر و پاخانہ کے تودہ میں گھسا دینا اور در و دیوار کے روزن میں چھپا دینا یا ہٹی میں دبا لینا ہے سو جیسے ہاتھ سے دبا لینے میں ہاتھ سے سیلانے میں تاوقتیکہ انزال نہ ہو غسل واجب نہیں ہوتا ہے ایسے ہی صحبت جانور میں بلا انزال غسل واجب نہ ہوگا، اگرچہ سخت درجہ کی معصیت اور سخت درجہ کی سزا کا مستوجب ہے۔

جب اس مسئلہ سے فارغ ہوئے تو دوسرے مسئلہ کا حال بھی خیال فرمائیے: اگر روزہ رمضان میں کسی نے بوجہ اپنی خباثتِ نفس کے کسی جانور سے بدفعلی کی تو مرتکب حرام بے شک ہوا ہے اور مستوجب تعزیر لاریب بن گیا ہے پر کفارہ افطار اس کے ذمہ واجب نہیں ہے۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ جملہ کفارات منجملہ سزاہائے شرعیہ اور

حدود دینیہ ہیں اور حدود میں شارع کو یہ امر ملحوظ ہے کہ جس جس فعل میں جو جو سزا مقرر ہوئی تو اس سزا کو اسی فعل پر مقصود رکھنی چاہیئے اس فعل کی مناسبت میں اپنے قیاس سے اس حد کو جاری نہیں کرنا چاہیئے۔ یہی وجہ ہے کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے بمقتضائے آیتِ قرآنی وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۔ چور کے ہاتھ کاٹنے کا تو حکم فرمایا۔ پر خائن اور اچکا اور لٹیرے کا ہاتھ کاٹنے کا حکم نہ دیا، بلکہ صاف طور سے فرمایا کہ لَيْسَ عَلٰى خَائِنٍ وَلَا عَلٰى منتهب ولا مختلس قطع جس کا خلاصہ پورے طور سے پہلے جا چکا ہے اگرچہ مقتضائے قیاس یہ تھا کہ ان تینوں پر بدرجہ اولیٰ قطع ید واجب ہوتا پر کیا کیجئے کہ حدود میں شارع کو قیاس و اجتہاد پسند نہیں ہے بلکہ حدود کی اصلی جرموں میں بھی یوں حکم ہے کہ ادرؤا الحدود ما استطعتم یعنی جہاں تک ہو سکے حد کو ذرا سے بہانہ سے دفع کر دیا کرو سو اس حدیث کے موافق فقہ کا تو قاعدہ مقرر ہو گیا ہے کہ الحدود تندرء بالشبہات یعنی حد ذرا سے شبہ سے ساقط ہو جاتی ہے بالجملہ چونکہ بوجوہاتِ مذکورہ بالا صحبت جانور بہت سے امور میں صحبت ہم جنس سے علیحدہ ہے تو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خائن اور اچکا وغیرہ پر چوری کی حد جاری نہیں فرمائی ہے ایسے ہی ہم بھی سزائے کفارہ جو عورت سے صحبت کرنے میں واجب ہوتی ہے صحبتِ جانور میں واجب نہ کریں گے بلکہ اس پر سزائے تعزیر جاری کر کے ہدایتِ توبہ تلقین کریں گے۔ واللہ اعلم وعلمہ احکم۔ فقط۔

چھٹا اعتراض

ردمحتار میں ہے: لو رعف فکتب الفاتحة بالدم علی جبهته وانفه جاز للاستشفاء وبالبول۔

ترجمہ: یعنی اگر نکسیر جاری ہو تو شفا کے واسطے اس کی پیشانی پر اور ناک پر الحمد شریف کو خون سے لکھنا جائز ہے اور پیشاب سے بھی لکھنا جائز ہے۔

الجواب میں سخت افسوس کرتا ہوں ان مدعیان عمل بالحدیث کے حال پر کہ انھوں نے کس قدر تدلیس و تلبیس کو جو کار ابلیس ہے اپنا شیوہ بنا رکھا ہے اور کس قدر امور دینیہ میں خرافت و خیانت کو اپنا طریقہ ٹھہرا رکھا ہے جس مسئلہ میں دیکھو یہی حال ہے کہیں عبارت کا مطلب نہیں سمجھے، کہیں ترجمہ غلط کیا اور کہیں اوّل و آخر کی عبارت ہضم کر بیٹھے۔ مسلمانوں بڑی غیرت وحمیّت کا مقام ہے کہ یہ گروہ مفسدین جن میں بیشتر ایسے بھی ہیں کہ ان کا مبلغ علم تار کا سانٹھنا اور ڈوری کا بانٹنا ہے کس گستاخی اور کس بے باکی سے امام ہمام مقتدائے انام حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کو طعن و تشنیع سے یاد کرتے ہیں اور ان کے مذہب کی کتابوں کو کیسے گندی اور خراب بتاتے ہیں۔

اگرچہ یہ صریح بہتان باعث اشتعال طبع ہو کر زبان قلم کو تیز کیا چاہتے ہیں پر اپنی طبیعت کو تھام تھام کر اس خرافات کا جواب نہایت نرم لفظوں میں لکھتا ہوں۔ ہر خاص و عام پر واضح ہو کہ حاشا و کلّا کہیں مذہب حنفیہ میں یہ درست نہیں کہ کوئی آیت قرآنی جس کی شان میں یوں وارد ہے: لَا يَمَسُّهٗۤ اِلَّا الْمُطَهَّرُوْنَ۔ یعنی قرآن مجید کو بجز پاکوں کے کوئی نہ چھوئے۔ خون ناپاک یا پیشاب وغیرہ سے لکھ جائے؟ یہ صرف ان لوگوں کا اتہام ہے ہاں کسی قدر عبارت عربیہ نقل کر کے اور اس سے اگلی عبارت حذف کر کے انجان آدمیوں اور کم استعداد طالب علموں کو تشویش میں ڈالا ہے۔ سو انشاء اللہ تعالےٰ یہ عقدہ بھی کھلا چاہتا ہے۔

عرض مطلب سے پہلے ایک قاعدہ شرعیہ کا اظہار مناسب وقت ہے اس لیے اس کو اوّل لکھتا ہوں بچشم انصاف ملاحظہ فرمائیے۔ شریعت میں جس قدر امور محرمہ ہیں خواہ از قسم اقوال ہوں یا از قسم اعمال وہ سب کے سب بحالت

اکراہ و اجبار یا بوقت مخمصہ و اضطرار قابل مواخذہ نہیں رہتے ہیں ایسے وقت خاص میں صرف اسی مجبور شخص کے حق میں ان اشیاء کی حرمت ظاہری طور سے ساقط ہو جاتی ہے اور حق عمل میں وہ حرمت مبدل بحلّت ہو جاتی ہے مگر حق اعتقاد میں ان کی حرمت بدستور جوں کی توں باقی رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ آیات قرآنی جن سے بحالت اضطرار ان اشیاء کی رخصت معلوم ہوتی ہے اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ کے ساتھ ختم کی گئی ہیں جن سے بشرط فہم ہنوز وجود گناہ کی جانب اشارہ ہے اور نیز اسی وجہ سے کہیں فَمَنِ اضْطُرَّ غَیْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ ارشاد فرمایا اور کہیں فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ نازل فرمایا۔ الغرض فعل حرام کا بحالت اضطرار اجرائے کلمۃ الکفر ہی شرعاً جائز کر دیا گیا ہے تو اور گناہ تو کس گنتی میں ہیں۔

جب یہ قاعدہ ذہن نشین ہو تو اصل مطلب کی بات سنیئے۔ درمختار میں لکھا ہے کہ اختلف فی التداوی بالمحرم وظاھر المذھب المنع۔ یعنی حرام دوائیوں سے علاج کرانے میں اختلاف علماء ہے مگر امام اعظمؒ کے مذہب میں ممنوع و حرام ہے۔ اس قول کی شرح میں علامہ شامی نے اکثر کتب سے اقوال نقل کیے ہیں منجملہ ان کے یہ قول نہایہ سے نقل کیا ہے یجوز ان علم فیہ شفاء ولم یعلم دواء اٰخر یعنی حرام دوا سے علاج کرانا اس وقت جائز ہے جب اس میں شفاء کا یقین ہو اور علاوہ اس کے اور کوئی دوا اس کے حق میں معلوم نہ ہو یہ قول بنظر ظاہر پہلے قول کے معارض و مخالف معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس میں ممنوع ہونا معلوم ہوا تھا اور اس دوسرے قول میں جائز معلوم ہوا ہے لیکن اگر بہ تعمق نظر دیکھا جاوے تو کچھ خلاف نہیں ہے کیونکہ ممانعت اس حالت میں ہے کہ حالت اضطرار نہ ہو اور اس میں شفا بھی متیقن نہ ہو بلکہ مظنون و موہوم ہو۔

چنانچہ علامہ شامی نے بھی ممانعت کی وجہ یہی بیان کی ہے عبارت اس کی یہ ہے: قولہ وظاهر المذهب المنع محمول على المظنون كما علمتہ اور اگر حالتِ اضطرار ہو اور کوئی دوا حلال اس وقت بہم نہ پہنچ سکتی ہو اور کسی حرام دوا میں شفا یقینی ہو تو اس وقت بعلّت اضطرار اس کا استعمال جائز ہے اس صورت میں کوئی تعارض و تخالف دونوں روایتوں میں نہیں ہے مگر اس روایت نہایہ پر جس سے بحالتِ اضطرار جواز استعمال مفہوم ہوتا ہے سفہاء زمانہ کا بڑا سخت اعتراض ہے اور وہی اس کو اپنے زعم میں نہایت مستحکم اور لاحل سمجھتے ہیں وہ یہی کہ بخاری شریف میں جس کا مستند ہونا مسلمہ فریقین ہے یہ حدیث موجود ہے: ان الله لم يجعل شفاءكم فيما حرم عليكم یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ اللہ پاک نے ان چیزوں میں جو تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری شفا نہیں رکھی ہے اور امام ابو حنیفہ رح کے نزدیک اس دوائی حرام کا استعمال جس میں شفا معلوم ہو جائز و مباح ہے۔ سو کیا نا انصافی اور تعصّب مذہبی ہے کہ اپنے امام کے قول پر تو عمل کریں اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو پس پشت ڈالیں۔

اب صاحبِ فہم اس کا جواب بھی بچشمِ انصاف ملاحظہ فرمائیں۔ مہربان مَن یہ بات تو آپ کی بجا و درست ہے کہ بمقابلہ حکم خدا و رسولؐ کے کسی امام کا قول قابلِ پذیرائی اور لائقِ شنوائی نہیں ہے پر وہ قولِ امام جو کسی آیت و حدیث کی معارض نہ ہو بلکہ آیت و حدیث ہی سے مستنبط ہو اس کے تسلیم کر لینے میں کیا تأمّل ہے مگر یہ بات سمجھنی کہ یہ قول امام قرآن و حدیث کے موافق ہے یا معارض، ہر شخص کا کام نہیں۔ اس کے لیے علم وافر درکار ہے۔ اس کے بعد گزارش ہے کہ اس مسئلہ میں جس پر آپ کا سخت اعتراض ہے ہرگز قول امام مخالفِ حدیث نہیں بلکہ قرآن اور حدیث اور قول امام تینوں کے تینوں باہم متوافق و متعاضد ہیں۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ چھوٹی چھوٹی

منطق کی کتابوں میں مذکور ہے ادنیٰ استعداد والا بھی سمجھ سکتا ہے کہ تعارض اقوال میں منجملہ وحدات ثمانیہ کی اتحاد زماں بھی شرط ہے اگر دونوں قول میں زمانہ جُدا جُدا ہو تو ان میں کچھ تخالف نہ ہو گا بلکہ دونوں صادق ہو سکتے ہیں مثلاً کوئی کہتا ہے کہ علاج نہیں کرنا چاہیئے اور مراد یہ ہے کہ زمانۂ صحت میں حاجت علاج نہیں ہے اور دوسرا کہتا ہے کہ علاج کرنا چاہیئے اور مراد یہ ہے کہ ایام مرض میں علاج مفید ہے تو ظاہر ہے ان دونوں قول میں کچھ تعارض نہیں اپنے اپنے موقع میں دونوں صحیح ہیں سو یہی قصّہ بعینہٖ اس مسئلہ میں ہے یعنی حدیث سے ممانعت کا اشارہ اسی وقت نکلتا ہے کہ حالتِ اضطرار نہ ہو اس کو امام صاحب بھی حرام فرماتے ہیں اور فقہ سے جواز کا اشارہ اس وقت ہے کہ نوبت اضطرار پہنچ گئی ہو۔ سو اس کو قرآن مجید بھی جائز بتاتا ہے۔ سو دونوں میں کچھ تخالف نہیں ہے مگر بعض سفہاء کو یہ شبہ پیش آیا کرتا ہے کہ حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حرام دوا میں مطلقاً شفا نہیں ہے اور امام اعظم رح کے مذہب میں گو بحالتِ اختیار اس کا استعمال ناجائز ہے مگر بہ حالتِ اضطرار اس کی اباحت ہے۔ اس صورت میں قولِ امام معارضِ حدیث ہُوا۔

سو اس کا جواب یہ ہے کہ حدیث سے حرام چیز میں شفا کا نہ ہونا معلوم ہوا ہے مگر ظاہر ہے کہ شریعت میں جس قدر محرمات ہیں وہ سب کے سب بحالتِ اضطرار مباحات ہو جایا کرتے ہیں اور جب وہ حرام نہ رہے بلکہ وہ عملاً مباح ہو گئے تو اس حدیث کے تحت میں کیوں کر داخل ہو سکتی ہے؟ کیونکہ منشا حدیث مذکور کا یہ ہے کہ جو چیز جس وقت تک حرام ہو اس وقت تک اس میں شفا نہیں ہے، نہ یہ کہ جب حلال ہو جائے اس وقت بھی اس میں شفا نہیں ہے سو یہی مذہب امام ہے کہ بحالتِ اختیار ادویہ محرمہ سے علاج حرام ہے اور حالتِ اضطرار میں اس کا استعمال جائز ہے۔ اب امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی فقاہت قابلِ دید ہے

کہ کیسا مذہب اسلم اختیار کیا ہے کہ آیت قرآنی فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَا اِثْمَ عَلَيْهِ پر بھی عمل ہو گیا اور حدیثِ نبوی ان اللہ لم یجعل شفاءکم فیما حرم علیکم کا بھی کوئی خلاف نہ ہوا بلکہ اپنا قول ان دونوں ہی سے استنباط کیا۔

اے گروہ غیر مقلدین قرآن وحدیث کے سمجھنے کے لیے مادہ چاہیئے۔ اوّلاً استعداد علمی بہم پہنچائیے۔ پھر معانی قرآن وحدیث کی جانب دھیان لگائیے مگر ظاہر ہے کہ اس زمانہ میں تاوقتیکہ علومِ درسیہ کی پورے طور سے تکمیل نہ کیجئے حصولِ استعداد معلوم ہے ناصحانہ عرض ہے مانئے نہ مانئے اگر میری عرض پر عمل کرو گے تو حضیض سفاہت سے نکل کر اوجِ فقاہت پر پہنچ جاؤ گے اور مصداق حدیث مَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُّفَقِّهْهُ فِی الدین ہو جائے گی اور عادت افترابندی سے بھی بچ جاؤ گے۔ یہ بڑا سخت مرض ہے۔ خداوند کریم اس سے ہر مسلمان کو بچائے۔

الغرض یہ حال تو نہایہ کی روایت کا تھا جو مفصل گزر چکا۔ اب دوسری کتاب کی روایت کا حال سنیے۔ واضح ہو کہ علامہ شامی نے روایت نہایہ نقل کر کے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ حرام دوا سے علاج اگر درست ہے بھی تو اس وقت ہے کہ حالت اضطرار پہنچ گئی ہو اور اگر یہ حالت نہ ہو تو ہرگز نہیں اس کے بعد علامہ شامیؒ نے بیان کیا کہ صاحب ہدایہ نے بھی تجنیس میں یہی مذہب اختیار کیا ہے یعنی بحالت اختیار ادویہ محرمہ سے علاج نادرست ہے اور بحالتِ اضطرار کچھ مضائقہ نہیں۔ عبارت اس کی بعد نقل روایت نہایہ کی یوں ہے: وکذا اختارہ صاحب الهداية فی التجنيس فقال لو رعف فكتب الفاتحة بالدم على جبهته وانفه جاز للاستشفاء وبالبول ايضًا ان

علم فيه شفاء لا باس به لكن لم ينقل یعنی جو روایت نہایہ کا خلاصہ ہے وہی صاحبِ ہدایہ نے تجنیس میں اختیار کیا ہے سو انھوں نے کہا ہے کہ اگر کسی کی نکسیر بہنے لگے اور وہ اپنی پیشانی پر اور ناک پر خون سے الحمد لکھے بغرض شفا نہ بغرض توہین اور ایسے ہی پیشاب سے تو اس کو بعلت اضطرار جائز کہ دیتے ہیں بشرطیکہ اس لکھنے میں شفا کا ہونا قطعاً معلوم ہو جاتا لیکن اس وقت تک شارع علیہ السّلام اور عاملانِ عظام سے اس میں شفا کا ہونا منقول نہیں ہوا سو اس عبارت کا ماحصل یہ ہے کہ اگرچہ حالتِ اضطرار ہو مگر چونکہ اس میں شفاء کا ہونا معلوم نہیں ہے تو الحمد وغیرہ کا خون وپیشاب سے لکھنا بدستور سابق حرام ومعصیّت ہے کیونکہ بحالتِ اضطرار وہی امر حرام جائز ومباح ہو جایا کرتا ہے جس سے شفا کا ہونا معلوم ہو جیسے کسی کے حلق میں پھنس گیا ہو اور اتفاق سے وہاں کوئی چیز سوائے شراب کے موجود نہ ہو اس کی جان پر آبنی ہو۔ سنو ایسی حالت میں شراب سے لقمہ کا اتارنا جائز ہوگا مگر جس چیز میں حصولِ شفا محتمل ہو وہ بہ حالتِ اضطرار بھی جائز نہیں ہوتی ہے بلکہ بدستور حرام رہتی ہے۔

اب ناظرین باتمکین کی خدمت میں التماس ہے کہ جب آپ صورتِ مسئلہ سے واقف ہو چکے اور سمجھ چکے کہ اس مسئلہ میں کوئی خرابی نہ شرعاً ہے نہ عقلاً تو غیر مقلدین کے دھوکہ بازی کو ملاحظہ فرمائیے۔ اس مسئلہ میں بھی حسبِ عادتِ قدیمہ جو مکرر سکرر ان جوابات میں ظاہر کی گئی ہے ان لوگوں نے عبارت مذکورہ بالا میں سے اوّل کے تھوڑی سی عبارت درجِ اشتہار کی ہے اور آگے کی عبارت بالکل ذکر نہیں کی ہے جس سے اصل معنی عبارت بالکل خلاف مراد معلوم ہونے لگے یعنی اس قدر عبارت ان علم فيه شفاء لا باس به لكن لم ينقل بالکل کھا بیٹھے جس کا مطلب یہ ہے کہ آیت کا خون سے

لکھنا اس وقت جائز ہوتا کہ اس میں شفا کا ہونا کسی ذریعہ سے معلوم ہو جاتا لیکن اس وقت تک کسی طریق شرعیہ سے اس میں شفا کا ہونا معلوم نہیں ہوا ہے سو ان لوگوں نے کس قدر کتمانِ حق کیا ہے اور کس قدر غیر قوموں کو حالت اسلام پر ہنسایا ہے۔ اور کس بے طرح عوام کو دھوکہ میں ڈالا ہے کہ جس کا کچھ ٹھکانا نہیں ہے۔

مسلمانو! ان چند مسائل کے ملاحظہ سے ان لوگوں کی حقیقت سے واقف ہو جاؤ اور جان جاؤ کہ ان لوگوں کی یہ حق پرستی ہے اور یہ عمل بالحدیث ہے۔ کیا اسی تلبیس کا نام عمل بالحدیث ہے؟ کیا عاملانِ سنّت کا یہی شیوہ اور طریقہ ہے؟ کہ ابلیس کو بھی منصبِ تلبیس سے معزول کر کے خود اس کے جانشین ہو جائیں اور بوجہ اغوائے واضلال اس کے خلف الصدق بن جائیں۔ معاذ اللہ۔ الغرض ان لوگوں نے اس مسئلہ میں یہ تو لکھ دیا کہ الحمد کا خون سے لکھنا جائز ہے اور یہ نہ لکھا کہ کس شرط سے جائز ہے اور پھر وہ شرط جہاں میں پائی بھی جاتی ہے یا نہیں؟ سو کیوں لکھتے اس کے لکھنے سے مذہب حنفیہ پر اعتراض کیوں کر ممکن تھا سو اس مسئلہ میں تو انھوں نے وہی کام کیا ہے جیسے کوئی دعویٰ کرے کہ قرآن شریف میں نماز کی بالکل ممانعت آئی ہے اور یہ آیت پڑھ کر سنا دیوے لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ یعنی نماز کے پاس بھی مت پھٹکو اور وَاَنْتُمْ سُکَارٰی جو ممانعت کی شرط ہے ذکر نہ کرے۔ چنانچہ بعض بانوا کے قصّہ میں لکھا ہوا ہے کہ اس سے کسی نے پوچھا کہ تم کو قرآن شریف میں سے بھی کچھ یاد ہے۔ بولا کہ قرآن شریف میں دو طرح کے حکم ہیں بعض چیزوں کا امر ہے اور بعض چیزوں کی ممانعت ہے۔ مجھ کو دونوں یاد ہیں۔ سائل نے کہا کہ حضرت سنائیے تو سہی۔ سو اس نے یہ شعر پڑھ کر سنا دیا: ؎

لا تقربوا الصلوٰۃ زنہم بخاطر است
در امر یاد ماند کلوا واشربوا مرا

سائل نے کہا کہ حضرت لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ سے آگے وَاَنْتُمْ سُکَارٰی بھی تو پڑھیے کہ مطلب پورا ہو جائے سو بولا کہ ساری آیت پر عمل کرنا تو بہت دشوار ہے یہ بھی غنیمت ہے کہ اس قدر آیت پر عمل ہو جائے سو ایسے ہی غیر مقلدین کا اس قدر لکھ دینا بھی غنیمت جانو۔ اگر اور بھی اوّل و آخر سے عبارت حذف کر کے چھوٹا سا جملہ لکھ دیتے تو ہم کیا کر سکتے تھے۔ مگر اس قاعدہ کے موافق کہ یہ لوگ ایک امر ذکر کر دیا کرتے ہیں اور اس کی شرط ذکر نہیں کرتے ان سے کچھ تعجب نہیں کہ حضرت سیّد المرسلین خاتم النبیّین علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے ذمہ بھی شرک کا الزام لگا دیں کیونکہ قرآن شریف میں آیا ہے۔ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کہہ دے کہ اگر خدا کے بیٹا ہوتا تو میں سب سے اوّل اس کی پوجا کرتا۔ سو اس آیت میں سے لفظ اِنْ كَانَ کو جو شرط عبادت ہے حذف کر دیں اور یوں کہتے پھریں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِیْنَ۔ سو خدا کے بیٹا ہے سو میں اس کی پوجا کرتا ہوں۔ اس تحریر سے تو اہلِ شرک بھی ان لوگوں کے حد سے زیادہ ممنون اور مشکور ہوں گے اہلِ اسلام گو ناراض ہوں تو ہوں کچھ پرواہ نہیں ہے بالجملہ اہلِ عقل کے نزدیک جیسے اس آیت سے یہ نکلتا ہے کہ اگر خدائے پاک کے کوئی بیٹا ہوتا تو صاحب لولاک ؐ سب سے پہلے اس کی عبادت کرتے مگر چونکہ بیٹا خدائے پاک کے لیے ممتنع ہے لہٰذا اس کی عبادت بھی ندارد ہے ایسے ہی اس عبارت مذکورہ بالا سے نکلتا ہے کہ اگر شارع سے منقول ہوتا کہ خون و پیشاب سے الحمد لکھنا موجب شفائے مریض ہے تو البتہ یہ امر جائز ہوتا مگر چونکہ شارع سے اس میں شفا منقول نہیں لہٰذا جواز کتابت بھی حرام و معصیّت ہے۔ سو علماء حنفیہ سے تو یہ ممکن نہیں کہ یوں کہیں کہ گو شارع علیہ السلام بھی

کسی امر کی اجازت فرمائیں پر ہم تو نہیں مانیں گے مگر ہاں شاید آپ سے یہ امر ممکن الوقوع ہو۔

اب بتلائیے کہ علماء حنفیہ کا یہ فرمانا کہ اگر اس میں شارع سے شفا منقول ہوتی تو یہ امر جائز ہوتا پر شفا منقول نہیں، کیا مخالف عقل و نقل ہے بلکہ درحقیقت فقہاء کو اس عبارت سے اس کی حرمت بیان کرنی مدّ نظر ہے۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ اگر کوئی کہے کہ فلاں مولوی صاحب کو سلیقہ سخن فہمی ہوتا تو عبارت کے نکات و لطائف پر آگاہ ہو جاتے پر ان کو سلیقہ نہیں۔ تو ظاہر ہے کہ اس سے یہ مراد ہوتی ہے کہ مولوی صاحب لطائف کلام نہیں سمجھے۔ سو یہی قصہ بعینہٖ اس مسئلہ خاص کا ہے سرِ مُو تفاوت نہیں۔

اے مجتہدانِ غیر مقلدین اگر آپ اپنی زبان کے محاورات کو خیال کرتے یا منطق کے چھوٹے موٹے رسالہ کو یاد کرتے تو خوب سمجھ جاتے کہ فقہاء عظام کو اس عبارت سے جواز کتابت بالبول والدّم لکھنا مدّ نظر نہیں بلکہ اس کی حرمت ظاہر کرنی ملحوظ نظر ہے کیا آپ اس قدر بھی نہیں سمجھ سکتے کہ جہاں شرط و جزا یعنی مقدم و تالی میں نسبت تساوی متحقق ہوتی ہے اس وقت سلبِ مقدم کو سلبِ تالی لازم ہوا کرتا ہے۔ وکذا بالعکس دیکھ لیجئے کہ ان کانت الشمس طالعۃ فالنہار موجود میں چونکہ رابطۂ تساوی طرفین سے مستحکم ہے تو ہر ایک کا وجود دوسرے کے وجود کو مستلزم ہے اور ایسے ہی ہر ایک کا عدم دوسرے کے عدم کو مستلزم ہے۔

اگر منطق سے آپ کو عداوت ہے تو لیجئے میں اور فن کی کتاب کا حوالہ دیتا ہوں بغور ملاحظہ کر لیجئے۔ مختصر معانی میں بحث شرط میں لکھا ہے کہ محاورات بیانی میں انتفاء شرط سے انتفائے جزا پر استدلال ہوا کرتا ہے چونکہ ایسے الحاث

کا سمجھنا عوام کا کام نہیں اس لیے ثبوت مدعی میں ایک شعر عربی لکھ کر آگے چلتا ہوں اور اہلِ فہم کو اس کے فوائد و نکات کی جانب اشارہ کرتا ہوں:

؎ فلو طار ذو حافرٍ قبلها
لطارت ولٰکنہ لم یطر

سو دیکھ لیجئے کہ اس میں انتفائے مقدم سے انتفائے تالی بیان کرنا مدّ نظر ہے نہ یہ کہ وجود مقدم جتانا مقصود ہے جب یہ چند باتیں ذہن نشین ہوئیں تو بندہ نواز یہی قصہ بعینہٖ ان علم فیہ شفاء لا باس بہ ولکن لم ینقل کا ہے مگر ہاں شاید آپ یہ فرمائیں کہ اگر بجائے لم ینقل لم یعلم ہوتا تو البتہ مثل شعر سابق یہ کہ علم ہو جاتا پر اس میں جو شرط ہے وہ منفی نہیں اور جو منفی ہے وہ شرط نہیں۔ سو اس کا جواب بھی گوش گزار ہے۔ بغور سنیئے، کتابت بالدّم کا موجب شفا ہونا نہ تو عقلاً مستحق ہے جیسا کہ ظاہر ہے اور نہ طباً کیونکہ فن طب میں تاثیرات ادویہ کا تجربہ جو منجملہ اعیان ہیں معلوم ہوا کرتا ہے نہ تاثیرات اعمال کا اب اس کا موجبِ شفا ہونا نہ ہونا اگر معلوم ہو سکتا ہے تو بذریعہ نقل ہو سکتا۔ سو جب نقل سے یہ بات ثابت نہ ہوئی تو اصلاً اس میں شفا معلوم نہ ہوئی۔ اس صورت میں وہی انتفائے شرط یعنی انتفائے علم متحقق ہوا۔ سو اس کو خود لازم آجائے گا کہ یہ عمل ہرگز جائز نہیں ہے۔ اہلِ فہم کو یہی بس ہے۔ جہلا سے کام نہیں۔ اس لیے اس کو ختم کرتا ہوں اور اگلا جواب لکھتا ہوں۔ واللہ اعلم۔ فقط۔

ساتواں اعتراض

در مختار میں ہے: اما عندہ فھی طاھرۃ کسائر رطوبات البدن۔ ترجمہ: یعنی لیکن امام اعظم امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک عورت کی شرم گاہ یعنی فرج کی رطوبت پاک ہے جس طرح تمام بدن کا پسینہ۔

الجواب ان حضرات نے اس مسئلہ میں بھی عبارت ناتمام نقل کی ہے۔ اس سے پہلے عبارت لکھی جس سے اصل مسئلہ خوب فہم میں آجاتا اور نہ یہ لکھا کہ امام صاحب اور صاحبین میں کون سی رطوبت میں خلاف ہے۔

کیا کہوں اس کی تشریح کرتے ہوئے شرم وحیا آتی ہے لیکن کیا کیجئے کہ اگر ہم شرم وحیا ہی کیے جاویں اور یہ لوگ اس غیرتی میں اپنا کام نکالے جائیں اور لوگوں کے دلوں میں اس قسم کے شبہات جمائے جائیں تو کوئی ارباب دانش کا تو کچھ نقصان نہیں ہے بلکہ اور اُلٹی ان کی رہی سہی وقعت بھی ان حضرات کے دلوں سے جاتی رہے گی مگر سیدھے سادے مسلمانوں کو البتہ نقصان ہے کیونکہ وہ ایسے مسائل کی تحقیق بوجہ شرم کے اپنے مولویوں سے نہ کرسکیں گے اور خواہ مخواہ ان خیالات کو اپنے دلوں میں پکائیں گے لہٰذا بحالتِ مجبوری اس کی کسی قدر تشریح کرتا ہوں۔

واضح ہو کہ رطوبتِ فرج تین قسم ہیں: اوّل وہ پسینہ کہ اس مقام سے باہر کی جانب آجاتا ہے جیسے اور تمام بدن پر نمودار ہوا کرتا ہے سو وہ باتفاقِ علماء پاک ہے۔ بشرطیکہ کوئی آلائشِ خارجی اس مقام پر پہلے سے لگی ہوئی نہ ہو کیونکہ فرج عورت کا وہی حکم ہے جو مرد کے عضو مخصوص یا اس کی مقعد کا حکم ہے۔ یعنی جیسے مرد کی جائے بول و براز اگر پہلے سے پاک ہو تو اس کا پسینہ مثل تمام بدن کے پسینہ کے طاہر و پاک ہے ایسے ہی فرجِ عورت کا پسینہ بھی بشرطِ مذکور پاک ہے۔ اگر یہ پسینے ناپاک ہوتے تو لازم تھا کہ ہر روز کیا بلکہ پنجوقتہ رومال پاجامہ کا دھونا ہر نمازی کے ذمہ ضروری ہوتا اور ظاہر ہے کہ یہ بات آیتِ قرآنی: مَا جَعَلَ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ کے سراسر خلاف ہے۔

قسم دوم وہ پسینہ ہے کہ داخل فرج لیکن رحم ومثانہ سے ورے پیدا ہوا کرتا ہے اور بہت کم ہوتا ہے کہ یہ پسینہ وہاں موجود نہ ہو۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ یہ

مقام چونکہ باہر کی جانب سے بند ہے اور اندر کی جانب سے مجوف تو حرارتِ غریزی جو تمام بدن میں دائر وسائر ہے اور تمام بدن کی رطوبات کو ابخرہ بناکر بذریعہ مساماتِ جلدیہ باہر پھینکا کرتی ہے اس مقام میں زیادہ تر محتقن ہوا کرتی ہے اور بخارات زیادہ پیدا کیا کرتی ہے مگر چونکہ ان بخارات کے لیے کوئی متقد نہیں ملتا اس لیے وہ پانی بن کر اسی مقام میں جمع رہتا ہے سو یہ پانی درحقیقت پسینہ جلد ہے نہ یہ کہ رحم ومثانہ سے جو مخزن نجاسات ہیں برآمد ہوا ہے۔

اس رطوبت کی نسبت چونکہ شارع علیہ السّلام سے کوئی حکم اس کے پاک و ناپاک ہونے میں صراحۃً منقول نہیں ہے اس لیے علماءِ امّتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم اس مسئلہ میں دو فریق ہیں اپنے اپنے اجتہاد کے موافق ایک فریق اس کی نجاست کا قائل ہوا اور دوسرا فریق اس کی طہارت کی جانب مائل ہوا۔ صاحبین پہلے فریق کے ہم صفیر و ہم زبان ہیں اور امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ فریق ثانی کے ہم کلمہ اور ہم بیان ہیں۔ سو اگرچہ بنظر ظاہر اس وجہ سے کہ یہ رطوبت مخرج نجاست میں جمع رہتی ہے اس کا ناپاک ہونا ہی خیال میں جمتا ہے لیکن بفکر صائب اگر اس میں تدبّر کیا جائے اور نصوص قرآنی کو پیش نظر رکھا جائے تو فریقِ ثانی کا مذہب ہی قرینِ عقل معلوم ہوتا ہے تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ خداوند عالم کا ارشاد پاک ہے: یَسْئَلُوْنَکَ عَنِ الْمَحِیْضِ قُلْ هُوَ اَذًی فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِی الْمَحِیْضِ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰی یَطْهُرْنَ۔ یعنی اے نبی پاک تجھ سے حیض کا مسئلہ پوچھتے ہیں سو کہہ دو کہ وہ ناپاکی ہے سو عورتوں سے علیحدہ رہا کرو ایام حیض میں اور مت صحبت کرو ان سے جب تک پاک نہ ہو جائیں۔

مقصود اس آیت کے نقل کرنے سے یہ ہے کہ چونکہ خون حیض سراسر پلید اور ناپاک ہے اس لیے تا انقطاع حیض وہ مقام بھی ناپاک رہے گا اور حرمتِ

صحبت بھی بدستور باقی رہے گی پر جب حیض منقطع ہوا تو لامحالہ اس مقام کی نجاست بھی دور ہو جائے گی اور حرمتِ مجامعت بھی مبدل بحلت ہو جائے گی یہ نہ ہوگا کہ رطوبت اس مقام کی تو بدستور جوں کی توں ناپاک رہے پر صحبت جائز و مباح ہو جائے کیونکہ یہ خیال ہر طرح سے مخالف عقل و نقل ہے خلاف نقل تو یوں ہے کہ آیت لَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰی يَطْهُرْنَ میں حرمتِ مجامعت کی غایت و انتہا حصول طہارت معلوم ہوتی ہے اور ظاہر ہے کہ غایت کا حکم مغیا کے مخالف ہوا کرتا ہے۔ نظر بریں لابد ہوا کہ جیسے ایامِ حیض میں رطوبت فرج ناپاک تھی بعد انقطاع حیض رطوبت اس کی ناپاک نہ ہو ورنہ حَتّٰی يطهرن کا ظہور کسی طرح نہ ہوگا۔ علاوہ ازیں حدیث سے بھی یہی مفہوم معلوم ہوتا ہے کہ بعد انقطاع حیض رطوبت فرج ناپاک نہیں ہے۔ چنانچہ بخاری شریف اور مؤطا امام مالک میں یہ حدیث موجود ہے: کان النساء یبعثن الی عائشة بالدرجة فیها الکرسف فیه الصفرة من دم الحیض یسألنها عن الصّلوٰة فتقول لهن لا تعجلن حتّٰی ترین القصّة البیضآء ترید بذٰلك الطهر من الحیضة۔ یعنی عورتیں حضرت عائشہؓ کے پاس روئی حیض کی جس میں کسی قدر زردی باقی ہوا کرتی تھی بھیج کر نماز کا مسئلہ پوچھا کرتی تھیں تو وہ فرمایا کرتی تھیں کہ ابھی جلدی مت کرو جب تک سپید رطوبت مثل چونہ کے رنگ کے نہ دیکھو منشاء ان کا یہ تھا کہ حیض سے پاکی جب حاصل ہوگی جب رطوبت سپید رنگ ہو جائے۔ سو اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ جو رطوبت بعد انقطاع حیض کے ہوا کرتی ہے وہ ناپاک نہیں ہوا کرتی ہے اور مخالف عقل یوں ہے کہ اگر ایام طہر کی رطوبت بھی ناپاک سمجھی جائے تو لازم آتا ہے کہ مجامعت عورت کسی وقت میں جائز نہ ہو نہ ایامِ حیض میں اور نہ ایامِ طہر میں کیونکہ علت حرمت یعنی اذی اور پلیدی

دونوں حالت میں یکساں ہے پھر کیا وجہ ہے کہ بحالتِ حیض تو یہی آیت قُلْ هُوَ الَّذِیْ سرمایۂ حرمت ہو جائے اور زمانہ طہر میں باوجود رطوبت ناپاک باعث حرمت نہ ہو۔

سو معلوم ہوا کہ عقلاً و نقلاً کسی طرح اس پسینہ کو ناپاک نہیں کر سکتے اگر ناپاک ہوتا تو جیسے حائضہ سے صحبت یا کسی سے لواطت و اغلام بعلت اذی حرام و معصیت ہیں تو ایسے ہی بحالتِ طہر بھی بوجہ رطوبت ناپاک صحبت حرام و ممنوع ہوتی۔ واذلیس فلیس۔ الغرض رطوبتِ فرج کی دو قسم تو بیان ہو چکیں۔ اب تیسری قسم کا حال سُنیے۔

قسم سوم وہ رطوبت ہے کہ رحم یا مثانہ سے نکل کر اس مقام میں جمع ہو جاتی ہیں سو وہ باتفاقِ امّت ناپاک ہے یعنی جیسے خون حیض یا پیشاب ناپاک ہے ایسے ہی یہ رطوبت بھی ناپاک ہے۔

بالجملہ پہلی قسم کا پسینہ باتفاقِ علماء پاک ہے اور تیسری قسم کی رطوبت باتفاق ناپاک ہے مگر دوسری قسم کی رطوبت مختلف فیہ ہے۔ سو دلائل ان لوگوں کے جو اس کو ناپاک نہیں بتاتے ہیں وضاحت کے ساتھ بیان ہو چکے ہیں اور یہ بات پہلے لکھ چکا ہوں کہ امام اعظمؒ کا بھی یہی مذہب ہے مگر اس کی پاکی سے یہ مراد نہیں کہ خواہ مخواہ اس میں کپڑا تر کیا کرے بلکہ نفاست تو اسی کو مقتضی ہے کہ اس سے پرہیز کیا کرے لیکن جیسے رینٹھ سنک اگرچہ طبعاً مکروہ ہے پر شرعاً ناپاک نہیں ایسے ہی اس مسئلہ کا قصّہ ہے اسی واسطے فقہ میں لکھتے ہیں کہ عورت کو مستحب ہے کہ ہر وقت اس مقام میں روئی وغیرہ رکھے رہے۔ اس کے بعد ایک اور مسئلہ قابلِ بیان ہے اس میں بھی علماء دو فریق ہیں۔ وہ یہ ہے کہ آدمی کا بچہ یا گائے بھینس، بکری وغیرہ کے بچوں پر جو وقتِ ولادت منی ہوا کرتی ہے آیا وہ ناپاک

ہے یا پاک ہے؟

سو اس میں ایک فریق جس میں صاحبین بھی داخل ہیں اس کی نجاست کی جانب جھکے ہیں اور ایک فریق جس میں امام صاحبؒ بھی شامل ہیں اس کی طہارت کی جانب گئے ہیں سو اس میں بھی بنظر ظاہر مذہب صاحبین اچھا معلوم ہوتا ہے مگر بعد غور کے امام صاحبؒ کا مذہب ہی دلائلِ قرآنی سے مؤید معلوم ہوتا ہے۔

تفصیل اسکی یہ ہے کہ شرع میں جیسے زوالِ نجاست باعثِ تطہیر ہے ایسے ہی ماہیتِ نجس کا متبدل و منقلب ہو جانا مثبت طہارت ہے یہی وجہ ہے کہ مشک اذفر اگرچہ درحقیقت خون ناپاک تھا پر چونکہ اس کی حالت متبدل و منقلب ہو گئی ہے اور اس کی صورت پہلی صورت سے کچھ اور ہی ہو گئی تو ایسا پاک ہوا کہ خود خدائے پاک بھی اپنے کلام میں اس کی مدح فرماتا ہے: وَيُسْقَوْنَ مِنْ رَّحِيقٍ مَّخْتُومٍ خِتٰمُهٗ مِسْكٌ۔ اور ایسے ہی حدیث میں اس کی خوبی کی جانب اشارہ ہے: ولخلوف فم الصائم اطیب عند اللہ من ریح المسک۔ غرض تمام اہلِ ادیان کے نزدیک اس کی طہارت و نفاست مسلّم ہے بلکہ تمام خوشبوؤں میں ضرب المثل ہے۔ وما احسن ما قیل۔

ے وان تفق الانام وانت منهم
فان المسک بعض دم الغزال

جب یہ قاعدہ ذہن نشین ہوا تو سمجھ لیجئے کہ اگرچہ طفلان بنی آدم اور بچگان بقر و غنم اصل میں نطفۂ ناپاک تھے پر چونکہ ان میں اس قدر انقلابات واقع ہوئے کہ اول خون بنے پھر علقہ ہوئے پھر مضغہ پھر عظام تو ہر طرح سے پاک ہو گئے۔ سو وہ رطوبت جو وقتِ ولادت ان کے جسم پر ہوتی ہے ایسی

ہوتی ہے جیسے نافہ مشک پر ہوتی ہے یا لحمِ مذبوحہ پر رطوبت دم باقی رہ جاتی ہے۔ یا طحال و کبد پر آب شکم کی تری ہوتی ہے ایسی ایسی اور بہت سی مثالیں قرآن و حدیث میں موجود ہیں تلاش والے کو مل سکتی ہیں سو اِن وجوہات سے امامِ اعظمؒ رطوبت ولد کو ناپاک نہیں فرماتے ہیں۔

جب یہ سن چکے تو اس مسئلہ میں غیر مقلدین کے قطع برید کو ملاحظہ فرمائیے۔ واضح ہو کہ درمختار میں لکھا ہے کہ منی ناپاک ہے اگر وہ تر ہو تو کپڑا بلا دھوئے پاک نہ ہو گا اور اگر خشک ہو جاوے تو اگرچہ قیاس اسی کو مقتضی تھا کہ جیسے اور نجاسات اگرچہ خشک ہو جائیں بلا دھوئے پاک نہیں ہوتے ہیں ایسے ہی بلا دھوئے پاک نہ ہو پر حدیث میں آگیا ہے کہ بحالت خشکی اگر کپڑے کو مل دیں تو بھی کفایت کرتا ہے پھر صاحبِ درمختار نے بیان کیا کہ اس طرح سے پاک ہو جانا جب ہے کہ پہلے سے سرِ عضوِ مخصوص پر کوئی ناپاکی مثلِ مذی یا پیشاب لگی ہوئی نہ ہو ورنہ وہ بعد خشکی کے بھی بلا دھوئے پاک نہ ہوئی پھر اسکی تشریح کے لیے ایک مسئلہ کتاب مجتبیٰ سے نقل کیا وہ یہ ہے: اولج فنزع فانزل لم یطھر الغسلہ لتلوثہ بالنجس یعنی اگر کوئی صحبت کرے اور قبل انزال علیحدہ ہو جاوے اور پھر منی نکلے سو وہ منی خشکی کے بعد بھی بلا دھوئے پاک نہ ہو گی کیونکہ وہ ناپاک شے سے ملوث ہو گئی ہے اس کے بعد نجس کی تفسیر اس طرح سے کی ہے۔ ای برطوبۃ الفرج فیکون مفرعا علی قولھما بنجاستھا اما عندہ فھی طاھرۃ کسائر رطوبات البدن یعنی وہ ناپاک شے رطوبتِ فرج ہے جو عضو تناسل پر بسبب صحبت کے لگی ہوئی تھی سو اس رطوبت کا نجس ہونا صاحبینؒ کے مذہب پر مبنی ہے نہ امام اعظمؒ کے مذہب پر کیونکہ ان کے نزدیک پسینہ فرج مثل تمام بدن کے پسینوں کے پاک ہے۔

مگر صاحبِ کتاب کا یہ فرق بیان کرنا نظر ظاہر پر مبنی ہے ورنہ در حقیقت اس صورت خاص میں تو یہ رطوبت امام اعظم کے نزدیک بھی ناپاک ہے کیونکہ ان کے نزدیک پسینۂ فرج کے طاہر ہونے میں یہ شرط ہے کہ پیشاب یا خون یا مذی و منی مرد و عورت کی اس پسینہ میں مختلط نہ ہو جیسا کہ ردّ محتار میں ہے:

قلت وهذا اذا لم يكن معه دم ولم يخالط رطوبة الفرج مذى اومنى من الرجل اوالمرأة یعنی پسینۂ فرج اس وقت پاک ہے کہ خون یا مذی و منی مرد یا عورت کی اس کے ساتھ نہ ملی ہو۔ سو ظاہر ہے کہ جس وقت مرد صحبت کرتا ہے بمقتضائے حدیث كل فحل يمذى مذی نکلا کرتی ہے۔ سو اس کے اختلاط سے پسینہ فرج بھی جو امام صاحبؒ کے نزدیک پہلے سے پاک تھا ناپاک ہو جائے گا۔ اس صورت میں باتفاق ائمہ ثلاثہ جو منی اس رطوبت سے ملوث ہو گی بلا دھوئے کسی طرح پاک نہ ہو گی۔

اس کے بعد گزارش ہے کہ غیر مقلدین نے سفہاء کے بہکانے کو اتنی لمبی عبارت سے صرف ایک جملہ اما عنده فهى طاهرة كسائر رطوبات البدن تو ذکر کیا اور اوّل آخر کی عبارت بالکل حذف کر بیٹھے کس قدر خیانت کو ان لوگوں نے اپنا شیوہ بنا رکھا ہے اور طرفہ تر یہ تماشا ہے کہ علامہ شامیؒ نے رطوبت مختلف فیہا کی شرح میں اسی قول کے برابر یہ عبارت لکھی ہے اس کو آنکھ کھول کر نہ دیکھا۔ وهى ماء ابيض متردد بين المذى والعرق يخرج من باطن الفرج الذى لا يجب غسله بخلاف مايخرج مما يجب غسله فانه طاهر قطعًا ومن وراء باطن الفرج فانه نجس قطعًا ككل خارج من الباطن كالماء الخارج مع الولد اوقبله۔ اس عبارت میں رطوبت کی وہی تین قسم بیان کی ہیں جو ہم شروع جواب میں

لکھ چکے ہیں مگر اس قدر ظاہر کر دینا اس وقت ضروری ہے کہ یہ رطوبت ولادت جس کو اس عبارت میں ناپاک لکھا ہے وہ رطوبت ہے جو بطور سیلانِ رحم سے نکلتی ہے سو اس کی ناپاکی کی جانب شروع جواب میں بھی اشارہ کر آیا ہوں اور وہ رطوبت جس کو امام صاحبؒ پاک فرماتے ہیں وہ رطوبت ہے کہ جسم ولد پر معلوم ہو سو وہ ایسی ہی رطوبت ہے جیسے گوشت پر بعد ذبح کے خون کی تری رہ جایا کرتی ہے سو جیسے اس کو ناپاک نہیں کہہ سکتے ایسے ہی اس کو بھی ناپاک کہنا نہیں چاہیئے۔

واللہ اعلم۔ فقط۔

آٹھواں اعتراض

عالمگیری میں ہے: اوسب النبى عليه السّلام اوزنى بمسلمة لم ينقض عهده۔ یعنی اگر کوئی کافر جو مسلمانوں کی رعیت ہے حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی دے یا مسلمان عورت سے زنا کرے تو اس کو مارنا نہیں چاہیئے۔

الجواب

یہ تو ان کی عادت ہی ٹھہری کہ اوّل و آخر کی عبارت حذف کر کے ذرا سا جملہ لکھ دیتے ہیں اور عوام کو دھوکہ میں ڈالا کرتے ہیں پر اس اعتراض میں حد سے زیادہ کھلی خیانت اور صریح حق پوشی کی ہے لم ينقض عهده کا ترجمہ یوں کیا ہے کہ (اس کو مارنا نہیں چاہیئے) حالانکہ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ (اس کا معاہدہ نہیں ٹوٹتا) میں سب مسلمانوں کی خدمت میں ملتمس ہوں کہ آپ قسم دے دے کر ان کے مولویوں سے اس کا ترجمہ پوچھیں کہ ان کی دروغ گوئی سب پر عیاں ہو جائے۔

اب میں مختصر طور پر یہ مسئلہ لکھتا ہوں تاکہ سب عام و خاص اس مسئلہ کی حقیقت سے آگاہ ہو جائیں۔ واضح ہو کہ یہ عبارت واقعی عالمگیری کی ہے اور ایسے ہی در مختار وغیرہ میں ہے مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر حاکمِ اسلام کسی

ملک کفار کو فتح کرے اور پھر ان سے عہد و پیمان لے کر ان کو اپنے ظلِّ حمایت میں جگہ دیوے تو تاوقتیکہ وہ اپنے عہد و پیمان کا خلاف نہ کریں تو مسلمانوں پر لازم ہے کہ ان کا معاہدہ بدستور قائم رکھیں ہاں اگر منکراتِ شرعیہ میں سے کسی جرم کا ارتکاب کریں تو حسبِ قانون شرع اس پر حد جاری کریں سو اگر کسی مسلمان عورت سے کوئی ذمّی زنا کرے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں گستاخی کرے اور اس کے عہد نامہ میں اس قسم کی شرائط کا کچھ ذکر نہ تھا تو گو اس کا معاملہ معاہدہ جوں کا توں باقی ہے ان دونوں جُرموں کی سزا اس کو دی جائے گی یعنی زنا کی صورت میں حد زنا اس پر جاری ہوگی۔ چنانچہ ردمحتار میں ہے: قولہ ولا بالزنا بمسلمۃ بل یقام علیہ موجبہ وھو الحد۔ یعنی زنا ر مسلمہ سے عہد تو نہ ٹوٹے گا پر اس پر زنا کی سزا جاری کی جائے گی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بُرا کہنے میں اگر خفیہ طور سے ایک دو دفعہ اپنی گمت کے آدمیوں میں بُرا کہا ہے اور عہد نامہ میں اس قسم کی شرائط کا کچھ ذکر نہ ہو تب بھی اگرچہ معاہدہ اس کا بدستور باقی ہے لیکن تعزیراً اور زجراً سزا دیا جائے گا۔ یہاں تک کہ اگر مصلحتِ وقت ہو تو اس کو قتل کر دینا تک بھی جائز ہے چنانچہ درمختار میں ہے: ویؤدب الذمی ویعاقب علی سبّہ دین الاسلام والقرآن او النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال العینی واختیاری فی السب ان یقتل وتبعہ ابن الھمام قلت وبہ افتی شیخنا الخیر الرملی وھو قول الشافعی۔
یعنی ذمی دینِ اسلام یا قرآن یا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بُرا کہنے میں تادیب و تعزیر دیا جائے علامہ عینی نے فرمایا ہے کہ میرا مذہب یہ ہے کہ وہ قتل کیا جائے۔ اسی مذہب کے ابنِ ہمام تابع ہوئے ہیں اور شیخ رملی نے بھی اسی کا فتویٰ دیا ہے اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔

پھر یہ بھی جب ہے کہ اس قسم کی شرائط وقتِ عہد اس سے نہ کی گئی ہوں۔
اور اگر اس سے شرط کی گئی ہو کہ مذہبِ اسلام اور قرآن مجید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا نہ کہے یا فلاں فلاں کام نہ کرے اور وہ پھر اس نے اس کا خلاف کیا تو اس کا معاہدہ بھی باقی نہ رہے گا۔ بلکہ مباح الدم ہو جائے گا۔ چنانچہ ردمحتار میں ہے: اقول ھذا ان لم یشرط انتقاضہ بہ اما اذا شرط انتقض بہ کما ھو ظاھر۔ یعنی عہد کا نہ ٹوٹنا جب ہے کہ اس قسم کی شرط نہ کی گئی ہو ورنہ بُرا کہنے سے اس کا عہد ٹوٹ جائے گا۔
علیٰ ہذا اگرچہ معاہدہ میں ایسی شرائط نہ کی گئی ہوں پر وہ کھلم کھلا نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بُرا کہتا پھرتا ہے تب بھی اس کا عہد ٹوٹ جائے گا اور اس کے صلہ میں قتل کیا جائے گا۔ چنانچہ ردّمحتار میں ہے: قولہ وسب النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔ ای اذا لم یعلن فلو اعلن بشتمہ او اعتادہ قتل ولو امرأۃ وبہ یفتی الیوم۔ یعنی عہد کا نہ ٹوٹنا اس وقت ہے کہ علی الاعلان برا نہ کہا ہو۔ اور اگر کھلم کھلا بُرا کہا ہے یا اس کی عادت کر لی ہے تو قتل کر دیا جائے اگرچہ عورت ہی کیوں نہ ہو اسی پر اب فتویٰ ہے۔ یہ عبارات تو کتب فقہ کی تھیں اب حدیث کا حال بھی سنیے: سو اس سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے کہ اگر بار بار نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بُرا کہنے کی عادت کر لی تو اس کا خون معاف ہے ابو داؤد میں ہے: ان اعمیٰ کانت لہ ام ولد تشتم النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتقع فیہا فینہاھا فلا تنتھی ویزجرھا فلا تنزجر قال فلما کانت ذات لیلۃ جعلت تقع فی النبی صلی اللہ علیہ وسلم وتشتمہ فاخذ المغول فوضعہ فی بطنھا واتکاء علیہا فقتلھا۔ الحدیث۔ یعنی ایک نابینا کی باندی تھی اور نبی علیہ السلام کو بُرا بھلا کہا کرتی تھی وہ نابینا اس کو منع کیا کرتا

تھا اور جھڑکا کرتا تھا سو وہ باز نہ آتی تھی۔ اتفاقاً ایک رات کو پھر بُرا کہنے لگی تو نابینا نے ایک چھُرا لے کر اس کے پیٹ میں بھونک دیا اور اس کو جان سے مار ڈالا۔ جب شدہ شدہ اس امر کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر پہنچی تو آپؐ نے فرمایا: الا اشھدوا انّ دمھا ھدر. یعنی گواہ رہو کہ خون اس باندی کا معاف ہے۔ اب صاحب انصاف ملاحظہ فرمائیں کہ کتبِ فقہ اور حدیث شریف کس طرز سے موافق و مطابق ہیں پھر کوئی ان دشمنان دین و دانش سے پوچھے کہ تم نے کس کرتوت پر اور کس منہ سے کہُ دیا کہِ کتبِ فقہ میں لکھا ہے کہ اس کو مارنا نہیں چاہیئے۔ اللّٰھم احفظنا من الخیانۃ فِی الدین.
واٰخر دعوٰنا ان الحمد للّٰہ رب العٰلمین والصّلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین۔ فقط۔

التماس مؤلف

بہت دنوں سے یہ چند اعتراضات جن کے اس رسالہ میں جوابات ہیں علماءِ غیر مقلدین کی جانب سے بار بار مشتہر ہوئے اور علماءِ حنفیہ نے ان کے جوابات بھی دیئے ہیں مگر غالباً اس وقت تک کسی نے ان کو طبع نہیں کرایا ہے. بلکہ زبانی ہی جوابات کو کافی و وافی سمجھا ہے یہی وجہ ہے کہ عوام غیر مقلدین کو یہ اعتراضات واقعی معلوم ہوتے ہیں گو ان کے علماء تو خوب جانتے ہیں کہ ان اعتراضات کی درحقیقت کچھ اصل نہیں ہے ہاں اپنے مذہب کی ہوابندی کے لیے ایک عمدہ حیلہ سمجھتے ہیں۔ سو جب اس خادم الطلبہ نے دیکھا کہ بعض بعض مقلدین کے دلوں میں بھی یہی بات جمنے لگی کہ واقعی یہ اعتراضات بجا و درست ہیں.

سوان کے جوابات طبع کرانے کا دھیان دِل میں جمایا اور یہ سمجھتا تھا کہ چار پانچ صفحہ میں ان کے جوابات آجائیں گے مگر جب لکھنے بیٹھا تو بہت سے مضامین ہر ہر جواب کے متعلق قرآن و حدیث و فقہ سے سمجھ میں آئے ان کا لکھنا بہت ہی مصلحت معلوم ہوا۔ اس لیے ہر ہر جواب میں شرح و بسط کا اتفاق ہُوا. امید کہ ناظران اتفاق پسند ان کو بچشم انصاف ملاحظہ فرمائیں اور پھر باہم اتفاق کے تدبیر نکالیں کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے: ایاکم وسوء ذات البین فانھا الحالقۃ یعنی بچو آپس کی پھوٹ سے کیونکہ وہ دین کو مونڈنے والی ہے اور بعض روایت میں آیا ہے: لا اقول تحلق الشعر ولکن تحلق الدین۔ یعنی فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کہ میں یہ نہیں کہتا کہ یہ پھوٹ بالوں کو مونڈتی ہے بلکہ یہ کہتا ہوں کہ دین کو نیست و نابود کر ڈالتی ہے خصوصاً علماءِ غیر مقلدین کی خدمت میں التماس ہے کہ اوّلاً اس رسالہ کو بالاستیعاب ملاحظہ فرمائیں اور ہر ہر جواب کی عبارت میں بہ تدبّر غور فرمائیں اور جھٹ پٹ بے سوچے سمجھے جواب کے لیے قلم نہ اُٹھائیں کیونکہ جواب کا نام کر دینا تو بہت آسان ہے پر تحقیقی جواب لکھنا ہر جگر خام کا کام نہیں ہے۔ ہاں جو صاحب ان جوابات میں کوئی غلطی دیکھے تو بالضرور اس کو ظاہر فرمائیے کیونکہ منشاءِ ان جوابات کا اظہار صواب ہے نہ اپنی بات پر ہٹ دھرمی کرنا یا باطل طور سے سخن پروری کیے جانا۔ سو اگر کوئی صاحب مجھ کو میری غلطی پر متنبہ کرے تو میں اس کا حد سے زیادہ ممنون و مشکور ہوں گا مگر اس قدر اور التماس ہے کہ جو صاحب اس کا جواب تحریر فرمائیں تو اس کا ضرور التزام فرمائیں کہ یہ رسالہ من اوّلہٖ الیٰ اٰخرہٖ اس جواب کے ساتھ ہی مطبوع ہو تا کہ ہر ناظر فہیم ہر دو تحریرات میں پورے طور سے موازنہ کر سکے اور حق و باطل میں تمیز کر سکے۔ ورنہ قولہ اور

اقول سے کوئی کیا سمجھ سکتا ہے اور کیا کہہ سکتا ہے کہ کون حق کہہ رہا ہے اور کون باطل۔ علاوہ بریں اس رسالہ میں بھی یہی التزام کیا گیا ہے کہ آپ کی ازہاق الباطل کی عبارت بجنسہٖ لکھی گئی ہے۔ سو نظر بریں آپ کو بھی لازم ہے کہ اس کے جواب میں اس کی پوری عبارت درج جواب فرمائیں اور اگر یہ جملہ جوابات آپ کے نزدیک مسلم ہوں چنانچہ آپ لوگوں کا دعویٰ حق پرستی اسی کی امّید دلاتا ہے تو مناسب ہے کہ اپنے متبعین کو اپنے اتہاماتِ بیجا اور خیاناتِ نازیبا پر مطلع فرمائیں۔ اس اطلاع کرنے سے اگرچہ بظاہر آپ لوگوں کی ہوا خیزی معلوم ہوتی ہے مگر درحقیقت اس طرز سے آپ لوگوں کی حقانیت لوگوں کے دلوں میں بیٹھے گی اور آپ کی انصاف پسندی معروف و مشہور ہوگی۔

مقام غور ہے کہ علمائِ غیر مقلدین مذہب حنفیہ پر تو کیسے جھوٹے اور لا اصل اعتراضات مشہور کریں اور اپنے مذہب کی خبر بھی نہ لیں کہ کیسے گندے مسائل خلافِ عقل و نقل اس میں موجود ہیں بطور نمونہ لکھتا ہوں جس کو ان میں کچھ تردّد ہو اور میرے قول کو باور سمجھے تو ان لوگوں کے مولویوں سے قسمیہ پوچھ لے کہ کیا کہتے ہیں؟ کیا کہیئے ان کے مذہب کی بنیاد صرف زبان ہی پر ہے کوئی کتاب ان کے مذہب کی ایسی نہیں کہ اس میں جملہ عقائد و مسائل اس فرقہ کے مذکور ہوں اور سب اس کو تسلیم کرتے ہوں ورنہ میں ان کتابوں سے حوالہ دے کر لکھتا۔ اب اگر کسی کتاب کا حوالہ دیا جاتا ہے اور اس موقع میں یہ لوگ مجبور ہو جاتے ہیں تو اس کتاب سے ہی صاف انکار کر بیٹھتے ہیں۔ اس لیے مناسب ہے کہ ناظرانِ فہیم ان کے مولویوں سے ان مسائل کا اقرار وانکار کرالیں اس کے بعد ہم اپنا مکنون خاطر بذریعہ تحریر ظاہر کریں گے۔

مسئلہ اوّل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیشہ ایک ایسے کنوئیں سے پانی پیا ہے اور اسی سے وضو کیا ہے کہ جس میں لوگوں کا گوہ مُوت اور کتّوں کا گوشت اور حیض کے لتّے پڑے ہُوئے سڑا کرتے تھے۔ حالانکہ ہم لوگوں سے یہ بھی ممکن نہیں کہ جس پانی میں چڑیا بھی مر کر سڑ جائے اس کو پی سکیں تو پھر جناب سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم جن کی نفاست و نظافت غیر قوموں کے نزدیک بھی مسلّم ہے کیونکر اس پانی کو جس میں اس قدر نجاسات پڑی سڑتی ہوں گی نوش فرماتے ہوں گے؟ معاذ اللہ۔

مسئلہ دوم اگر کنوئیں میں پانچ آدمی بھی مل کر مُوت کی دھاریں جھیر جھیر لگائیں جائیں تو وہ پانی پاک ہے۔ معاذ اللہ۔

مسئلہ سوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسبب التزام کر دینے بیس رکعت تراویح کے بدعتی ہو گئے اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ بسبب زیادہ کرنے اذان اوّل جمعہ کے بدعتی بن گئے۔ حالانکہ علیکم بسنتی و سنۃ الخلفاء الراشدین من بعدی کے یہ خیال سراسر خلاف ہے۔

مسئلہ چہارم ان کے بڑے مجتہد دہلی والے فرماتے ہیں کہ سو زنا ایک طرف ہیں اور ایک تقلید ایک طرف جس کے یہ معنی ہوئے کہ تمام مقلدین بجرمِ تقلید گویا اولادِ زنا سے بھی بدتر ہیں اس کا ثبوت میرے پاس موجود ہے میرے مکان پر جو صاحب پوچھنا چاہیں تشریف لائیں اور اپنا اطمینان کر جائیں۔

مسئلہ پنجم جس قدر مجتہدین گزرے ہیں وہ سب کے سب بوجہ کرنے قیاس کے زمرہ شیاطین میں محبوب ہیں خواہ صحابی ہوں یا تابعی یا اور بعد کے لوگ ہوں اور اپنے دعویٰ کی دلیل اول من قاس ابلیس کو بتاتے ہیں۔

مسئلہ ششم | صرف نحو کی کتابیں یا اصولِ فقہ کی کتابیں پڑھنی سب حرام ہیں کچھ حاجت کتب فقہ کی نہیں ہے ہم سب مسائل قرآن و حدیث سے نکال سکتے ہیں۔

استفتاً از علماءِ غیر مقلدین

خیر اگر یہ بات آپ کی ٹھیک ہے تو اس مسئلہ کا جواب تحریر فرمایئے اور نصِ قرآنی یا صحیح حدیث سے دلیل لایئے اور اجماع و قیاس کو دخل مت دیجئے، میں تم کو خدائے علیم و خبیر کی قسم دیتا ہوں کہ اس مسئلہ میں کتب فقہ کا ہرگز مطالعہ نہ فرمائیں سو آپ بھی براہِ عنایت قسم کھا کر ارقام فرمایئے کہ ہم نے اصلاً کتب فقہ کو اس کی تلاش نہیں دیکھا ہے بلکہ اپنی سمجھ ہی سے قرآن و حدیث سے اس کا جواب لکھا ہے مسئلہ یہ ہے:

سوال اوّل | تین شخصوں نے باہم جمع ہو کر ۲۳۶۶ اور ۲۳۶۸ اور ۲۳۶۹ کی نسبت سے ایک غلام خریدا پھر ایک نے ان میں سے اپنے حصّہ کو مدبّر کیا اس کے بعد دوسرے نے اپنے حصّہ کو آزاد کیا اور تیسرا ساکت رہا اب ساکت و مدبر چاہتے ہیں کہ اپنے حصہ کا تاوان لیں مگر ان تینوں میں یسار و اعسار کے سبب آٹھ احتمال ہیں۔ یا تینوں[1] موسر ہیں، یا تینوں[2] معسر، یا مدبّر[3] و معتق موسر ہیں اور ساکت معسر، یا برعکس[4]، یا معتق[5] و ساکت موسر ہیں اور مدبر معسر، یا برعکس[6] ہے، یا مدبر[7] و ساکت موسر ہیں اور معتق معسر، یا برعکس[8] ہے۔ سو ہر ہر احتمال کا جُدا جُدا جواب فرمایئے اور ہر ہر دعوی کی دلیل بتلایئے علیٰ ہٰذا ایک مسئلہ فرائض کا نکال دیجئے اور اس میں ہر ہر بات کی دلیل قرآن یا حدیث صحیح سے بتلا دیجئے اور قیاس کا کچھ اعتبار نہ کیجئے۔

سوال دوم | ما قولکم رحمکم اللہ فی امرأۃ ماتت عن زوج وام واختین لاب وام واختین لام و ترکت خمس مائۃ وخمس روبیۃ وخمس آنہ جات وخمس پائیات ومکانین ثم ماتت امہا عن زوج واخت لاب وام واختین لام ثم مات زوج ھذہ الام عن بنتین واخت لاب وام واخت لام الا ان احدی البنتین صالحت علی السریر و خرجت من البین ثم ماتت ھذہ المصالحۃ عن زوج وام وسبع بنات وتسعۃ اخوۃ لام۔ بینوا توجروا۔

تمّت

المجیب

میر محمد طالب علم مدرسہ حنفیہ میرٹھ واقع محلہ اندر کوٹ

رأیت ھذہ الاجوبۃ کلھا فوجدتھا مملوۃ من التحقیقات وقد وقع منی فیھا شیء من المحو والاثبات

محمد ناظر حسن عفی عنہ

احقاق حق

تالیف

حضرۃ مولانا حافظ محمد حبیب اللہ ڈیروی صاحب

ناشر

پیر جی کتب خانہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ وَنُسَلِّمُ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ اَمَّا بَعْدُ!

برادران اسلام!

فقہائے احناف کا امتِ مسلمہ پر بہت بڑا احسان ہے کہ انہوں نے مسائل فروعیہ کو اپنی کتابوں میں ترتیب سے جمع کر کے امتِ مسلمہ کے لیے آسانی پیدا کر دی اور یہ ثابت کر دیا کہ اسلام ایک عالم گیر مذہب ہے خصوصاً امامِ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہادی و قیاسی مسائل جو قرآن وحدیث سے مستنبط ہیں امت کے لیے احسانِ عظیم ہے۔ دنیا و آخرت کے تمام مسائل کا حل اسلام کے اندر موجود ہے جب کہ کمیونسٹ لوگ اسلام کو عالم گیر مذہب تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ حالانکہ مسائل اجتہادیہ وقیاسیہ کو تسلیم کیے بغیر کوئی چارہ نہیں چنانچہ غیر مقلدین حضرات کے ایک مسلّم عالم مولانا ابراہیم سیالکوٹی فرماتے ہیں: "اور کوئی صاحب علم جو نصوصِ قرآن وحدیث پر بالغ نظر رکھتا ہو اور اس کو خدا نے علوم خادمہ میں سے بھی کافی حصہ دیا ہو اور طبع کی سلامتی اور اصابتِ رائے کی نعمت بھی بخشی ہو اس تقسیم سے گریز نہیں کر سکتا ورنہ نصوص کی عدمِ رعایت سے (معاذ اللہ) شریعت مہمل و بے کار سمجھی جائے گی اور بصورتِ فقدانِ نص اجتہاد کی ضرورت کو تسلیم نہ کرتے ہوئے شریعت اسلامی عالم گیر اور تا قیامِ قیامت قائم نہ جانی جائے گی اور یہ دونوں باتیں درست نہیں۔ نیز یہ کہ فقہ حنفی میں کتاب ہدایہ میں مسائل فقہیہ کی اسناد میں روایات سے جو ثبوت پیش کیا ہے اور ان کی تائید میں اصولی و معقولی باتیں سمجھائی ہیں۔ اس میں امام برہان الدین مرغینانی مصنف ہدایہ کی سعی معاذ اللہ بے سود گنی جائے گی اور یہ بات سوائے کسی جاہل اور بے سمجھ کے کون کہے گا ھـــذا و اللہ

الھادی (تاریخ اہل حدیث ص ۱۱۹ تا ۱۲۰) حتی کہ غیر مقلدین حضرات کے شیخ الکل سید نذیر حسین صاحب دہلوی کی سوانح الحیاۃ بعد المماۃ ص ۲۷۴ ناشر المکتبہ الاثریہ سانگلہ ہل ضلع شیخوپورہ میں ہے۔ ''در اکثر مسائل قیاسیہ مختار امام اعظم ابوحنیفہ رضی اللہ عنہ معمول مے دارند'' (ترجمہ) شیخ الکل مسائل قیاسیہ میں اکثر امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پسند کردہ مسلک کو اختیار کرتے تھے۔

اس لیے بعض غالی قسم کے غیر مقلدین کا فقہ حنفی پر اعتراض کرنا اور اس سے نفرت دلانا دراصل کمیونسٹ ذہن کے لوگوں کی اتباع و تقلید ہے۔ پہلے زمانہ میں رافضی فرقے کے لوگ بھی فقہ حنفیہ پر اعتراض کرتے تھے اور اب بعض غالی اور متعصب قسم کے غیر مقلد اس جھوٹے پروپیگنڈے میں دن رات منہمک ہیں اور سادہ لوح مسلمانوں کے دلوں میں شیطانی وساوس و شکوک و شبہات ڈالنے میں مصروفِ کار ہیں، فقہ حنفی میں بعض مسائل کے کمزور ہونے سے یہ کیسے لازم آتا ہے کہ فقہ حنفی کا تمام ذخیرہ معاذ اللہ بے کار ہے۔ جس طرح حدیث شریف کی کتابوں میں بعض جھوٹی و من گھڑت روایتوں کے درج ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ معاذ اللہ حدیث پاک کا سارا ذخیرہ بے کار و ناقابلِ عمل ہے جب کہ منکرینِ حدیث اسی اصول سے کام چلا کر حدیث شریف کے سارے ذخیرہ کو رد کرتے ہیں اور یہی اصول بعض غیر مقلدین حضرات نے اپنے بھائیوں سے لے کر فقہ حنفی کے تمام ذخیرہ سے اعتماد اٹھانے کے لیے استعمال کیا ہے راقم الحروف تفصیل میں جانا نہیں چاہتا کیوں کہ مقدمۃ الکتاب کے چند اوراق اس کی گنجائش نہیں رکھتے۔ اس لیے اب غیر مقلدین کے ان چند اعتراضات کا جواب دیا جاتا ہے جو وہ فقہ حنفی پر کر کے مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی ناجائز کاروائی کے مرتکب ہوتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۱:

فقہ حنفی پر اعتراض کرتے ہوئے مولوی یوسف جے پوری لکھتے ہیں:

''جانور سے جماع کرنے پر حد نہیں آتی۔''

درمختار جلد ۲ ص ۴۱۴، عالمگیری ج ۲ ص ۶۷۳، ہدایہ ج ۲ ص ۴۵۸، شرح وقایہ ص ۳۳۱، کنز ص ۱۹۲۔ (حدیث میں ہے کہ اس شخص اور جانور کو قتل کر دیا جائے) حقیقۃ الفقہ ص ۱۶۹۔

الجواب:

جانور کے ساتھ بدفعلی کرنا حرام ہے مگر اس کو زنا نہیں کہا جا سکتا کیوں کہ زنا انسانی جنس سے ہوتا ہے اگر شادی شدہ انسان زنا کا ارتکاب کرے تو اسے رجم (سنگ سار) کیا جائے اگر غیر شادی شدہ زنا کا ارتکاب کرے تو اسے سو کوڑے مارے جائیں گے لیکن اگر کوئی بد فطرت اور بدبخت انسان جانور کے ساتھ بدفعلی کرے تو اس پر زنا کی حد جاری نہ کی جائے گی اور فقہ کی کتابوں میں جس طرح یہ مسئلہ موجود ہے بعینہٖ یہی مسئلہ حدیث شریف کی کتابوں میں بھی موجود ہے۔ مثلاً مشکوٰۃ شریف ص ۳۱۳ و ترمذی شریف ص ۲۷۰ (ابواب الحدود) ابوداؤد شریف ج ۲ ص ۲۶۵ (ابواب الحدود) میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''جو شخص جانور کے ساتھ بدفعلی کرے تو اس پر حد نہیں'' باقی اس کا یہ مطلب لینا کہ زنا کی حد نہیں تو یہ فعل جائز ہوا۔ یہ نری حماقت ہے دیکھیے گندگی کھانا اور خنزیر کھانا شرعاً حرام ہیں مگر کھانے والے پر شرعاً کوئی حد مقرر نہیں ہے اور فقہ کی کتابوں میں صراحۃً موجود ہے کہ جانور کے ساتھ وطی کرنے والے کو تعزیر لگائی جائے یعنی سخت سزا دی جائے جس کا ذکر مولف حقیقۃ الفقہ نے چھوڑ دیا ہے اور خیانت کا ارتکاب کیا ہے اور ان لوگوں کی ساری زندگی ہی جھوٹ بولنے میں صرف ہو جاتی ہے اور تعزیر کے طور پر جانور کے ساتھ بدفعلی کرنے والے بدفطرت انسان کو حاکمِ وقت قتل کر دے جیسا کہ ترمذی شریف کی ایک روایت میں آتا ہے کہ بدفعلی کرنے والے انسان اور جانور جس کے ساتھ بدفعلی کی گئی ہے دونوں کو قتل کر دیا جائے معلوم ہوا کہ یہ قتل تعزیراً ہے۔

غیرمقلدین حضرات کے امام قاضی شوکانی صاحب لکھتے ہیں: ویعزر من نکح بھیمة (الدرر البھیه)، (ترجمہ) اور تعزیر لگائی جائے اس شخص کو جو جانور کے ساتھ بدفعلی کرتا ہے اس کی شرح میں غیرمقلدین حضرات کے مجدد نواب صدیق حسن خاں غیرمقلد لکھتے ہیں وقد وقع الاجماع علی تحریم اتیان البھیمة۔ (الروضة الندیه شرح الدرر البھیمة ص ۲۶۱) (ترجمہ) ''اور تمام مسلمانوں کا اجماع ہے کہ جانور کے ساتھ بدفعلی کرنا حرام ہے۔''

آگے لکھتے ہیں:

ووجه ما ذکرنا من التعزیر انه فعل محرمًا مجمعًا علیه فاستحق العقوبة بالتعزیر وهذا اقل ما یفعل به (الروضة الندیه ص ۲۶۱)

ترجمہ: اور جو وجہ تعزیر کی ہم نے بیان کی ہے وہ یہ ہے کہ باجماع مسلمین یہ فعل حرام ہے پس ایسا شخص مستحق تعزیر ہے اور گھٹ درجہ کی سزا ہے جو اس شخص کو دی جائے گی۔''

اور غیرمقلدین حضرات کے علامہ وحید الزمان نے بھی نزل الابرار میں تعزیر کا ذکر کیا ہے کیا اس کا یہ مطلب سمجھا جاسکتا ہے کہ قاضی شوکانی، نواب صدیق حسن خاں، علامہ وحید الزماں غیرمقلدین جانور کے ساتھ بدفعلی کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ اسی طرح فقہ و حدیث کی کتابوں میں حد کی نفی سے اس فعل کو جائز سمجھ لینا بہت بڑی خیانت و حماقت ہے۔

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ
دیتے ہیں دھوکہ یہ بازی گر کھلا

اعتراض نمبر۲:

مولوی صاحب موصوف لکھتے ہیں: ''رضاعت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ڈھائی برس ہے'' درمختار ج ۲ ص ۸۱، شرح وقایہ ص ۲۶۱، قدوری ص ۱۷۰۔ (صریح نص وَالْوَالِدَاتُ

یُرْضِعْنَ اَوْلَادَھُنَّ حَوْلَیْنِ کَامِلَیْنِ کے خلاف ہے۔) حقیقة الفقه ص ۱۶۷۔

الجواب:

امام اعظم رحمہ اللہ کی دو روایتیں ہیں، ایک اڑھائی سال کی اور ایک دو سال کی۔ دیکھیے زاد المعاد لابن القیم رحمہ اللہ ج ۲ ص ۳۳۰ بحوالہ فتح المبین ص ۲۰۵ اور فتویٰ دو سال والی روایت پر ہے۔ دیکھیے فتح القدیر و شامی وغیرہما۔

اور قطب عالم حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

(ج) مدت رضاعت کی دو سال ہے۔ علی الاصح المفتی به۔ (تذکرة الرشید ج ۱ ص ۱۸۵)

اس مسئلہ کی مزید تفصیل فتح مبین ص ۱۹۶ تا ۲۰۵ میں دیکھیں۔ البتہ امام صاحب رحمہ اللہ کی دوسری روایت جس میں مدۃ رضاع کی اڑھائی سال کا ذکر ہے تو وہ بھی قرآن مجید کی پیش کردہ نص کے مخالف نہیں ہے کیوں کہ وَالْوَالِدَاتُ یُرْضِعْنَ (الآیة) میں ان عورتوں کا بیان ہے جن کو خاوندوں نے طلاق دے دی ہے وہ اپنے بچہ کو اگر دودھ پلائیں تو ان کو دو سال کامل تک نان و نفقہ دینا خاوند سابق کے ذمہ لازم ہے اس کے بعد بھی وہ عورتیں اگر دودھ پلائیں گی تو خاوند کے ذمہ خرچہ نہیں ہوگا۔ چلو اگر ہم مان بھی لیں کہ آپ کی بات کے مطابق امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے اس آیت کی مخالفت کی ہے تو یہ صرف چھ ماہ کی مدت کی مخالفت ہوگی۔ جب کہ آپ کے امام قاضی شوکانی صاحب لکھتے ہیں: ''ویجوز ارضاع الکبیر ولو کان ذا لحیة لتجویز النظر'' (الدرر البھیة ص ۱۵۸ مع الروضة الندیه)

ترجمہ: بڑے کو دودھ پلانا بھی جائز ہے اگر وہ ڈاڑھی والا ہو، تاکہ اس دودھ پلانے والی عورت کی طرف دیکھنا جائز ہوجائے۔

لیجیے جناب یہاں تو قصہ ہی کچھ اور ہوگیا ہے کہ بوڑھے اور نوجوان ڈاڑھی والے غیرمقلد جب عورتوں کے پستانوں کو اپنے منہ میں لے کر چوسنا اور دودھ پینا شروع کردیں تو یہ دودھ

پینا بھی حلال اور عورتوں کی طرف دیکھنا بھی حلال کیوں کہ وہ ان کی رضاعی مائیں ہوگئی ہیں۔ فلھٰذا غیر مقلدین کے نزدیک مدۃ رضاع کی کوئی حد مقرر ہی نہیں۔ اور قرآن کی مخالفت جائز ہے۔ (معاذ اللہ)

اپنے من میں ڈوب کر پا جا سراغِ زندگی
تو اگر میرا نہیں بنتا نہ بن اپنا تو بن

اعتراض نمبر۳:

ابواب البیوع تقریر ترمذی میں خیار کے مسئلہ میں تفریق بالابدان اور تفریق بالاقوال پر بحث کرتے ہوئے حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن صاحب رحمہ اللہ نے لکھا ہے: **الحق والانصاف ان الترجیح للشافعی فی ھٰذہ المسئلة ونحن مقلدون یجب علینا تقلید امامنا ابی حنیفة۔** (تقریر ترمذی ص۴۰ مولوی مسافر خانہ کراچی)

ترجمہ: ''کہ حق وانصاف یہ ہے کہ اس مسئلہ پر ترجیح امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب کو ہے لیکن ہم مقلد ہیں اس لیے ہم پر اپنے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی تقلید واجب ہے۔''

(نمازِ جنازہ میں سورہ فاتحہ پڑھنا سنت ہے ص۲۵)

الجواب:

تقریر ترمذی کے لفظ سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے مصنف حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نہیں بلکہ اس کی ترتیب دینے والا کوئی شاگرد ہے اور خود اس شاگرد نے ابتدا تقریر ترمذی میں اپنے شیخ حضرت مولانا محمود حسن رحمہ اللہ کا تذکرہ ادب وتعظیم کے القاب کے ساتھ کیا ہے۔ لیکن اپنا نام ظاہر نہیں کیا۔ راقم الحروف نے حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی مختلف سوانح دیکھی ہیں۔ ان میں اس تقریر ترمذی کا جامع معلوم نہیں ہوسکا۔

پھر عبارت میں بھی تعارض ہے۔ پہلے یہ عبارت بھی موجود ہے:

''فنحن لا نرتکب خلاف الحدیث بل نخالف قیاس الشافعی وقیاسه لیس بحجة علینا'' (تقریر ترمذی)

ترجمہ: پس ہم حدیث کی مخالفت کا ارتکاب نہیں کرتے بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ کے قیاس کی مخالفت کرتے ہیں اور ان کا قیاس ہم پر حجت نہیں ہے۔''

اب اس عبارت کو اور مابعد والی عبارت کو جو اعتراض کے ضمن میں ذکر کی گئی ہے ملایا جائے تو دونوں عبارتوں میں صریح تعارض ہے پس ثابت ہوا کہ یہ شاگرد حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی عبارت کو صحیح طور پر نوٹ نہیں کرسکا۔

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کے دوسرے شاگرد مولانا عبد الحفیظ بلیاوی رحمہ اللہ ہیں جنہوں نے اردو میں ''تقاریر حضرت شیخ الہند قدس سرہ'' کے نام سے کتاب مرتب کی ہے۔ اور اس کے صفحہ ۱۴۳ پر اس مسئلہ کو ذکر کیا ہے۔ مگر یہ بات حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے نقل نہیں کی جو تقریر ترمذی عربی والی میں موجود ہے۔

ایک اور ثبوت ملاحظہ ہو:

رفع یدین کے مسئلہ میں ہے: **ان رفع الیدین کان مشروعًا فی اول الاسلام ثم نسخ شیئًا فشیئًا۔ (تقریر ترمذی عربی)**

ترجمہ: ''بے شک رفع یدین ابتدائے اسلام میں مشروع تھا پھر تھوڑا تھوڑا ہو کر منسوخ ہوتا رہا۔''

حالانکہ یہ نظریہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی اپنی ذاتی کتاب کے خلاف ہے۔ چنانچہ ایضاح الادلہ ص۱۴۱ میں ہے۔ ہماری اس تقریر سے صاف ظاہر ہے کہ ہم احادیث ترکِ رفع کو ناسخ احادیث رفع نہیں کہتے بلکہ احادیث رفع میں موجودہ دو احتمال بقاءِ رفع ونسخِ رفع موجود تھے

ان میں سے ایک احتمال کو احادیث ترک نے راجح کر دیا ہے اس پر بھی جو آپ ہم سے دلیل نسخ رفع طلب کرتے ہیں۔ یہ آپ کی خوش فہمی ہے ہمارے مدعا کو ثبوت نسخ پر موقوف سمجھنا اور ہم کو خواہ مخواہ مدعی نسخ قرار دینا اپنے ہی اجتہاد کو بٹا لگانا ہے۔ (آہ بلفظہ)

اعتراض نمبر۴:

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے ایضاح الادلہ ص ۹۷ میں قرآن کی آیت غلط لکھی ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں: یہ ارشاد ہوا: فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ وَاِلٰى اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ...... الخ وَاِلٰى اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ۔ یہ آیت میں اضافہ ہے اور تحریف یہودی لوگ کرتے ہیں۔

الجواب نمبر۱:

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی عبارت سے نظر آتا ہے کہ یہ غلطی کاتب سے ہوئی ہے۔ چنانچہ اصل عبارت ملاحظہ ہو: ”اسی طرح پر اطاعتِ انبیائے کرام علیہم السلام و جملہ اولی الامر بعینہٖ اطاعت خداوند جل جلالہ خیال کی جائے گی اور متبعین انبیاء کرام اور دیگر اولوالامر کو خارج از اطاعت خداوندی سمجھنا ایسا ہوگا جیسا متبعین احکام حکام ماتحت کو کوئی کم فہم خارج از اطاعت حکام بالا دست کہنے لگے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ارشاد ہوا فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ وَاِلٰى اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ اور ظاہر ہے کہ اولوالامر سے مراد اس آیت میں سوائے انبیاء کرام علیہم السلام اور کوئی ہیں۔ سو دیکھیے اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء و جملہ اولی الامر واجب الاتباع ہیں۔ (ایضاح الادلہ ص ۹۷ ناشر فاروقی کتب خانہ ملتان) اس عبارت میں حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے آیت پیش کرنے سے پہلے چار مرتبہ اطاعت کا لفظ لکھا ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ یہ آیت پیش کرنا

چاہتے تھے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ (اے ایمان والو! اللہ و رسول کی اطاعت کرو اور جو تم میں سے اولی الامر ہوں) مگر کاتب نے آیت کا پہلا حصہ چھوڑ کر نیچے والی آیت جس میں فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ موجود تھا ان الفاظ کو نیچے والی آیت سے اٹھا کر اوپر والی آیت میں لگا دیا جس کی وجہ سے آیت لکھنے میں غلطی واقع ہوگئی ہے۔

جواب نمبر۲:

حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی عبارت میں ان الفاظ کا ہونا، اس آیت سے صاف ظاہر ہے کہ حضرات انبیاء و جملہ اولی امر واجب الاتباع ہیں۔ یہ دلیل ہے اس امر کی کہ آپ نے اطاعت خداوند اور رسول اور اولوالامر والی آیت پیش کی ہے جس میں اطیعوا امر کا صیغہ ہے۔

جواب نمبر۳:

یہ ہے کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ نے اپنی اسی کتاب میں یہ آیت درست لکھی ہے۔ ملاحظہ ہو: قاضی کا بحکم آیت اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ نائب خداوندی ہونا ظاہر اور حقیقت شناسانِ معانی کے نزدیک ارشاد واجب الانقیاد۔ (ایضاح الادلہ ص ۲۵۶)

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ پر الزام لگانا بددیانتی کی بدترین مثال ہے اور پھر بعض بدبخت غیر مقلدین کا اپنی طرف سے صغریٰ اور کبریٰ ملا کر نتیجہ نکالنا اور حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ کی ذاتِ مقدسہ کو مطعون کرنا نری حماقت و خباثت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ مسلمانوں کو حاسدین و مفسدین کے شر سے بچائے۔ (آمین!)

غیر مقلدین حضرات کے شیخ الحدیث مولانا حافظ محمد صاحب لکھتے ہیں ”کاتب معصوم نہیں ہوتے غلطیاں کرتے ہیں“ (خیر الکلام ص ۴۷۷)

غیر مقلدین حضرات کے بزرگوں نے اپنی کتابوں میں بہت سی آیاتِ قرآنیہ غلط لکھی ہیں مگر غیر مقلدین نے ان کو کبھی بھی محرف قرآن اور یہودی نہیں کہا۔ شاید کہ غیر مقلدین کے مذہب میں ان کے بزرگوں کے لیے قرآنی آیات میں تحریف کرنا جائز اور دوسروں کے لیے ناجائز ہوگا۔ (اناللہ وانا الیہ راجعون)

مثال کے طور پر نواب صدیق حسن خان غیر مقلد کی کتابوں میں سے بغیۃ الرائد فی شرح العقائد کو لے لو اس میں تقریباً دس یا گیارہ آیات غلط لکھی ہوئی موجود ہیں۔ ملاحظہ بغیۃ الرائد ص ۱۳، ۱۹، ۴۲، ۵۴، ۵۹، ۶۵، ۸۹، ۱۱۵، ۱۱۶، ۱۲۶ ناشر ادارہ احیاء السنۃ گرجاکھ گوجرانوالہ۔ نواب صاحب کی دوسری کتاب نزل الابرار کو لے لو اس میں بھی تقریباً چھ آیات قرآنیہ غلط لکھی ہوئی موجود ہیں مثلاً نزل الابرار ص ۳۳، ۱۴۹، ۱۵۰، ۱۵۳، ۲۲۵، ۲۵۱۔ نواب صاحب کی تیسری کتاب الروضۃ الندیہ کو لے لیں اس میں بھی کئی آیات غلط لکھی ہوئی موجود ہیں۔ مثلاً دیکھیے ص ۱۳۵، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۵۵، ۱۵۶، ۲۴۲، ۳۰۸ مطبع علوی ہند۔

اسی طرح غیر مقلدین حضرات کی دوسری کتابوں میں بھی بہت سی آیات قرآنیہ غلط لکھی ہوئی موجود ہیں جو ہمارے پیش نظر ہیں مگر غیر مقلدین نے کبھی بھی اپنے بزرگوں کو محرف قرآن اور یہودی نہیں کہا۔ حتی کہ بعض آیاتِ قرآنیہ حدیث شریف کی کتابوں میں بھی غلط لکھی ہوئی موجود ہیں مثلاً مشکوٰۃ شریف، ابوداؤد شریف، بخاری شریف مگر غیر مقلدین نے کبھی بھی ان محدثین کرام کو محرف قرآن اور یہودی نہیں کہا۔

اعتراض نمبر ۵:

غیر مقلدین حضرات کے مشہور فتنہ پرور عالم حافظ محمد یوسف صاحب جے پوری لکھتے ہیں:

"مرد انتہائے مغرب میں ہو اور عورت انتہائے مشرق میں اتنے فاصلہ پر کہ دونوں کے درمیان سال بھر کی راہ ہو کسی طرح ان کا نکاح کر دیا گیا اگر بعد تاریخ نکاح کے عورت چھ

مہینے میں بچہ جنے تو یہ بچہ ثابت النسب ہوگا، حرامی نہ ہوگا بلکہ یہ اس مرد کی کرامت تصور کی جائے گی۔ (درمختار ج ۲ ص ۱۴۰، حقیقۃ الفقہ ص ۱۶۷)

الجواب:

مولوی صاحب موصوف نے حدیث شریف سے ناواقفیت کی بنا پر یا فقہ حنفی سے ضد و عناد کی بنا پر یہ اعتراض کیا ہے حالانکہ مشہور حدیث میں نبی کریم ﷺ کے یہ الفاظ بطور ضابطہ کلیہ کے موجود ہیں اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَالْمَعَاهِرِ الْحَجَرُ (ترجمہ) بچہ بچھونے کا ہے اور زانی کو سنگسار کیا جائے گا۔ یعنی بچہ والد کا ہوگا کیوں کہ عورت اس کا بچھونا ہے اور زنا کار کی طرف بچہ منسوب نہیں کیا جا سکتا بلکہ زانی کو پتھروں سے سنگسار کیا جائے گا۔ اس ضابطہ کے تحت فقہ حنفی کا مسئلہ بے غبار ہے اس میں عقلی احتمال کو دخل دینا دراصل شریعت کی تکذیب کرنا ہے۔ فقہائے کرام رحمہم اللہ نے جو تاویلات اختیار کی ہیں کہ ممکن ہے کرامت کے طور پر اپنی بیوی کے پاس آیا ہو وغیرہ وغیرہ دراصل یہ تاویلات حدیث شریف کے ضابطہ کی تائید میں نقل کی ہیں اگر یہ تاویلات اختیار نہ کی جائیں تب بھی حدیث شریف کے اس ضابطہ کے تحت اس بچہ کو حرامی نہیں کہا جا سکتا جب کہ خاص کر زنا کا کوئی ثبوت بھی نہیں اگر ثبوت ہو جائے تب بھی الولد للفراش کے ضابطہ کے مطابق بچہ حرامی نہیں ہے۔

غیر مقلدین حضرات کے شیخ الاسلام مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری کے فتاویٰ ثنائیہ ج ۲ ص ۱۰۷ میں ہے۔ طلاق کے بعد عدت میں کسی غیر نے وطی کی تو لڑکا خاوند کا ہوگا۔ الولد للفراش

لیجیے جناب! غیر مقلدین حضرات کے ہاں عدت میں بھی کسی غیر کے زنا کرنے کا ثبوت مل جائے تب بھی وہ بچہ حرامی نہیں بلکہ اپنے باپ کا شمار کیا جائے گا تو نکاح کی حالت میں تو بطریقہ اولیٰ حرامی نہیں ہوسکتا۔ ہاں خاوند اگر بچے کے نسب کا انکار کرے اور کہے کہ یہ بچہ میرا

نہیں ہے تو پھر شریعت نے خاوند بیوی کے درمیان لِعان کرنے کا حکم دیا ہے۔ لعان کے بعد وہ بچہ خاوند کا نہیں ہوگا لیکن ماں کا وارث بنے گا اور ماں اس کی وارث بنے گی۔

حدیث شریف میں ہے: المرأة تحوذ ثلٰثة مواريث عتيقها ولقيطها وولدها الذي لاعنت عنه (رواه الترمذی ج۲ ص۳۲ ابواب الفرائض) عورت تین میراثوں کو جمع کرتی ہے۔ (۱) آزاد کردہ غلام کی میراث۔ (۲) اور لقیط (گرا ہوا لاوارث بچہ) (۳) اور وہ بچہ جس کی وجہ سے لِعان کیا ہے عورت نے۔

اس دوسرے ضابطہ سے جو حدیث پاک سے ثابت ہے معلوم ہوا کہ بچہ کے نسب کا انکار خاوند کرے تو وہ بچہ ثابت النسب نہ ہوگا۔ اگر خاوند انکار نہ کرے تو وہ بچہ ثابت النسب ہے ہاں اگر کوئی غیر مقلد شریعتِ محمدیہ ﷺ کا انکار کرتا ہے تو یہ اس کی اپنی بدنصیبی ہے۔

وصلى الله تعالىٰ علىٰ خير خلقه محمد وعلىٰ اله واصحابه اجمعين۔ آمین

حافظ محمد حبیب اللہ ڈیروی عفا اللہ عنہ، ۷ ربیع الاول ۱۴۰۹ھ، ۲۰ / اکتوبر ۱۹۸۸ء

تصانیف مناظرِ اسلام حضرت مولانا محمد امین صفدر اوکاڑوی مدظلہٗ

نام کتاب	قیمت
تحقیق مسئلہ تقلید	۶—۰۰
تحقیق مسئلہ قراۃ خلف الامام	۱۵—۰۰
تحقیق مسئلہ آمین	۱۰—۵۰
تحقیق مسئلہ رفع یدین	۷—۵۰
تحقیق مسئلہ تراویح	۹—۰۰
نماز میں ناف کے نیچے ہاتھ باندھنا	۲—۰۰
مرد اور عورت کی نماز میں فرق	۶—۰۰
نماز کے متعلق غیر مقلدین کے جھوٹ اور غلط بیانیاں	۶—۰۰
غیر مقلدین کی فقہ کے دو سو مسائل	۶—۰۰
غیر مقلدین سے دو سو سوالات	۹—۰۰
نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کی شرعی حیثیت	۷—۵۰
مسائل قربانی کے متعلق غیر مقلدین سے اکتالیس (۴۱) سوالات	۱—۰۰
تاریخ غیر مقلدیت	۶—۰۰
پچاس ہزار روپے انعام کی حقیقت	۳—۰۰
غیر مقلدین کے سوالات اور اعتراضات کے جوابات	۳—۰۰
مجموعہ رسائل (۱۲ کتابوں کا مجموعہ)	۷۵—۰۰
فتح المقلدین (حصہ اوّل) مناظرہ ہارون آباد	۱۲—۰۰

تصانیف حضرۃ مولانا حافظ محمد حبیب اللہ ڈیروی صاحب

قیمت	نام کتاب
	نور الصباح فی ترکِ رفع یدین بعد الافتتاح
	اظہار التحسین فی اخفاء التامین
۴۰٫۰۰	ہدایہ علماء کی عدالت میں بجواب ہدایہ عوام کی عدالت میں
۱۵٫۰۰	قربانی کے صرف تین دن ہیں
	احقاقِ حق
۴۰٫۰۰	قہرِ حق بر صاحب ندائے حق
۵۰٫۰۰	ضرب المہنّد علی القول المسند
	حالات و کمالات اعلیٰ حضرت بریلوی
۶٫۰۰	کوّا حلال ہے بریلوی حضرات کا فتویٰ
۶٫۰۰	نذر لغیر اللہ حرام ہے۔ بریلوی حضرات کا فتویٰ
زیر ترتیب	بریلوی حقائق

تائید الحنفیہ

جمع و ترتیب

پیر جی سیّد مشتاق علی شاہ

ناشر

مکتبہ فاروقیہ ۸ گوبند گڑھ گوجرانوالہ پاکستان

اعتراض ۱ دُبر یا فرج میں انگلی داخل کی خشک نکلی تو روزہ فاسد نہیں۔
در مختار ص۵۱۱ ج۱، عالمگیری ص۲۹۱ ج۱، ہدایہ ص۸۹۳ ج۱، بہشتی زیور حصہ سوم ص۱۲،
(حقیقت الفقہ ص۲۱۶ مسئلہ ۳۹۸ باب کتاب الصوم)

الجواب یہ مسئلہ قرآن کی کس آیت یا حدیث کے خلاف ہے۔ اگر غیر مقلدین کے نزدیک ایسا کرنے سے روزہ فاسد ہوجاتا ہے تو ہمت کرکے قرآن حکیم یا حدیث سے ثبوت پیش کریں، اور ذرا اپنے گھر کی بھی خبر لیں۔ آپ کے علامہ وحید الزمان غیر مقلد لکھتے ہیں "اگر مرد نے اپنی انگلی دُبر میں داخل کردی تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ اگر عورت نے اپنی انگلی اپنی شرم گاہ میں داخل کردی تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔"

(نزل الابرار من الفقہ نبی المختار ص۲۲۹ ج۱)

اعتراض ۲ سوتی عورت یا مجنونہ سے جماع کیا گیا تو روزے کا کفارہ نہیں۔
در مختار ص۵۱۵ ج۱، ہدایہ ص۹۳۷ ج۱، کنز الدقائق ص۸۷، مالا بد منہ ص۶۳، بہشتی زیور حصہ اوّل ص۱۵۔ (حقیقۃ الفقہ ص۲۱۶ مسئلہ ۴۰۷ کتاب الصوم

الجواب

فریب کاری اور تدلیس کی حد ہوگئی۔ معلوم ہوتا ہے غیر مقلدین کے مذہب

میں حیا و شرم کوئی بُری چیز نہیں ہے کتنا سچا ارشاد گرامی ہے:

ان مما ادرك من كلام النبوة الاولى اذا لم تستحي فاصنع ما شئت او كما قال۔ (بخاری)

میں آپ کے سامنے ہدایہ سے مسئلہ کی اصلی صورت پیش کرتا ہوں۔ اس کے بعد آپ لوگ اندازہ لگا سکیں گے کہ مشتہر نے حیا و شرم و دیانت کو بالائے رکھ کر اس کو کیا سے کیا کردیا۔ ہدایہ کے اصلی الفاظ یہ ہیں:

واذا جومعت النائمة والمجنونة وهي صائمة عليها القضاء دون الكفارة۔ ص۲۲۷

ترجمہ: "یعنی جب سونے والی یا دیوانی عورت سے اس حال میں کہ وہ عورت روزے سے ہی جماع کر لی جاوے تو عورت پر روزے کی قضا واجب ہے، کفارہ نہیں۔"

اس میں مصنف نے یہ خیانتیں کی ہیں:

۱۔ اس نے ظاہر کیا ہے کہ مرد پر کفارہ نہیں ہے حالانکہ ہدایہ میں کفارہ واجب نہ ہونے کو مرد کے متعلق نہیں کہا گیا ہے۔ (علیھا کی ضمیر مؤنث آنکھیں کھول کر دیکھئے)۔

۲۔ عورت پر صرف کفارہ واجب نہیں ہے، قضا واجب ہے۔ مگر مشتہر نے ظاہر نہیں کیا ہے۔ اگر مشتہر یہ کہے کہ میں نے یہ کب کہا ہے کہ یہ مرد کا حکم ہے؟ تو اس سے کہا جائے گا کہ تمہارے اس جملہ کا کیا مطلب ہے جو تم نے لکھا ہے کہ:

"روزے کی حالت میں بھی مزے اڑاؤ"۔ اگر اس میں عورت سے خطاب ہے تو تمہاری حد سے بڑھی ہوئی بے غیرتی و بے حیائی کے علاوہ اس میں یہ خرابی ہے کہ مجنون اور سوتی عورت سے خطاب صحیح نہیں ہے۔ پھر اس غریب نے کیا خطا کی تھی جو اس کو نشانہ تعریض بنایا جا رہا ہے۔ بہر حال ان وجوہ کے علاوہ اور چند

وجوہ سے بھی اس جملہ میں عورت کو مخاطب قرار دینا صحیح نہیں ہے پس لامحالہ مرد مخاطب ہوگا اور یہ اس بات کی دلیل ہے کہ تم نے اس حکم کو مرد کا حکم ظاہر کیا ہے جو سراسر خلافِ دیانت ہے۔ علاوہ بریں اگر یہ فریب کاری تمہارا مقصود نہ ہوتی تو تم کو کیا غرض پڑی تھی کہ ہدایہ کے لفظ علیھا کو نظر انداز کرتے ہوئے اس مسئلہ کو ہدایہ سے نقل کرتے۔ خلاصہ یہ ہے کہ صورتِ مذکورہ بالا میں سونے والی عورت اور دیوانی پر کفارہ واجب نہیں ہے صرف قضاءً واجب ہے اور اس سے صحبت کرنے والے مرد کا حکم ہدایہ میں مذکور نہیں ہے اس کا حکم رد المحتار، شامی اور الاشباہ والنظائر وغیرہ میں بصراحت یوں مذکور ہے:

اما الواطی فعلیہ القضاء دون الکفارۃ اذ لافرق بین وطئہ عاقلۃ اوغیرھا۔ (شامی ص ۱۱۳/ج۲)۔

"لیکن صحبت کرنے والے مرد پر قضاء وکفارہ دونوں واجب ہیں اس لیے کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ باعقل وہوش عورت سے صحبت کرے یا بے عقل وہوش سے"۔

اعتراض ۳ جو روزے میں زنا کے ڈر سے جلق لگائے اور منی نکال دے تو امید ثواب ہے۔ ہدایہ ص ۸۹۳/۱۰۲

(حقیقۃ الفقہ ص ۲۱۷ مسئلہ ۴۱۲، کتاب الصوم)

الجواب وائے بے غیرتی! جس مسئلہ کا ہمارے مذہب کی کسی کتاب میں بھی وجود نہیں ہے اس کو مشتہر نے ہدایہ جیسی معروف ومشہور کتاب کی طرف منسوب کردیا اور ایسا کرنے سے نہ اس کو خدا کا ڈر مانع ہوا اور نہ رسوائی کے خوف ہی نے باز رکھا۔ مشتہر کا دروغ بے فروغ ظاہر کرنے کے لیے میں یہاں اپنے مذہب کی کتابوں کے دو مسئلے لکھتا ہوں۔

۱۔ درمختار ص ۱۱۳، ص ۱۱۴ جلد ۲ میں ہے:

اواستمنی بکفہ ..... فانزل ....قضی۔ (مختصرًا)

یعنی "روزے دار نے جلق لگا کر منی نکالی تو قضاء رکھنا واجب ہے"۔

۲۔ درمختار، شامی ص ۱۰۹/ج۲ میں ہے:

فلوادخل ذکرہ فی حائط او نحوہ حتی امنی اواستمنی بکفہ بحائل یمنع الحرارۃ یاثم ایضًا ویدل ایضًا علی ما قلنا فی الزیلعی حیث استدل علی عدم حلہ بالکف بقولہ تعالی "وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حَافِظُوْنَ"۔ (الآیۃ) وقال فلم یبح الاستمتاع الا بھما ای بالزوجۃ والامۃ۔ اھ۔ فافاد عدم حل الاستمتاع ای قضاء الشہوۃ بغیرہ۔ (ص ۱۰۹/ج۲) خلاصہ

ترجمہ: "اگر عضو مخصوص دیوار یا ایسی ہی کسی چیز میں داخل کرکے منی نکالے یا جلق لگا کر نکالے۔ چاہے کوئی کپڑا ہی لپیٹ کر ایسا کیوں نہ کیا ہو، جو ہاتھ تک عضو مخصوص کی گرمی نہ پہنچنے دے تو گنہگار ہوگا اور اس کی دلیل وہ بھی ہے جو زیلعی میں ہے کہ خدائے پاک نے وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ ... (الآیۃ) میں صرف بیوی اور زرخرید لونڈی سے ہی یہ خواہش پوری کرنے کی اجازت دی ہے اور کوئی صورت مباح نہیں کی ہے۔ پس سوائے ان دو صورتوں کے جلق وغیرہ کوئی صورت حلال نہیں ہے"۔

اور مزید درج ہے:

الاستمناء حرام وفیہ التعزیر۔

یعنی "جلق لگا کر منی نکالنا حرام ہے اور اس پر سزا کی جائے گی"۔

اس کے ساتھ ہی اپنا مذہب بھی ملاحظہ ہو:

(عرف الجادی مصنفہ نورالحسن خاں غیر مقلد)

"مشت زنی کرنی (جلق لگانا)، یا اور کسی چیز سے منی کو خارج کرنا اس شخص کے لیے مباح ہے جسکی بیوی نہ ہو اور اگر گناہ میں مبتلا ہونے کا خوف ہو تو واجب یا مستحب ہے۔"

اور نزل الابرار میں تو مطلق جلق لگانے کو جائز لکھا ہے۔

رہا جانور سے صحبت کرنے کا مسئلہ تو اس کے متعلق ہماری فقہ کا یہ فیصلہ ہے:

او بھیمۃ ... فانزل ... قضیٰ۔ (درمختار ص۱۱۳/۱۱۴) یعنی "اگر جانور سے صحبت کر کے منی نکالے تو اس پر قضا واجب ہے" اور یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ایسا کرنے والا سخت سزا کا مستحق ہے ... بالخصوص روزے کی حالت میں ایسا کرے تو اور زیادہ سختی کا مستحق ہوگا۔

اعتراض ۴: "روزے دار عورت یا مرد سے اغلام کرے تو روزہ کا کفارہ نہیں" ہدایہ ص۲۰۳ ج۱

(حقیقۃ الفقہ ص۲۱۷ مسئلہ ۲۱۶ کتاب الصوم، درایت محمدی ص۵۵)

الجواب: یہ حوالہ بھی غلط ہے اور سراسر جھوٹ ہے۔ ہدایہ میں یہ ہرگز نہیں ہے اور اگر مادون الفرج کے لفظ سے یہ مطلب پیدا کیا گیا ہے تو معترض کی کم علمی اور نادانی ہے۔ چنانچہ فتح القدیر، بنایہ، ردالمحتار، درمختار، مغرب (لغت فقہ) وغیرہ میں تصریح ہے کہ مادون الفرج سے مراد پاخانہ اور پیشاب کے مقام کے علاوہ مراد ہے۔ الحاصل حوالہ بالکل غلط ہے اور ہمارے مذہب کا یہ ہرگز مسئلہ نہیں ہے بلکہ اس صورت میں فقہ حنفی کا یہ حکم ہے کہ ایسے شخص پر قضا و کفارہ دونوں واجب ہیں۔ درمختار ص۱۱۸/۱۱۱ ج۲ میں ہے:- ان جامع المکلف آدمیا المشتھی فی

رمضان اداء لما مرّ او جومع و توارت الحشفۃ فی احد السبیلین انزل اولا ... قضیٰ وکفر۔ (مختصر) اور ردالمحتار ص۱۱۸/۱۱۱ ج۲ میں ہے قولہ فی احد السبیلین ای القبل اوالدبر وھوالصحیح فی الدبر والمختار انہ بالاتفاق۔ (خلاصہ) اگر کوئی شخص عورت کے پیشاب یا پاخانہ کے مقام یا مرد کے پائخانہ کے مقام میں صحبت کرے تو دونوں پر قضا و کفارہ واجب ہے۔ علامہ شامی نے تصریح کی ہے کہ ہمارے علماء کا باتفاق یہی مذہب ہے کہ پائخانہ کے مقام پر صحبت کرنے سے کفارہ و قضا دونوں واجب ہوتے ہیں۔

اعتراض ۵: بھیگے کتے کی چھینٹوں سے اور اسکے کاٹنے سے کپڑا ناپاک نہیں ہوتا۔ درمختار ص۱۱۲ ج۱

(حقیقۃ الفقہ ص۲۰۳ مسئلہ ۲۵۴، باب کتے کے متعلق)

الجواب: اس میں کیا قباحت ہے۔ شرعی قباحت ظاہر کرنے کے لیے کسی آیت یا حدیث کا حوالہ پیش کرنا ضروری ہے۔ شرعی قباحت دکھاتے ہوئے یہ بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ مولوی وحید الزمان نے بھی لکھا ہے کہ اس صورت میں کپڑا ناپاک نہیں ہوتا۔ نزل الابرار ص۱۲ ج۱ میں ہے: ولا الثوب ینجس بانتفاضہ ولا بعضہ ولا العضو ولو اصابہ ریقہ۔ یعنی کپڑا یا بدن ان کتے کی چھینٹوں سے ناپاک نہیں ہوتا۔ نہ کاٹنے سے چاہے اس کا لعاب بھی کیوں نہ لگ جائے اور یہ بھی دیکھ لینا چاہیئے کہ اصح الکتب بعد کتاب اللہ میں اس کی بابت کیا لکھا ہے۔ معترض کی اطلاع کے لیے ہم یہ بتا دینا ضروری سمجھتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کے ایک باب میں یہ فرمایا ہے: وسور الکلاب وممرھا فی المسجد ... الخ۔ یعنی اور کتے کے جھوٹے اور اس کے مسجد میں گزرنے کا باب۔ اس کے بعد امام زہری کا ایک فتویٰ نقل کیا ہے جس کا

حال یہ ہے کہ کوئی دوسرا پانی موجود نہ ہو، تو اس پانی سے وضو جائز ہے جس میں کتے نے پیا ہو۔ اس مقام پر حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: والظاهر من تصرف المصنف انه يقول بطهارته۔ (فتح الباری ص۱۹۱) یعنی امام بخاریؒ کے تصرف سے یہ ظاہر ہے کہ وہ کتے کے جھوٹے کو پاک کہتے ہیں۔ امام بخاریؒ نے مذکورہ بالا باب کے متصل ہی دوسرے باب میں یہ حدیث نقل کی ہے کہ ایک شخص نے ایک پیاسے کتے کو اپنے موزے سے پانی پلایا اور اللہ نے اسکے اس فعل کو پسند فرمایا۔ اس حدیث کے تحت حافظ ابن حجرؒ لکھتے ہیں استدل به المصنف على طهارة سور الكلب (فتح ص۱۹۶) یعنی امام بخاریؒ نے اس حدیث سے کتے کے جھوٹے کی پاکی پر استدلال کیا ہے۔ اسکے بعد شکاری کتے والی حدیث ذکر کر کے اسکو بھی اسکی پاکی کی دلیل بتایا ہے بس سوال یہ ہے کہ اگر مان بھی لیجئے کہ مسئلہ مذکورہ ہدایہ ہی میں ہے تو اسکی کیا وجہ ہے کہ ہدایہ میں لکھ دینا جرم ہوگیا مگر بخاری میں ہو تو جرم نہیں اور اگر بخاری میں بھی ہونا جرم تھا تو پہلے بخاری ہی پر کیوں نہ ہاتھ صاف کیا۔ سچ ہے:

وعين الرضا عن عيب كليلة — ولكن عين السخط تبدى المساويا

اعتراض ۶ کتے کے بالوں کا تکیہ بنانے میں مضائقہ نہیں۔ ہدایہ ص۲۳۰ ج۱ (حقیقۃ الفقہ ص۲۰۳ مسئلہ ۲۵۶، باب کتے کے متعلق)

الجواب اس مسئلہ کی ہدایہ میں کہیں بھی تصریح نہیں کی گئی ہے مشتہر سچا ہو تو یہ تصریح دکھا کر سو روپے انعام حاصل کرے فَإِن لَّمْ تَفْعَلُوا وَلَن تَفْعَلُوا فَاتَّقُوا النَّارَ۔ اگر مشتہر یہ کہے کہ ہدایہ میں گو اسکی تصریح نہیں ہے بلکہ ہم نے ہدایہ کے کسی قول سے اسکو نکالا ہے تو ہم کہیں گے کہ اس صورت میں اس بات کی تصریح کر دینا ضروری تھا۔ تصریح نہ کرنا درحقیقت صاحب ہدایہ پر افترا اور بہتان ہے جو قطعاً حرام ہے اور ہدایہ کے کسی قول پر یہ اگر تفریع ہو سکتی ہے تو نزل الابرار اور بخاری کے محولہ بالا مسئلہ پر بھی تو یہ تفریع جاری ہوگی بلکہ نزل الابرار اور عرف الجادی کے ایک مسئلہ سے تو یہاں تک ثابت ہوتا ہے کہ سور کے بالوں سے ازار بند بنانا جائز ہے اور تکیہ بنانے میں کوئی حرج نہیں ہے،

اعتراض ۷ مولانا محمد یوسف جے پوری غیر مقلد نے حقیقۃ الفقہ ص۱۰۷ پر ایک عنوان یہ قائم کیا ہے:

"کیا حنفی مذہب میں ولی ہوئے ہیں"۔

اس عنوان کے تحت لکھتے ہیں۔

"اکثر حنفی کہا کرتے ہیں کہ ہمارے مذہب کے حق ہونے کی بڑی دلیل یہ ہے کہ اس مذہب میں ہزاروں اولیاء اللہ ہوئے ہیں اسکا جواب بگوش دل ملاحظہ ہو، حضرت پیرانِ پیر شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کہ جن کو چاروں مذہب والے بڑا ولی مانتے ہیں وہ صاف اس بات سے انکار کرتے ہیں چنانچہ طبقات ابن رجب جلد ۱ ص۲۰۱ میں ہے کہ قيل للشيخ هل كان لله وليا على غير اعتقاد احمد بن حنبل فقال ما كان ولا يكون۔ (ترجمہ) حضرت پیرانِ پیر سے پوچھا گیا کہ حنبلی مذہب والوں کے سوا اور مذہب میں بھی کچھ ولی ہوئے ہیں یا نہیں۔ فرمایا نہ تو ہوئے ہیں اور نہ ہوں گے"[۱]

احناف کے ساتھ جے پوری صاحب کے بغض و عناد کو ملاحظہ فرمائیے کہ انہیں احناف کے اندر کسی ولی اللہ کا ہونا بھی گوارا نہیں ہے اور وہ یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ حنفی مذہب میں کوئی ولی نہیں ہوا۔ اور یہ ثابت کرنے کے لیے انہوں نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ کا ایک قول ڈھونڈا ہے لیکن ان کا اس قول سے استدلال کرنا بالکل غلط، بے فائدہ اور بے کار ہے۔

اوّلاً:۔ تو اس لیے کہ جے پوری صاحب کو کوئی حدیث پیش کرنی چاہیئے تھی جس سے ثابت ہوتا کہ حنفی مذہب میں نہ ولی ہوئے ہیں نہ ہوں گے، مذکورہ

---

[۱] محمد یوسف جے پوری۔ حقیقت الفقہ ص۱۰۷

قول تو امتی کا ہے اور غیر مقلدین کے ہاں تو اقوالِ صحابہ حجت نہیں چہ جائیکہ دیگر حضرات کے اقوال، اس لیے یہ قول پیش کرنا شان تحدیث کو بٹہ لگانے کے مترادف بلکہ بقول غیر مقلدین کے شرک ہے۔

ثانیاً:۔ جے پوری صاحب نے مذکورہ قول کا ترجمہ بھی انتہائی غلط کر کے لوگوں کو دھوکہ دینا چاہا ہے اس لیے کہ انہوں نے اعتقاد کا ترجمہ مذہب کیا ہے جو غلط ہے، کیونکہ فقہی طور پر مذہب مسلک کے معنی میں ہوتا ہے اور حضرت شیخ کے قول میں اعتقاد سے مسلک ہرگز مراد نہیں بلکہ اعتقاد سے وہ بنیادی عقائد مراد ہیں جن پر کفر و اسلام اور نجات و عذاب کا دارومدار ہے۔ ظاہر ہے کہ ان بنیادی عقائد میں ائمہ اربعہ باہم متفق ہیں اور ان کا آپس میں کوئی اختلاف نہیں لہٰذا صحیح ترجمہ یوں ہوگا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے سوال ہوا کیا حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے جو عقائد تھے ان عقائد سے ہٹ کر کوئی ولی ہوا ہے تو آپ نے فرمایا نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔ اس ترجمہ کو سامنے رکھیے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمہ اللہ معتزلہ، خوارج و روافض کی تردید کر رہے ہیں کہ ان میں نہ ولی ہوا نہ ہو سکتا ہے کیونکہ وہ امام احمدؒ کے عقائد سے ہٹے ہوئے تھے نہ کہ ائمہ اہل سنت کے متبعین کی۔ برا ہو عدمِ تقلید کا یہ انسان کو کہاں سے کہاں پہنچا دیتی ہے۔

ثالثاً:۔ اگر جے پوری صاحب کے ترجمے کے مطابق حضرت شیخ کی عبارت کا مطلب وہی ہے جو جے پوری صاحب سمجھانا چاہتے ہیں تو اس سے لازم آتا ہے کہ حنبلیوں کے سوا۔ مالکیوں اور شافعیوں میں بھی کوئی ولی نہ ہوا ہو: جے پوری صاحب کے حواری سوچ کر جواب دیں کیا وہ یہ کہنے کے لیے تیار ہیں؟ یاد رہے کہ جے پوری صاحب کا صرف حنبلیوں میں اولیاء ماننا یہ اس بات کا

اقرار کرنا ہے کہ غیر مقلدین میں بھی نہ کوئی ولی ہوا ہے نہ ہوگا کیونکہ غیر مقلدین جس طرح امام ابو حنیفہ، امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ کے مقلد نہیں ہیں اسی طرح وہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کے بھی مقلد نہیں ہیں لہٰذا غیر مقلدین خود اپنی زبان سے اقراری ہو گئے کہ نہ ان میں کوئی ولی ہوا ہے نہ ہوگا۔

رابعاً:۔ جے پوری صاحب کا احناف میں ولیوں کا انکار کرنا سورج کی روشنی میں دن کا انکار کرنے کے مترادف ہے، جے پوری صاحب کے حواریین سوچ کر جواب دیں کہ

(۱) حضرت ابراہیم ادہم بلخی، حضرت شقیق بلخی، حضرت بشر حافی، حضرت داود طائی رحمہم اللہ، حضرت امام صاحبؒ کے شاگرد یہ اولیاء تھے یا نہیں؟

(۲) حضرت علی ہجویری، حضرت خواجہ معین الدین چشتی اجمیری، حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی، حضرت خواجہ فرید الدین، حضرت خواجہ نظام الدین، حضرت علاؤ الدین صابر کلیری، حضرت بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمہم اللہ جو سب کے سب حنفی تھے یہ اولیاء تھے یا نہیں؟

(۳) حضرت مجدد الف ثانیؒ، ان کے صاحبزادگان اور ان کے خلفاء حضرت شاہ ولی اللہؒ اور ان کے صاحبزادگان جو سب حنفی تھے یہ اولیاء تھے یا نہیں؟

اندازہ فرمائیے جے پوری صاحب کی ذہنیت کا، کہتے ہیں آئینہ میں اپنا ہی منہ نظر آتا ہے، چونکہ غیر مقلدین میں کوئی ولی اللہ نہیں ہے اس لیے انہیں احناف میں بھی اولیاء نظر نہیں آتے۔

قارئین محترم! ہم نے "حقیقت الفقہ" کے جن چند حوالوں کا تجزیہ کیا ہے جے پوری صاحب نے اپنی کتاب کے دو حصے کئے ہیں۔ پہلے حصے میں فقہ حنفی کے وہ مسائل درج کئے ہیں جو ان کے زعم

میں قرآن وحدیث کے خلاف ہیں۔ دوسرے حصے میں وہ مسائل درج کئے ہیں جو ان کے خیال میں قرآن وحدیث کے موافق ہیں، لیکن ان دونوں حصوں میں جے پوری صاحب نے انتہائی خیانت اور بددیانتی سے کام لیا ہے، عبارات میں کتر بیونت کی ہے اور مطالب غلط اخذ کئے ہیں، اس پر مستزاد یہ کہ جن کتب کے حوالے دیئے ہیں ان کی اصل عبارات پیش نہیں کیں بلکہ حوالے اصل کتابوں کے دیئے ہیں اور عبارتیں اصل کتابوں کے ترجموں کی درج کی ہیں۔ جو ترجمے خود غیر مقلدین نے کئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ جب ہم اصل کتابوں میں یہ حوالے دیکھتے ہیں تو وہاں ان کا نام ونشان بھی نہیں ملتا، مگر سادہ لوح عوام بے چارے "حقیقت الفقہ" پڑھ کر یہ سمجھتے ہیں کہ اس میں دیئے گئے حوالے اصل کتابوں کے ہیں جو صحیح ہوں گے۔

برادران احناف سے ہماری گزارش ہے کہ غیر مقلدین سے جب بھی فقہی مسائل پر بات ہو تو اصل عربی کتابوں کے حوالے طلب کریں، اور جب کوئی غیر مقلد "حقیقت الفقہ" لائے تو اس کے سامنے فقہ کی اصل عربی کتابیں لاکر رکھ دیں کہ یہ مسئلہ ان میں سے دکھائیں۔ محال ہے جو کوئی غیر مقلد اصل عربی کتاب سے وہ مسئلہ نکال دے۔ ہم اس کا بارہا تجربہ کر چکے ہیں ؎

خنجر اٹھے گا نہ تلوار ان سے — یہ بازو مرے آزمائے ہوئے ہیں

ذیل میں ہم "حقیقت الفقہ" سے چند حوالے نقل کرتے ہیں اور غیر مقلدین سے گزارش کرتے ہیں کہ وہ یہ حوالے اصل عربی کتابوں سے نکال دیں، لیکن ہمیں یقین ہے کہ وہ قیامت تک بھی یہ حوالے اصل عربی کتابوں سے نہیں نکال سکتے، ملاحظہ فرمایئے۔

یوسف جے پوری صاحب لکھتے ہیں۔

"(۲۳۱) بجائے سبحانک اللّٰھم کے اللّٰھم باعد الخ پڑھنا زیادہ

ترصحیح ہے، ابن ہمام شرح وقایہ ص۹۴

(۲۳۲) سبحانک اللّٰھم اور انی وجھت کو نفل نماز میں ملانا جائز ہے
درمختار جلد ۱ ص۲۲۷۔

(۲۳۳) انی وجھت الخ نماز کے اندر پڑھنا مسنون ہے (ابو یوسف)
شرح وقایہ ص۹۴، منیہ ص۸۲۔

(۲۳۴) ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی حدیث باتفاق ائمہ محدثین ضعیف ہے۔ ہدایہ جلد ۱ ص۳۵۰۔

(۲۳۵) سینے پر ہاتھ باندھنے کی حدیث باتفاق ائمہ محدثین صحیح ہے جلد ۱ ص۳۵۰ شرح وقایہ ص۹۳۔

(۲۳۶) ناف کے نیچے ہاتھ باندھنے کی حدیث، مرفوع نہیں وہ قول حضرت علیؓ سے ہے اور ضعیف۔ شرح وقایہ ص۹۳

(۲۳۷) حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ مجددی حنفی سینہ پر ہاتھ باندھنے کی حدیث کو بسبب قوی ہونے کے ترجیح دیتے تھے اور خود سینے پر ہاتھ باندھتے تھے۔
مقدمہ ہدایہ جلد ۱ ص۱۱۱ و ص۳۵۱۔

(۲۳۸) ابن المنذر نے امام مالکؒ سے ہاتھ باندھنا روایت کیا ہے۔
ہدایہ جلد ۱ ص۳۵۰۔

(۲۳۹) لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب یہ حدیث بسند صحیح صحاح ستہ و ابن حبان و سنن دارقطنی وغیرہ میں مروی ہے۔ ہدایہ ج ۱ ص۳۶۱۔

(۲۴۰) ابن ہمام نے ثعلب القرآن والی حدیث کے راوی کو ثقہ بتا کر کہا کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جہری نماز میں امام کے پیچھے فاتحہ پڑھے۔ ہدایہ جلد ۱ ص۴۲۹

(۲۴۱) امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھنے کی احادیث ضعیف ہیں۔ شرح وقایہ

صـ۱۰۸ وصـ۱۰۹ -

(۲۴۲) حضرت ابن عمرؓ کا اثر فاتحہ خلف امام نہ پڑھنے کا ضعیف ہے

شرح وقایہ صـ۱۰۹ -

(۲۴۳) حضرت علیؓ کا قول بھی منع فاتحہ میں ضعیف ہے اور باطل ہے۔

شرح وقایہ صـ۱۱۰ -

(۲۴۴) اذا کبر الامام فکبروا الخ حدیث ضعیف ہے شرح وقایہ صـ۱۱۰ "[1]

مزید لکھتے ہیں۔

"(۲۵۶) تصدیق احادیث رفع الیدین قبل رکوع وبعد رکوع - ہدایہ جلد ا

صـ۳۸۴، شرح وقایہ صـ۱۰۲ وصـ۱۰۳ -

(۲۵۷) بیہقی کی روایت میں ابن عمرؓ سے جس کے آخر میں ہے کہ یہی آپ کی نماز رہی یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ سے ملاقی ہوئے یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

ہدایہ جلد ا صـ۳۸۶ -

(۲۵۸) رفع الیدین کرنے کی حدیثیں بہ نسبت ترک رفع کے قوی ہیں ہدایہ

جلد ا صـ۳۸۹ -

(۲۵۹) رفع الیدین نہ کرنے کی حدیث ضعیف ہے۔ شرح وقایہ صـ۱۰۲ "[2]

جے پوری صاحب تو اس دنیا سے چلے گئے اس لیے موجودہ غیر مقلدین سے ہمارا مطالبہ ہے کہ وہ مذکورہ حوالے فقہ کی اصل عربی کتابوں سے نکال کر دکھائیں ورنہ قیامت کے دن خدا کے یہاں جوابدہی کے لیے تیار رہیں، اگر غیر مقلدین یہ کہیں کہ ہم ترجمہ والی کتابوں سے یہ حوالے دکھا سکتے ہیں تو ہم اس کے لیے بھی تیار ہیں، وہ ہمیں ترجمے

---

[1] - محمد یوسف جے پوری - حقیقت الفقہ صـ۱۹۳

[2] محمد یوسف جے پوری - حقیقت الفقہ صـ۱۹۴

والی کتابوں میں فقہ کی جن کتابوں کا حوالہ دیا ہے اُن کتابوں کی عبارات کا ترجمہ دکھلا دیں اور ساتھ ہی یہ نشاندہی کریں کہ یہ ترجمہ اس عربی عبارت کا ہے، لیکن ہم دعوے سے کہتے ہیں کہ وہ اصل عربی عبارت کا ترجمہ بھی نہیں دکھلا سکتے کیونکہ یہ حوالے جب اصل کتابوں میں نہیں تو ترجمہ میں کہاں سے آئیں گے۔

تمّت بالخیر

۵

سَیفِ نعمان

جمع و ترتیب

سیّد مُشتاق علی شاہ

ناشر: مکتبہ فاروقیہ ۸، گوبند گڑھ گوجرانوالہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اعتراض نمبر ۱ وَلَوِاسۡتَاجَرَ اِمۡرَاَۃً لِیَزۡنِیَ بِھَا فَزَنٰی بِھَا لَا یُحَدُّ فِیۡ قَوۡلِ اَبِیۡ حَنِیۡفَۃَ رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی۔ اگر کسی عورت کو زنا کے لیے اُجرت پر رکھے اور پھر اس سے زنا کرے تو بقول ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس پر حد نہیں ہوگی۔

جواب مشتہر نے فقہ کی کسی کتاب کا حوالہ نہیں دیا حالانکہ یہ ان کا فرض تھا کہ جس کتاب سے حوالہ نقل کیا ہے اس کا حوالہ دیتے یہ عبارت فتاویٰ قاضی خان ج۔ ۴ ص ۴۰۶ کی ہے اور اس اعتراض کا ہماری طرف سے پہلے بھی جواب دیا گیا ہے۔ ہم یہاں پر وہ ہی جواب نقل کرتے ہیں حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ صاحب مدظلہ لکھتے ہیں۔ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مکرر مکرر بلا ولی نکاح کو باطل قرار دیا اس پر مہر کا تقرر بھی فرمایا (مشکوٰۃ شریف جلد ۲ ص ۲۰۷) لیکن حد جاری کرنے کا حکم نہیں دیا حالانکہ یہاں صرف رسمی نکاح ہے وہ بھی باطل ہے باوجود باطل ہونے کے نکاح پھر بھی حد کے ساقط ہونے کا سبب ہے دیکھئے یہ نکاح صرف نکاحِ حقیقی کے ہمنام ہے اور بس اس ہمنامی کی وجہ سے حد ساقط ہو رہی ہے اور مہر جو صرف نکاح میں ہوتا ہے واجب ہو رہا ہے اس نکاح پر حقیقی نکاح کے احکام مرتب ہو رہے ہیں مہر، نسب، عدت وغیرہ۔ غیر مقلدین فرقہ تو بلا ولی کے نکاح کو مطلق باطل کہتا ہے گویا ان کے نزدیک زنا اور نکاح باطل دونوں ایک ہیں تو یہ حدیث مذکور ان کے خلاف بڑی حجت ہے کہ تمہارے ہاں زنا کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وطی کرنے والے پر حد کا حکم نہیں دیا بلکہ الٹا اس وطی پر احکام نکاح صادر فرمائے ہیں تو پھر زنا کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حد کا حکم نہیں فرمایا۔ بتلایئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف آپ کا فتویٰ کیا ہوگا۔؟

تفصیل مسئلہ یاد رہے کہ امام اعظم ابوحنیفہؒ اس سے منکر نہیں ہیں صورت بالا میں صریح زنا ہے اور اس کے مرتکب کی سخت سے سخت سزا ہونی چاہیئے اور یہ کہ یہ اجارہ بھی باطل ہے اور اجارہ باطل میں کسی قسم کی اجرت بھی نہیں دینا پڑتی لیکن اس کی شکل بظاہر اس صورت کے مشابہ ہے جس پر امیر المومنین سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے حد کا حکم نہیں فرمایا۔ موطا امام مالک میں ہے خولہ حکیم کی بیٹی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آئی اور کہا ربیعہ امیہ کے بیٹے نے ایک عورت سے متعہ کیا اور وہ عورت اس سے حاملہ ہوگی۔ آپ نے سنا اور گھبرا کر دوڑے ہوئے اس شخص کے پاس آئے اور کہا یہ متعہ ہے اگر میں پہلے یہ مسئلہ بیان کر چکا ہوتا تو تجھے رجم کرتا۔ ص ۱۹۶

بغور مطالعہ فرمایئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ متعہ کو زنا فرما رہے ہیں اور آپ کے نزدیک اس کی اصل سزا سنگسار کرنا ہی ہے لیکن اس کے باوجود لاعلمی اور جہالت کی وجہ سے جو شبہ پیدا ہوگیا ہے آپ نے حد جاری نہیں فرمائی تو زنا کے ثبوت کے باوجود بوجہ شبہ کے حد نہ لگانا اگر قابل گرفت ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر ہاتھ صاف کیجئے اور بڑے رافضی ہونے کا ثبوت فراہم کیجئے آپ کے بعض بڑوں نے نہایت گستاخانہ اعتراض فاروق اعظم رضی اللہ عنہ پر تراویح کے بارہ میں کیا ہے گویا ان کو بدعتی کہا۔ دیکھو کوئی شخص یہ کہہ کر اپنی عاقبت خراب نہ کرے کہ حضرت عمر کا کیا ذکر ہے جب انہوں نے یہ بدعت کر لی تو دوسری یہ بھی سہی، معاذ اللہ اگر حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ شبہ کو کار فرما کر حد کو ساقط کر دیتے ہیں تو امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ ادنیٰ شبہ کی بناء پر حد کو ساقط کرتے ہیں تو ان پر کیا فردِ جرم عائد ہوگی۔

علامہ زرقانیؒ تحریر فرماتے ہیں امام مالکؒ کے تلامذہ کا اختلاف ہے

کہ متعہ کے مرتکب کنوارے کو تو سو دُرّے مارنے چاہئیں اور شادی شدہ کو سنگسار کرنا چاہیئے۔ یا یہ کہ اس پر کوئی حد نہیں ہے۔ شبہ عقد اور آپس میں قوی اختلاف کے باعث اور بوجہ اس کے کہ اس کی حرمت قرآن میں نہیں ہے لیکن ایسے شخص کو سخت سزا دینی چاہیئے اور یہی امام مالکؒ سے مروی ہے۔

شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ مسوّی میں حد زنا میں شبہات کا ذکر کرتے ہوئے اسی حدیث متعہ میں لکھتے ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک ہر وجہ توجیہ جس کی کسی سُنّی عالم نے تصحیح کی ہو اور اس توجیہ کی وجہ سے وطی کو حلال کہا ہو تو اس وطی پر حد نہیں ہے اگرچہ وطی کرنے والا اس وطی کی تحریم کا قائل ہو مثلاً نکاح بلا ولی جو ابو حنیفہؒ کے مذہب میں جائز ہے اور نکاح بلا شہود جیسا کہ امام مالکؒ کی نسبت معروف ہے اور متعہ جو ابن عبّاسؓ اور امام زفرؒ کا مذہب ہے (ج ۲ ص ۱۴۴) القصہ کتنی خود زنا کی صورتیں ہیں جن میں حد ساقط ہو جاتی ہے بلا ولی کے نکاح اور نکاح بلا شہود حتیٰ کہ متعہ تک حد نہیں ہے. نکاح باطل میں حد کی نفی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی اقداء اور متعہ میں سیّدنا عُمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کی اقتداء میں امام ابوحنیفہؒ بمعہ دو کے جلیل القدر ائمہ امام مالکؒ اور امام شافعیؒ کے جو حد کو بوجہ شبہ ساقط سمجھتے ہیں اگر قابلِ ملامت ہیں تو پھر تنہا امام ابوحنیفہؒ کو ہدفِ ملامت نہ بنائیے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم سے لے کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور تمام اسلافِ امّت پر طعن کر کے اسلام کو جواب دے دیجئے۔) اور جہاں شبہ کی صورت نہ پائی جاتی ہو تو امام صاحبؒ کے نزدیک اس میں حد ہے مثلاً کسی عورت کو خدمت کے لیے مزدوری پر رکھّا اور پھر اس سے زنا کیا تو اسے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک حد لگائی جائے گی۔ قاضی خاں جلد ۴ ص ۴۰۵۔

امام ابوحنیفہؒ پر طعن کرنا یا دوسرے ائمہ مجتہدین پر زبان درازی کا سودا آپ کو ستا نظر آئے تو ذرا اپنے گھر کی بھی خبر لیجئے مولوی وحیدالزمانؒ غیر مقلد لکھتے ہیں متعہ کو حرام قرار دینا اشکال سے خالی نہیں اور اس کی حرمت کا شبہ ابھی تک مرتفع نہیں ہوا۔

چودہ سو سال گزر گئے مولوی وحیدالزمان کو متعہ کی حرمت میں ابھی شک اور ان کے ہاں متعہ کے حلال ہونے کا شبہ باقی ہے حالانکہ مُتعہ کی حرمت میں صحیح اور صریح احادیث موجود ہیں۔ واقعی غیر مقلد چھوٹے رافضی ہیں رافضی تو متعہ کو حلال سمجھتے ہیں اور ان کے نزدیک اس میں شبہ تحلیل باقی ہے یہ ہے ائمہ مجتہدین پر تبرا بازی کا انجام جب صورت حال یہ ہے تو ہو سکتا ہے کہ ان کی نئی نسل متعہ کی پیداوار ہو کیونکہ نہ مُتعہ ان کے نزدیک حرام ہے اور نہ اس میں ان کے نزدیک سزا ہے تو اس کے کرنے میں کیا حرج ہے لیکن امام اعظمؒ ابوحنیفہ متعہ کو زنا سمجھتے ہیں آپ کے نزدیک نہ اس میں نسب ثابت ہوتا ہے اور نہ عدّت واجب ہے مزید سنیے نزل الابرار میں ہے۔

ایک اندھے نے اپنی بیوی کو بلایا اسے کسی اجنبی عورت نے جواب دیا اور اس نے اس خیال سے اس سے وطی کر لی کہ یہ میری بیوی ہے پھر ظاہر ہوا کہ یہ اجنبی عورت تھی ان دونوں مرد اور عورت پر حد نہیں ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ عورت پر حد ہے۔ (جلد ۲ ص ۲۹۹)

سوال یہ ہے کہ نابینا نے تو خیال کیا کہ میری بیوی ہے لیکن جس عورت نے دانستہ زنا کرا لیا اور نہ بولی اور اندھے کو اس کی بیوی کا مغالطہ دے کر اس سے زنا کرا لیا اس پر ان غیر مقلدین کے نزدیک حد کیوں نہیں حالانکہ اس عورت کا صریح زنا ہے اور اس میں کسی قسم کا شبہ بھی نہیں ہے اور اس میں متعہ والی سابقہ شق بھی نہیں ہے کہ غیر مقلدین عورت پر کوئی شق نہ ہو لیکن امام اعظمؒ فرماتے ہیں کہ ایسی صورت میں

اس پر حد ہے آپ کو اپنے گھر کی خبر نہیں کہ امام صاحبؒ تو حد کے قائل ہیں اور ہم صریح زنا کی صورت میں حد کے قائل نہیں اور الٹا اعتراض کرتے ہیں۔ پہ سچ ہے۔

الحیاء شعبہ من الایمان

اعتراض نمبر ۳

وَكَذَالِكَ لَوْ تَزَوَّجَ بِذَاتِ رحم مَحْرَم نَحْوَ الْبِنْتِ وَالْأُخْتِ وَالْأُمِّ وَالْعَمَّةِ وَالْخَالَةِ وَجَامَعَهَا لَاحَدَّ عَلَيْهِ فِي قول ابی حنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ وَإِن قَالَ عَلِمْتُ أَنَّهَا عَلَيَّ حرام (فتاوی قاضی خان برحاشیہ عالمگیری ج ۳ ص ۴۶۸ مطبوعہ پشاور نورانی کتب خانہ) اسی طرح اگر کسی محرم عورت مثلاً بیٹی، بہن، ماں، پھوپھی اور خالہ سے شادی کرے اور اس کے ساتھ جماع کرے تو بقول ابو حنیفہ رحمہ اللہ اس پر حد نہیں ہے اگرچہ یہ کہہ دے مجھے معلوم ہے یہ میرے لیے حرام ہے۔

جواب

شریعت نے زانی کے لیے جو حد مقرر کی ہے وہ رجم (سنگسار) یا جلد (کوڑے) ہے کسی بھی حدیث میں یہ نہیں آیا کہ جو شخص محرمات ابدیہ (ہمیشہ کے لیے حرام) سے نکاح کر کے وطی کرے اس کو رجم کیا جائے یا کوڑے مارے جائیں۔ اسی لیے امام اعظم ابو حنیفہؒ نے ایسے شخص کے لیے یہ حد (رجم یا جلد) نہیں فرمائی۔ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے اس مسئلہ کو نام نہاد اہلحدیث غیر مقلدین اگر حدیث کے خلاف سمجھتے ہیں تو غیر مقلدین پر لازم ہے کہ کوئی ایسی حدیث نقل کریں جس میں ایسے شخص کے لیے حد آئی ہو البتہ قتل کا حکم آیا ہے جس سے امام اعظم ابو حنیفہؒ کا مسلک و مذہب ہی ثابت ہوتا ہے کیونکہ قتل کرنا یا مال ضبط کرنا زنا کی حد نہیں ہے امام اعظم ابو حنیفہؒ ہی فرماتے ہیں ایسے شخص کو جو بھی سزا دی جائے کم ہے لہذا حاکم اس کو سخت سے سخت سزا دے فتح القدیر کے اندر تصریح ہے کہ

الاتری ان اباحنیفۃ الزم عقوبۃ باشد مایکون وانما لم ثبت عقوبہ ھی الحد فعرف انہ زنا محض عندہ الا ان فیہ شبہۃ۔ (فتح القدیر)

کیا آپ نہیں دیکھتے کہ امام ابو حنیفہؒ اس کے لیے سخت سے سخت سزا تجویز کرتے ہیں (البتہ نکاح کے سبب) حد ثابت نہیں۔ پس وہ اس کو زنا ہی سمجھتے ہیں مگر نکاح کے سبب اس میں شبہ پیدا ہو گیا۔

اس لیے حد مقرر رجم یا جلد اس سے ساقط ہو گئی اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ اس پر کوئی سزا ہی نہیں جیسا کہ غیر مقلدین کی طرف سے سادہ لوح عوام کو مغالطہ میں ڈالا جاتا ہے[1]

اعتراض نمبر ۳

وَلَوْ نَظَرَ الْمُصَلِّيْ إِلَى الْمصحف وَقَرَأَ فیہ فَسَدَتْ صَلٰوتُهُ لَا إِلَى فَرْجِ امْرَأَةٍ بِشَهْوَةٍ لِأَنَّ الْأَوَّلَ تَعْلِيم وَتَعَلُّمٌ فِيهَا لَا الثَّانِی۔

(الاشباہ والنظائر ص ۲۱۸ مطبوعہ بیروت الفن الثالث)

اگر نمازی قرآن دیکھ لے اور اس سے قرأت کرے تو اس کی نماز باطل ہو جائے گی اگر کسی عورت کی شرمگاہ شہوت سے دیکھ لے تو نماز باطل نہیں ہو گی کیونکہ قرأت تعلیم و تعلّم سے ہے شرمگاہ دیکھنا تعلیم نہیں۔

---

[1] نوٹ: یہ اعتراض کوئی نیا نہیں ہے کافی پرانا اعتراض ہے اور علماء حق بارہا دفعہ اسکا مدلل مفصل جواب دے چکے ہیں غیر مقلدین کی عادت ہے کہ انکی ایک کتاب کا جواب دیدیا گیا تو یہ پھر دوبارہ ان ہی مسائل اور اعتراضات کو کسی اور نام کے ساتھ شائع کر دیتے ہیں یہ اعتراض سب سے پہلے ظفر المبین میں شائع ہوا اس کا جواب فتح المبین بر کشف مکائد فرقہ غیر مقلدین مولفہ منصور علی مراد آبادی میں شائع ہوا۔

جواب دراصل اس عبارت بالا میں دو مسئلے بیان کئے گئے ہیں نمبر ۱ نماز میں عمل کثیر کا مسئلہ نمبر ۲۔ طلاق رجعی کا مسئلہ اور فتاوی عالمگیری میں ان مسائل کو الگ الگ تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے پہلے مسئلے کا تعلق کتاب الصلوٰۃ سے ہے اور دوسرے مسئلے کا تعلق کتاب الطلاق سے ہے عبارت بالا میں غیر مقلدین کی طرف سے اس بات کا تأثر دیا گیا ہے کہ نماز میں صرف قرآن پاک پر نظر پڑنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے حالانکہ یہ مسئلہ نہیں بلکہ مسئلہ عملِ کثیر کا ہے فقہ حنفی کی کسی کتاب سے غیر مقلدین یہ ثابت نہیں کر سکتے جس میں صرف یہ ہو "وَلَوْ نَظَرَ فِي الْقُرْآنِ تَفْسُدُ الصَّلٰوۃ" ایسی عبارت پیش کرو ورنہ تحریف معنوی سے توبہ کرو۔ اصل بات یہ ہے کہ جو کہ غیر مقلدین کی سمجھ میں نہیں آتی اور نہ ہی ان میں فقہی عبارت سمجھنے کی صلاحیت ہے۔

ویفسدها قرآنه من مصحفٍ عند ابی حنیفة و لـه ان حمل المصحف وتقلیب الاوراق والنظر فیه عمل کثیر۔

اور قرآن سے دیکھ کر پڑھنا نماز کو فاسد کر دیتا ہے۔ کیونکہ قرآن کا اٹھانا اوراق پلٹنا اور قرآن میں دیکھنا یہ عمل کثیر ہے۔

جس کی نماز میں ضرورت نہیں غیر مقلدین کو اتنا بھی علم نہیں کہ اس عبارت میں دعویٰ اور مسئلہ کونسی عبارت ہے۔ اور دلیل کہاں سے شروع ہوتی ہے دلیل کی ایک جز کو دعویٰ اور مسئلہ سمجھ لیا اور لکھ دیا کہ قرآن پاک پر نظر ڈالنے سے امام ابو حنیفہؒ کے نزدیک نماز فاسد ہو جاتی ہے حالانکہ حمل المصحف سے دلیل شروع ہوتی ہے جس کی تین جزیں ہیں۔ امام صاحب کا دعویٰ یہ ہے کہ قرآن کریم سے دیکھ کر نماز پڑھنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے دلیل یہ ہے کہ اس فعل سے تین چیزیں لازم آتی ہیں نمبر ۱۔ قرآن پاک کا نماز میں اٹھانا نمبر ۲۔ اوراق کا پلٹنا نمبر ۳ قرآن کریم میں دیکھنا

یہ تینوں کام جب اکٹھے ہو جائیں تو عملِ کثیر بن جاتا ہے اور عمل کثیر سے نماز فاسد ہو جاتی ہے صرف نظر کرنے سے امام صاحب کے نزدیک قطعاً نماز فاسد نہیں ہوتی جیسا کہ عالمگیری میں ہے۔ ولو نظر الی مکتوب ہو قرآن وفهمه لا خلاف فیه لاحد انه یجوز (عالمگیری ج ۱ ص) اگر کسی شخص نے کسی چیز پر قرآن لکھا ہوا دیکھا پھر اس کو سمجھ بھی لیا کسی بھی فقیہ کے نزدیک نماز فاسد نہ ہوگی۔ اب تو خدارا انصاف کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑو اور کم از کم فقہی عبارات اور اصطلاحات کو سمجھنے کے لیے کسی حنفی عالم کی شاگردی اختیار کرنے کا شرف حاصل کریں تاکہ دعویٰ اور دلیل مسئلہ اور وجہ مسئلہ میں فرق کر سکیں اس عبارت میں جو دوسرا مسئلہ بیان کیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ لا الی فرج امرأة بشہوة الخ یہ عبارت بالذات بالاصالت رجعت کے ثبوت کے لیے تحریر کی گئی ہے جس کا مفاد یہ ہے کہ کسی شخص نے اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی تو عدت میں اگر اس کی نظر شہوت سے عورت کی شرمگاہ پر پڑ گئی تب بھی رجوع ثابت ہو جائے گا مگر نماز فاسد نہ ہوگی کیوں کہ فقط نظر تو کسی چیز پر بھی پڑ سکتی ہے اس میں نمازی کا کیا قصور ہے نمازی کے سامنے سے انسان، حیوان، مرد، عورت، چھوٹا، بڑا عریاں یا غیر عریاں سب گزرتے رہتے ہیں (اب ذرا اپنے گھر کی خبر لیجیے)

نمبر ۱۔ ولا تفسد لو اشار بالید اتفاقاً وکذلك لو صافح بید واحدٍ (نزل الابرار ص ۱۰۸) اور نماز فاسد نہ ہوگی اگرچہ نماز میں اس نے ہاتھ کے ساتھ مصافحہ بھی کیا۔

نمبر ۲۔ لو سلّم علی رجلٍ غائبٍ فقال السلام علی فلان لا تفسد (نزل الابرار ص ۱۰۸) اگر کسی غائب شخص پر سلام کیا اور السلام علیکم کہا تو نماز فاسد نہ ہوگی۔

نمبر۲۔ ولو قراء اٰیة من القرآن یقصد التفهیم تفسد (نزل الابرار صـ۱۰۸) اگر ایک آیت بھی قرآن سے بارادہ تفہیم پڑھی تو نماز فاسد ہو جائے گی۔

نوٹ:۔ غیر مقلدین اس عبارت کے خلاف بھی نہ تو کوئی قرآن کی آیت پیش کر سکے اور نہ حدیث اور دعویٰ یہ کیا فقہ حنفی کے وہ مسائل جو قرآن و حدیث کے صریح خلاف ہیں ان کی تفصیل۔

اعتراض نمبر۴ فَقَالَ لَوْ رَعَفَ فَکَتَبَ اَلْفَاتِحَةَ بِالدَّمِ عَلٰی جبهتهٖ و اَنْفِهٖ لاستشفاءٍ وبالبَوْلِ اَیْضًا اِنْ علم فیهِ شفاءً لا بَاْسَ بِهٖ الخ۔

(شامی صـ۱۵۴ ج۱ مطبوعہ کوئٹہ) اگر نکسیر پھوٹ پڑے اور وہ خون سے اپنی پیشانی اور ناک پر فاتحہ لکھ لے تو تندرستی و صحت حاصل کرنے کے لیے جائز ہے اور پیشاب کے ساتھ لکھنا بھی اگر شفاء کا یقین ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

جواب ردالمحتار شرح درمختار (المعروف شامی) میں تداوی بالحرام (یعنی حرام کے ساتھ علاج) کا عنوان ہے اس عنوان کو ذہن میں رکھیں اور اس عنوان کے تحت اس مسئلہ کو سمجھنے کی کوشش کریں مسئلہ دراصل یہ ہے کہ اگر کوئی شخص ایسے مرض میں مبتلا ہو جائے کہ جس کا علاج بالحلال (حلال اشیاء کے ساتھ علاج) ممکن نہیں اور سوائے علاج بالحرام کے کوئی چارہ نہیں تو اب کیا کیا جائے ایسے مریض کو مرنے اور ہلاک ہونے دیا جائے یا اس کی جان بچانے کے لیے علاج بالحرام کا طریقہ اختیار کیا جائے اصل صورت مسئلہ کی یہ ہے جو اوپر بیان ہوئی اس میں بھی ہمارے فقہاء کرام نے اختلاف کیا ہے اور بالخصوص سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رح نے علاج بالحرام کو جائز نہیں کہا کیونکہ حرام میں شفاء نہیں ہے

اور یہاں تک کہہ دیا کہ اگر موت واقع ہونے اور جان جانے کا خطرہ بھی ہو تب بھی حرام سے علاج کی اجازت نہ دی جائے گی جیسا کہ شامی ہی میں امام حاوی قدسی رح سے منقول ہے۔ حتّٰی یخشی علیه الموت و قد علم انهٗ لو کتب فاتحه الکتاب او الاخلاص بذالك الدم علٰی جبهته ینقطع فلا یرخص فیه صـ) اگر نکسیر والے کو موت کا خطرہ بھی ہو اور اسے کسی ذریعہ سے اس بات کا یقین بھی ہو کہ اگر نکسیر کے خون سے اس کی پیشانی پر سورۃ فاتحہ یا اخلاص لکھی جائے تو نکسیر ختم ہو جائے گی اور جان بچ جائے گی پھر بھی خون کے ساتھ لکھنے کی اجازت نہیں) غیر مقلدین ذرا بغض اور عناد کی سیاہ عینک مستقبل میں سیاہ چہرے سے اتار کر شامی کی یہ عبارت پڑھیں تاکہ آپ کے علم میں بھی اضافہ ہو جائے۔ مگر بعض فقہاء کرام نے علاج بالحرام کو حالتِ اضطراری میں کسی ماہر ڈاکٹر یا حاذق حکیم جو دیندار بھی ہو اور مستند بھی کے تجویز کرنے کے بعد جائز کہا کیونکہ حالت اضطراری و مجبوری میں حرام کی حرمت فی الوقت ساقط ہو جاتی ہے جیسا کہ خود قرآن مجید اس پر شاہد ہے" الّا ما اضطررتم فَمَنِ اضطرّ (سورہ بقرہ پارہ ۲ آیت نمبر ۱۷۳/ سورہ انعام پارہ ۸۔ مگر جو شخص مجبور ہو گیا) کے الفاظ شاہد و عادل ہیں صورت مذکورہ میں اضطرار اس حد تک ہے کہ جان جانے اور ہلاک ہونے کا خطرہ ہے مگر اس کے باوجود ہمارے فقہاء کرام سوچ بچار کے ساتھ قدم رکھتے ہیں غیر مقلدین حضرات کے نزدیک بھی یہ بات مسلّم ہے کہ حالت اضطرار میں علاج بالحرام جائز ہے جیسا کہ نزل الابرار من فقہ نبی المختار صـ۲۰۱ میں علامہ وحید الزمان غیر مقلد لکھتے ہیں کہ اذا استعمل برائی الطبیب الحاذق جب کہ ماہر حکیم کی رائے سے استعمال کی جائے اور اسی کتاب کے صـ۲۱ پر ہے۔ وقیل یرخص اذا علم فیه الشفاء ولم یوجد دواء اٰخر حلال یوثر اثرهٗ کما رخص الخمر العطشان و اکل المیتة

للمضطر" - اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اجازت ہے اس بات کی کہ (علاج بالحرام) جائز ہے جبکہ کوئی دوسری دواء حلال مؤثر نہ پائی ہے جیسا کہ بوقت ضرورت پیاسے کے لیے شراب اور بھوکے کے لیے مردار جائز ہے۔ امام شاہ ولی اللہ رح رقمطراز ہیں،

واختلف اهل العلم فی التداوی بالشئ النجس فاباحہ کثیر منهم التداوی بہ (المسوّیٰ ص۱۱۴) نجس چیز کے ساتھ دواء کرنے میں اہل علم کا اختلاف ہے بہت سے لوگوں نے اس (نجس) کے ساتھ علاج کو مباح قرار دیا ہے،

نیز نمبر۱۔ بول ماکول اللحم (پیشاب جن کا گوشت کھایا جاتا ہے) نجس ہے دواء کے لیے ہو یا کسی اور چیز کے لیے دونوں صورتوں میں اس کا استعمال ناجائز ہے جیسا کہ درمختار میں ہے لا للتداوی ولا لغیرہٖ عند ابی حنیفہ امام ابوحنیفہ رح کے نزدیک (بول ماکول لحمہ) نہ دوا کے لیے نہ کسی غیر دوا کے لیے استعمال کرنا جائز ہے۔ نمبر۲ (وظاهر المذهب المنع) اور ظاہر مذہب منع کا ہے۔ شامی میں دیگر اختلافی الفاظ کی موجودگی میں اس مسئلے کو متفق علیہ انداز میں پیش کرنا غیر مقلدین احناف کے ساتھ دشمنی کی بیّن دلیل ہے۔ نمبر۳۔ کتاب کے متن میں بول ماکول اللحم اور اس کی نجاست و طہارت کی بحث ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ کتاب بالبول (پیشاب کے ساتھ لکھنا) میں کس کا پیشاب مراد ہے انسان کا یا کسی اور کا ہم غیر مقلدین کو چیلنج کرتے ہیں کہ وہ کوئی ایک عبارت ایسی دکھائیں جس میں انسان کے پیشاب وغیرہ کے الفاظ ہوں۔ قیامت کی صبح تک ایسے الفاظ پیش نہیں کر سکتے زور آزمائی کر کے دیکھ لیں ہم دعوے سے کہتے ہیں اس بول سے مراد انسانی بول نہیں بلکہ ماکول اللحم کا بول مراد ہے ہمارے اس دعویٰ پر پہلی دلیل یہ ہے کہ یہاں (کتاب میں) بحث ہی بول ماکول اللحم کی ہے لہٰذا کتاب بالبول میں بھی یہی مراد ہو گا دوسری دلیل یہ ہے کہ دوا کے لیے اس

کا استعمال حدیث مبارکہ سے ثابت ہے اگرچہ بنابر خصوصیّت تھا تیسری دلیل یہ ہے کہ ماکول اللحم کے بول کو بعض فقہاء نے پاک اور طاہر کہا ہے اور خود غیر مقلدین اسے صرف پاک ہی نہیں بلکہ قابل شرب مانتے ہیں جیسا کہ " اونٹ، گائے، بکری بلکہ گھوڑے کا پیشاب پینا بھی جائز ہے (فتاوی ثنائیہ ص۳۱۲ ج۲، اور اسی قسم کا مفہوم عرف الجادی اور نزل الابرار ص۲۹۹ میں بھی غیر مقلدین نے لکھا ہے) چوتھی دلیل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رح کا تداوی اور عدم تداوی میں بول کے استعمال کو ممنوع قرار دینا اس بات کی واضح دلیل ہے کہ کسی حنفی کے نزدیک انسانی بول سے کتابت جائز نہیں کیونکہ اس کی نجاست متفق علیہ ہے کتابت کے جواز کا قول اسی بول سے متعلق ہو سکتا ہے جس کے پاک ہونے میں اقوال موجود ہیں۔ اب آیئے ایسی حالت اضطراری کہ جس میں موت کا خطرہ زیادہ غالب ہو اگر کوئی ڈاکٹر یا طبیب ماکول اللحم کے بول سے فاتحہ کی کتابت تجویز کرے جبکہ یہ بول مخالفین کے نزدیک پاک ہی نہیں بلکہ پینے اور استعمال کرنے کے قابل ہے تو اس اضطرار میں بر بنائے ضرورت جواز کی صورت نکل سکتی ہے جبکہ قطعی حرام بھی جائز ہو جاتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہوا کہ کتابت بالبول والا مسئلہ علاج بالحرام کا فرع ہے جن حضرات نے علاج بالحرام کو ناجائز کہا ہے انہوں نے ہی کتاب بالبول کو حرام کہا ہے اور جنہوں نے حالتِ اضطراری بصورت بیماری ہو یا جبر و اکراہ وغیرہ علاج بالحرام کو جائز کیا ہے۔ انہوں نے کتابت بالبول کو بھی جائز کیا ہے لیکن ان شرائط کے ساتھ نمبر۱ علاج الحرام سے شفاء کا علم ہو نمبر۲۔ علاج بالحلال کی کوئی صورت ممکن نہ ہو نمبر۳۔ موت کا خطرہ غالب ہو نمبر۴ کسی ماہر ڈاکٹر اور حاذق حکیم کی تجویز ہو نمبر۵ ڈاکٹر و طبیب مسلمان اور متقی و پرہیزگار بھی ہو ایسی حالت اضطراری میں اگرچہ حرمت فی الوقت ساقط ہو جاتی ہے مگر پھر بھی اگر یہ مضطر اور مجبور آدمی جو مصیبت میں مبتلاء ہے اگر صبر کرے اور طریقہ علاج

بالحرام کو نہ اختیار کرے اور اسی حالت میں فوت ہو جائے تو ثواب اور اجر کا مستحق ہو گا قارئین ایسی عظیم الشان کتاب جو تمام کتب آسمانیہ سے زیادہ محفوظ اور زیادہ پڑھی جاتی ہے جسے بے وضو آدمی چھو نہیں سکتا جسے جنبی تلاوت نہیں کر سکتا اور نہ ہاتھ لگا سکتا ہے حیض ونفاس والی عورتیں جسے مس نہیں کر سکتیں جیسے خدا تعالےٰ نے صحف مطہرہ فرمایا جس کی تعظیم عین متکلم کی تعظیم ہے اس کتاب کے متعلق یہ خیال کرنا کوئی فقیہہ (العیاذ باللہ) اس کی کتابت ببول الانسانی سے اجازت دیتا ہے بعید از عقل وانصاف ہے خاص طور پر امام اعظم ابوحنیفہؒ کی ذات گرامی اس سے بالکل بری ہے کیونکہ وہ نجس ہونے میں بولِ انسانی اور بول مایوکل اللحم میں روا نہیں رکھتے جیسا کہ عرف الشذی ص والبرجندی ص میں موجود ہے بول مایوکل اللحمہٗ طاہر عند مالک وکذالک مذھب احمد ومذھب محمّد و زفر ونجس عند ابی حنیفۃ وشافعی - پیشاب جن کا گوشت کھایا جاتا ہے امام مالک کے نزدیک طاہر ہے اور اسی طرح امام احمد کا مذہب ہے اور امام محمدؒ زفر کا مذہب ہے اور امام ابو حنیفہ امام شافعی کے نزدیک نجس ہے۔ بڑے بڑے فقہا کرام اور تمام غیر مقلدین مایوکل اللحمہٗ کے بول کی طہارت کے قائل ہیں اور بول انسانی کی طہارت کا کوئی بھی قائل نہیں تو یہی اس بات کی دلیل ہے کہ کتابت بالبول میں بول سے مراد مایوکل اللحمہٗ کا بول ہے نہ کہ انسان کا بول۔

اعتراض نمبر ۵ اذا اصابت النجاسۃ بعض اعضائہٖ ولحسھا بلسانہٖ حتّی ذھب اثرُھا یطھرُ وکذالسکینُ اذا تنجّسَ فلحسہٗ بلسانہٖ او مسحہٗ بریقہٖ ھکذا فی - فتاوٰی قاضی خان (فتاوٰی عالمگیری ج۱ ص۴۵) اگر انسان کے

کسی عضو کو نجاست (گندگی) لگ جائے اور وہ اسے اپنی زبان سے اسطرح چاٹے کہ اس کا اثر (نشان) ختم ہو جلئے تو عضو پاک ہو جائے گا اسی طرح اگر چھری ناپاک ہو جائے اور اپنی زبان سے چاٹ لے یا اپنے تھوک سے صاف کرے تو پاک ہو جائیگا

جواب غیر مقلدین نے اپنی ناقص الفہمی کی بناء پر فتاویٰ عالمگیری کی عالمی حیثیت نہیں سمجھی یہ فتاویٰ بفضلہ تعالیٰ عالمی فتاویٰ ہے اس میں وہ تمام مسائل حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو عالم اسلام میں عموماً یا خصوصاً پیش آتے رہتے ہیں یا آسکتے ہیں تاکہ مملکت اسلامیہ کے قاضی صاحبان ان سے استفادہ کرکے ان سے نادر سے نادر واقعات ومقدّمات کا حل دریافت کر سکیں دنیائے عالم میں جہاں عاقل بالغ آباد ہیں وہاں پاگل اور بچّے بھی رہتے ہیں ان کی وجہ سے بھی کئی مسئلے جنم لیتے رہتے ہیں مندرجہ بالا مسئلہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے ہاتھ کی کسی انگلی پر اگر پیشاب یا شراب یا خون لگ جائے تو انگلی کو اس نجاست سے صاف کرنے کے لیے پانی ہی استعمال کیا جاتا ہے مگر بچوں اور پاگلوں سے یہ امید نہیں رکھی جاسکتی کہ وہ اس نجاست کو پانی سے ہی صاف کریں گے بلکہ یہاں ممکن ہے کہ بجائے انگلی دھونے کے اسے چاٹ لیں (العیاذ باللہ) اور چاٹنے کے بعد وہی انگلی کسی شخص کے پانی میں ڈبو دیں اور وہ شخص اسلامی عدالت میں اس نوعیّت کا مقدّمہ دائر کر دے کہ میں نے پچاس روپے کا (مثلاً پانی خرید کر مٹکے میں ڈالا تھا فلاں پاگل نے نجاست سے لبریز انگلی کو پہلے اچھی طرح چاٹا پھر اپنی انگلی میرے پانی میں ڈبو دی جس سے پانی پلید اور بیکار ہو گیا لہٰذا مجھے پاگل کے مال سے پانی کی قیمت دلائی جلئے تو جس قاضی نے فتاویٰ عالمگیری کا مندرجہ بالا مسئلہ پڑھا ہو گا وہ یہ کہہ کر مقدّمہ خارج کر دے گا کہ جب مدّعی خود تسلیم کرتا ہے کہ پاگل نے پہلے انگلی سے نجاست کو چاٹ کر زائل کر دیا تھا پھر پانی میں ڈبویا تھا تو پاگل کی انگلی کے سبب

پانی پلید نہ ہوا کیونکہ جب انگلی پر سے نجاست زائل کردی گئی تو نہ انگلی پلید رہی نہ پانی پلید ہوا۔ فتاویٰ عالمگیری کی عبارت کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ نجاست کو چاٹنا جائز ہے۔ یا یہ کہ فقہ حنفی میں انگلی پاک کرنے کا یہی طریقہ ہے یہ نجس فہمی صرف مخالفین کی دماغی نجاست کا نتیجہ ہے بلکہ فتاویٰ عالمگیری میں تو یہاں تک نفاست پسندی فرمائی گئی ہے کہ جو حلال جانور نجاست کھاتا ہو اسے نہ کھائیں بلکہ کئی دن تک باندھ رکھیں کہ نجاست نہ کھانے پائے پھر جب اس کا گوشت نجاست کے اثر سے پاک ہو جائے تو ذبح کر کے کھائیں اونٹ چالیس دن تک باندھا جائے گا۔ گائے بیس دن تک۔ مرغی تین دن تک اور چڑیا ایک دن تک (فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۲۹۸)

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد وآلہ واصحابہ اجمعین

معین الفقہ

جعفر

افادات

مولانا مولوی محمد حسین صاحب حنفی

جمع و ترتیب

سید مشتاق علی شاہ۔

اس رسالہ میں غیر مقلدین کے فقہ حنفی پر کئے گئے ۶۲ باسٹھ اعتراضوں کا جواب دیا گیا ہے

ناشر
مکتبہ فاروقیہ گوبند گڑھ گوجرانوالہ

عرض مرتب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نَحْمَدُہٗ وَ نُصَلِّیْ علی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم ۔ امّا بعد

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے فقہ حنفی کے دفاع میں اب تک ہم مندرجہ ذیل گیارہ کتابیں شائع کر چکے ہیں مثلاً (۱) ہدایہ پر اعتراضات کے جوابات (۲) درمختار پر اعتراضات کے جوابات (۳) فتاویٰ عالمگیری پر اعتراضات اور ان کی حقیقت حصہ اوّل (۴) فتاویٰ عالمگیری پر اعتراضات اور ان کی حقیقت حصہ دوم (۵) فقہ حنفی میں شراب کا حکم (۶) تحقیق المتین (۷) الجواب الکامل فی ازھاق الباطل (۸) تائید الآئمۃ المسلمین (۹) احقاق الحق، (۱۰) سیف نعمان (۱۱) تائید الحنفیہ وغیرہ پیش نظر یہ رسالہ بھی اسی سلسلے کی بارہویں کڑی ہے۔ اس رسالہ میں غیر مقلدین کے فقہ حنفی پر کئے گئے باسٹھ اعتراضوں کا جواب دیا گیا ہے

ہم نے اب تک جتنے رسالہ شائع کئے ہیں وہ سب کے سب دفاع میں ہی لکھے گئے ہیں. کوئی رسالہ بھی ایسا نہیں جو ہماری طرف سے پہلے لکھا گیا ہو۔ اگر غیر مقلدین امام اعظم ابوحنیفہؒ کو برا بھلا کہنا چھوڑ دیں تو ہمیں بھی یہ ضرورت پیش نہ آتی۔ ہم غیر مقلدین سے مودبانہ گزارش کرتے ہیں کہ وہ اپنی اس روش سے باز آئیں۔ اور شہر کی فضا کو خراب نہ کریں۔

وما علینا الا البلاغ المبین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اعتراضات غیر مقلدین

اعتراض ۱:- اگر جان بوجھ کر تشہد کے بعد گوز مارے یا بات چیت کرلے تو اس کی نماز پوری ہو جائے گی، وفی المنیۃ صـ۸۵ وقال ابوحنیفہؒ یتوضأ ویقعد ویخرج عن الصّلوٰۃ۔

(گویا ہوا نکال دینا سلام کے قائم مقام ہے)

جواب:- یہ اعتراض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہے، کیونکہ اس کی سند حدیث میں موجود ہے مگر معترض کا یہ کہنا کہ ہوا نکال دینا فقہا کے نزدیک سلام کے قائم مقام ہے۔ بہتان ہے۔ نعوذ باللہ من سوء الفہم بلکہ ایسا کرنے والا گنہگار ہے، اگر قصداً ایسا کرے تو نماز اس کی مکروہ تحریمہ ہے۔ جس کا پھر دوبارہ پڑھنا اس پر واجب یہ اس لئے کہ اس نے سلام کہہ کر نماز سے باہر آنا تھا اور یہ سلام اس پر واجب تھا، چونکہ اس نے سلام کو جو شرعاً واجب تھا ترک کیا، اس لئے گنہگار بھی ہوا، اور نماز کا اعادہ بھی لازم ہوا، اور یہ خیال کہ حنفیہ ایسی نماز کو بلا کراہت تحریمی جائز رکھتے ہیں، یا اس فعل کو جائز رکھتے ہیں، صریح حنفیوں پر افتراء ہے،

نواب صدیق حسن خان صاحب نے کشف الالتباس میں اس اعتراض

کو خوب رد کیا ہے۔

اب سنئے وہ حدیث:- ابوداؤد ترمذی طحاوی نے روایت کیا ہے کہ جس وقت امام قعدہ میں بیٹھ گیا۔ اور سلام سے پہلے اس نے حدث کیا، تو حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ اس کی اور جو لوگ اس کے پیچھے تھے سب کی نماز پوری ہو گئی ۱۲ علامہ علی قاری نے رسالہ تشییع الفقاء الحنفیہ میں کتنی حدیثیں اس بارہ میں لکھی ہیں۔ جو دیکھنا چاہے وہ عمدۃ الرعایۃ حاشیہ شرح وقایہ کا صـ۱۸۵ دیکھ لے،

معترض کو اپنے ایمان کی فکر کرنا چاہیئے، قعدتین میں تشہد پڑھنا واجب ہے۔ منیہ صـ۸۶

اعتراض ۲:- شرمگاہ کے سوا کسی اور جگہ جماع کیا اور انزال بھی ہوا پھر بھی روزہ کا کفارہ لازم نہیں آئے گا (تنقید ہدایہ)

جواب:- فرمائیے یہ مسئلہ کس آیت و حدیث کے خلاف ہے آپ کو نہ معلوم ہو تو اپنے کسی بڑے محدث سے دریافت کر کے لکھو کہ حدیث فلاں میں تو ایسے شخص کے حق میں کفارہ آیا ہے اور فقہا حنفیہ لکھتے کفارہ نہیں، اِن لم تفعلوا ولن تفعلوا فاتقوا النار الخ

ہدایہ ج ا صـ۱۹۹ میں ہے والاصح انہا تجب یعنی اصح یہی ہے کہ کفارہ واجب ہے ۱۲،

اعتراض ۳:- قربانی کے جانور کو اشعار کرنا مکروہ ہے، امام ابوحنیفہؒ کی رائے یہی ہے۔

جواب:- امام اعظم نے مطلقاً مکروہ نہیں فرمایا چنانچہ صاحب ہدایہ لکھتا ہے۔ قیل ان ابا حنیفۃ کرہ اشعار اھل زمانہٖ لمبالغتہ

فیہ علی وجہ یخاف منہ للسرایۃ ہ

علامہ عینی شرح ہدایہ میں فرماتے ہیں کہ ابو حنیفہؒ نے اصل اشعار کو مکروہ نہیں فرمایا۔ وابو حنیفۃؒ ماکرہ اصل الشعار کیف یکرہ ذالک مع ما اشتہر فیہ عن الآثار،

قال الطحاوی وانما کرہ ابو حنیفۃ اشعار اہل زمانہ لانہ راہم یستقصون فی ذالک علی وجہ یخاف منہ ھلاک البدنۃ خصوصًا فی حر الحجاز (عینی ھدایہ)

اعتراض نمبر ۴ کسی مرد نے کسی غیر عورت کو شہوت سے چھو لیا۔ اور اس کی شرمگاہ کو دیکھ لیا یا اس عورت نے اس کی شرمگاہ کو شہوت کی نظر سے دیکھ لیا، تو اس عورت کی ماں اور بیٹی اس مرد پر حرام ہو گئی۔

جواب:۔ اگر کسی کے پاس اس کے برخلاف کوئی آیت یا حدیث ہے تو دکھائیے ورنہ اپنا اعتراض واپس لے، ہم سے سنئے یہ مسئلہ نہ صرف امام اعظمؒ کا ہے، بلکہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان واحتجبی منہ یا سودہ جو صحیح مسلم میں ہے۔ اس کی تائید کرتا ہے۔

جوہر النقی ج ۲ ص ۸۴ میں بحوالہ ابن حزم لکھا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس نے ایک مرد و عورت کو جدا کر دیا۔ جب کہ معلوم ہوا کہ اس مرد نے اس کی والدہ کے ساتھ ناجائز حرکت کی، حالانکہ اس مرد کے اس عورت کے بطن سے سات بچے بھی پیدا ہو چکے تھے، معلوم ہوا کہ حضرت عبداللہ بن عباس کا یہی مذہب تھا، جو فقہاؒ نے لکھا ہے اسی طرح سعید بن المسیب اور ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن اور عروہ بن زبیر نے فرمایا ہے کہ جو شخص کسی عورت سے زنا کرے، اس کی بیٹی سے کبھی نکاح جائز نہیں۔ اسی طرح ابن ابی شیبہ نے روایت کیا ہے کہ

جب کوئی شخص کسی عورت کے ساتھ زنا کرے تو اس کو درست نہیں کہ وہ اس کی بیٹی یا ماں سے نکاح کرے۔

اسی طرح عبدالرزاق نے مصنف میں عثمان بن سعید سے اس نے قتادہ سے اس نے عمران بن حصین سے روایت کیا، اس پر دونوں ماں بیٹی حرام ہو گئیں، اسی طرح عطاء نے فرمایا ہے، اسی طرح طاؤس وقتادہ نے فرمایا ہے، امام مجاہدؒ فرماتے ہیں۔ اذا قبلها او لامسها او نظر الی فرجها من شهوة حرمت علیه امها وابنتها۔ (جوہر النقی ص ۸۵)

وعن ابن عمر قال اذا جامع الرجل المرأة وقبلها او لمسها بشهوة حرمت علیه امها وابنتها۔

(فتح القدیر کشوری ص ۲۴ جلد ۲)

اعتراض نمبر ۵ اگر چھونے سے انزال ہو جاوے تو حرمت ثابت نہ ہو گی،

جواب:۔ ہدایہ شریف میں اس مسئلہ کو مدلل بیان کیا گیا ہے، اصل بات یہ ہے کہ واطی اور موطورۃ کے درمیان وطی سبب جزئیۃ ہے یعنی وہ دونوں مثل ایک شخص کے ہو جاتے ہیں، عورت کے والدین اور اولاد اس مرد کے والدین اور اولاد کی طرح ہو جاتے ہیں وطی حلال ہو یا حرام،

پس جس طرح حلال وطی سے عورت کی ماں بیٹی حرام ہو جاتی ہے اسی طرح جس عورت سے زنا کرے اس کی ماں بیٹی حرام ہو جاتی ہے۔

جواب نمبر ۴ میں اس مسئلہ کے دلائل لکھے گئے ہیں،

رہی یہ بات کہ صرف مس و نظر شہوت سے حرمت مصاہرہ ہو جاتی ہے اس کا کیا سبب ہے۔ تو صاحب ہدایہ فرماتے ہیں۔

ان المس والنظر سبب داع الی الوطی فیقام مقامہ فی موضع الاحتیاط یعنی جو شخص مس و نظر بالشہوت کرے گا وہ وطی کی طرف راغب ہوگا، اور وہ چاہے گا کہ وطی کروں، اس لئے دواعی وطی قائم مقام وطی ہوئے اور حرمت ثابت ہوگئی، لیکن اگر مس کرتے ہی انزال ہوگیا، تو حرمت مصاہرہ ثابت نہ ہوگی، اس کی وجہ بھی صاحب ہدائیہ نے بیان فرمائی ہے، جو معترض نے نقل نہیں کی، فرماتے ہیں لانہ بالانزال تبین انہ غیر مفض الی الوطی (ھدایہ ص۲۸۹ فافھم وتدبر)

یہی مسئلہ اِتیان فی الدبر کا ہے۔ اگر انزال ہو جائے تو چونکہ وہ مفضی الی الوطی نہیں، موجب حرمت بھی نہیں اگر انزال نہ ہو تو موجب حرمت ہے۔

اعتراض نمبر۶ من اتی امرءۃ فی الموضع المکروہ او عمل عمل قوم لوط فلا حد علیہ عند ابی حنیفۃ رحمہ اللہ اور در مختار ص۱۷۰ میں ہے۔ ولا یحد بوطی بھیمۃ ولا بوطی دبر ۱۲

جواب:- مذکورہ مسئلہ کے آگے یہ عبارت بھی ہے جس کو معترض نے چھوڑ دیا ہے، ویعذر قال فی الجامع الصغیر ویودع فی السجن وقالا ھو کالزناء فیحد عند الامام۔

فعل مذکور سے حد نہیں سزا دیجائے گی، چونکہ احادیث شریف سے ثابت نہیں اور خلفائے راشدین میں اختلاف صادر ہے۔

جامع الصغیر میں ہے قید کیا جائے گا۔ حضرت واقدی اپنی کتاب الردۃ میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے خالد رضی اللہ عنہ ابن ولید کے پاس احراق بالنار کرنے کا حکم ۔۔۔ فرمایا ہے۔

ابن ابی شیبہ نے اپنی کتاب میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت کی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ

نے فاعل و مفعول کو باتباع احجار بلند مکان سے گرا دینے کا حکم صادر فرمایا ہے چنانچہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الذی یعمل عمل قوم لوط فارجموا الاعلے والاسفل، دیگر احادیث اس کی مخالف ہیں۔

وعن عکرمۃ عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم من وجد تموہ یعمل عمل قوم لوط فاقتل الفاعل والمفعول (ترمذی ابن ماجہ)

وعن ابن عباس وابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم قال ملعون من عمل قوم لوط

کہو غیر مقلدو! تمہیں شرم نہیں آتی؛

میں کہتا ہوں کہ حنفیہ نے اس مسئلہ میں فقیہ امت سید المفسرین حضرت ابن عباس لیس علے الذی یاتی البھیمۃ حد (ابوداؤد، نسائی، ترمذی) ولفظ الترمذی من اتی البھیمۃ فلا حد علیہ ائمہ اربعہ، عطاء، حکم، اسحٰق، رحمہم اللہ تعالیٰ کا یہی مسلک ہے دیکھو لمعات شرح مشکوٰۃ سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، بلکہ قاضی شوکانی در ربہیہ، اور نواب صدیق حسن خان کا بھی یہی مذہب ہے، ملاحظہ ہو روضہ ندیہ ص۳۵۸

رہا مسئلہ لواطت اس کی نسبت گزارش ہے کہ حد شریعت اسلامیہ میں اس معین سزا کو کہتے ہیں جو محض حق اللہ کے عوض واجب ہو۔

زیلعی شرح کنز میں ہے۔ ھو فی شرح اسم لعقوبۃ مقدرۃ تجب حقا اللہ تعالیٰ حد شریعت میں نام ہے اس معین سزا کا جو حق کے طریق پر واجب ہو، صاحب ہدائیہ اپنی مشہور تصنیف مختار النوازل میں تحریر

فرماتے ہیں، ھو فی الشریعۃ اسم العقوبۃ مقدرۃ تجب للہ شریعت میں وہ معین سزا کہلاتی ہے جو محض لحق اللہ ہو ملتقی الابحر میں ہے الحد عقوبۃ مقدرۃ تجب حقا للہ تعالیٰ فلا تسمی تعذیر ولا قصاص حدا والتزنی وطی مکلف فی قبل خال عن ملک وشبھتہ صـ۱۵۳

اور شرح وقایہ فارسی میں ہے" حدود شرعی عقوبتی است معین کہ برائے حق اللہ وامتثال امراد واجب شود وتعزیر وقاص حد نیست بنا بر آنکہ تعزیر معین نیست وقصاص حق ولی قصاص است"

مسئلہ:۔ زناء کے بران حد واجب شود۔ غائب شدن اکثر حشفہ مرد عاقل است در قبل زنی مشتہاتہ کہ در ملک نکاح یا در ملک رقبہ یا در شبہ ملک نکاح یا در ملک رقبہ یا در شبہ آں ملک نہ باشد پس اگر معتدہ بایں باثلث را وطی کرد حد لازم نیاید۔ وشرح وقایہ صـ۱۵۳

اور درر بہیہ میں ہے وَمَنْ لَاطَ بِذَكَرٍ قُتِلَ وَلَوْ كَانَ بِكْرًا وَكَذَالِكَ الْمَفْعُوْلُ بِهٖ اِذَا كَانَ مُخْتَارًا وَيُعَذَّرُ من نكح بهيمه (صـ۵۶)

پس جب کہ لواطت پر شریعت اسلامیہ میں کوئی مخصوص سزا مقرر نہیں ہے، چنانچہ اسی وجہ سے خود صحابہؓ میں لوطی کی سزا کی بابت سخت اختلاف ہے۔ حضرت علیؓ اور حضرت عثمانؓ سے پتھراؤ کرنا مروی ہے، ملاحظہ ہو القول الجازم مصنفہ عبدالحی لکھنوی صـ۳۳ صدیق اکبرؓ دہکتی آگ میں جلانے کا حکم دیتے ہیں، اخرجہ البیہقی ابن ابی الدنیا، ملاحظہ ہو نصب الرایۃ لاحادیث الھدایۃ للزیلعی جلد ۲ صـ۹۳ القول الجازم صـ۳۳ اور ابن عباس بلند ترین دیوار سے اوندھے منہ گرا کر پتھر سے مارنے کا فتویٰ دیتے ہیں، بیہقی، مصنف ابن ابی شیبہ، نصب الرایہ ج۲ صـ۹۳ القول الجازم صـ۳۳۔

پس صحابہ کا اختلاف اٹل دلیل ہے کہ اس باب میں شرعاً کوئی خاص سزا (حد) مقرر نہیں ہے، ہاں بطریق سیاست امام خواہ اس کو قتل کر دے یا کوئی عبرتناک سزا دے الغرض شرعاً لواطت پہ حد نہیں ہے مگر تعزیر واجب ہے،

چنانچہ شرح وقایہ فارسی میں مسئلہ: بوطی بہیمہ حد لازم نشود وتعزیر لازم گردد زیرا کہ وطی بہیمہ جنائتی است کہ دراں حد مقرر نیست کذا فی حاشیۃ الجلبی

مسئلہ:۔ ہر کہ لواطت کرد نزدیک امام بروئے حد لازم نشود ونزدیک صاحبیہ وبیک قول شافعی بروی حد لازم شود زیرا کہ فعلے است در معنی زنا بنا بر آنکہ دفع شہوت است در محل مشتہی بوجہ کمال وحرام محض ست آملہ میگوئیداین فعل زنا نیست بنا بر آنکہ صحابہؓ در موجب آن اختلاف دارند نزدیک بعضے ہر دو را باید سوخت ونزدیک بعضی برا دو دیوار انداخت، ونزدیک بعضی ہر دو را از مکان بلند سرنگون باید برتافت وبالاء آن سنگہا برتافت پس نزدیک امام اور ابیکے این امور تعزیر کنند صـ۱۵۵ حافظ ابن قیم اعلام الموقعین میں فرماتے ہیں۔ ومن ذالك ای السیاسۃ العادلۃ تحریق الصدیق اللوطی والقاء امیر المؤمنین علی اللہ وجھہ من شاھق علی راسہ (اعلام ج ۲ صـ۳۱۴

خلاصہ مرام یہ کہ حد نام ہے سزا معین واجب الحق کا اور وطی بہیمہ میں کوئی مخصوص سزا بطریق شرعاً ثابت نہیں ہے۔ مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس کو مطلق العنان چھوڑ دیا جائے گا۔ بلکہ امام وقت اس کو مناسب سزا دینا واجب ہے وہو المراد بالتعزیر والسیاسۃ العادلۃ علامہ ابن نجیح مصری رحمہ اللہ البحر الرائق فی شرح کنز الدقائق میں لکھتے ہیں۔ اجمعت الامۃ علی وجوبہ فی کبیرۃ لا توجب الحد کذا فی التبین وفیہ ایضاً فصاد الحاصل ان کل من ارتکب معصیۃ لیس فیھا حد مقدر وتثبت علیہ

عندالحاکم فانہ یجب فیھا التعزیر قلت کذا فی الذخیرۃ و
خزانۃ المفتین ؕ

خود درمختار میں بھی ان دونوں فعلوں پر تعزیر کا واجب ہونا مذکور ہے۔

اعتراض ۲۷: جو شخص محرمات ابدیہ سے نکاح کرے، اس پر حد نہیں (ہدایہ)

جواب: زانی کے واسطے جو شرعاً حد مقرر ہے وہ رجم ہے یا جلد، لیکن کسی حدیث میں نہیں آیا کہ جو شخص محرمات ابدیہ سے نکاح کر کے وطی کرے اس کو رجم کیا جاوے یا کوڑے مارے جاویں۔ اسی واسطے حضرت امام اعظم نے ایسے شخص کے لئے یہ حد (رجم) یا جلد نہیں فرمائی کہ اس کا کوئی ثبوت نہیں، معترض اگر امام صاحب کے اس مسئلہ کو خلاف حدیث سمجھتا ہے۔ تو وہ حدیث نقل کرے جس میں ایسے شخص کے لئے حد آئی ہو، البتہ قتل کا حکم آیا ہے۔ جس سے امام صاحب کا ہی مذہب ثابت ہوتا ہے، کیونکہ قتل کرنا اور مال ضبط کرنا حد زنا نہیں۔ امام صاحب ہی فرماتے ہیں کہ حاکم اس کو سخت سے سخت سزا دے ایسے شخص کو جو سزا دی جائے تھوڑی ہے۔

فتح القدیر میں ہے۔ الاقوی ان اللہ اباحنیفۃ الزم عقوبۃ باشد مایکون انما لم یثبت عقوبۃ ھی الحد فعرف انہٗ زنا محض عندہٗ الا ان فیہ شبھۃ ۱۲

السوال: یہ حکم ہدایہ کا مخالف آیہ حرمت علیکم امھاتکم وبناتکم ہے اور حدیث امرنی رسول اللہ الی رجل تزوج امرأۃ ابیہ ان اٰتیہ برأسہ اور حدیث من نکح محرما فاقتلوہ ہے۔ اقول باللہ التوفیق واقعی یہ مذہب امام کا ہے اور صاحبین کے نزدیک برابر حد لازم ہے اور فتویٰ صاحبین کے قول پر ہے۔

قال فی الدرر لاحد بشبھۃ العقد عندالامام کوطی محرم نکحھا وقالا

ان علم بالحرمۃ حد وعلیہ الفتویٰ ہ اور سند قول امام کی یہ ہے کہ بسبب کرنے نکاح کے اس کے زنا ہونے میں شبہ پڑا جس وطی میں شبہ پڑ جاوے اگرچہ محرمات سے ہو اس سے حد نہیں آتی بموجب قول آنحضرت ؐ کے کہ حدود دور ہو جاتے ہیں۔ شبہ پڑنے سے بموجب حدیث عن ابی ھریرۃ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادفعوا الحدود ما وجدتم لا الہ مدفعاً (رواہ ابن ماجہ) اور ملا علی قاری نے ایک حدیث حضرت عائشہ صدیقہ سے یوں نقل کی ہے۔ ادرؤ الحدود عن المسلمین ما استطعتم فان وجدتم للمسلم مخرجا فخالوا سبیلہٖ جیسا کہ اگر کوئی شخص اپنے بیٹے کی لونڈی سے جان بوجھ کر وطی کرے اور اس پر حد زنا کی کسی امام کے نزدیک لازم نہیں آتی۔ بسبب حدیث انت ومالک لابیک کے اور جو تم نے آیت وحدیث واسطے اثبات حد کے بیان کئے ہیں، ان میں یہ ذکر نہیں کہ جو شخص محرمات سے نکاح کر کے وطی کرے تو اس پر حد لازم آتی ہے۔ آیت میں صرف حرمت نکاح کے محرمات کی بدوں ذکر حد کے بیان ہے۔ دونوں حدیثوں مذکورہ میں بھی صرف ذکر قتل کرنے کا ہے۔ سبب نکاح کے اور یہ حکم واسطے مرتد کے ہوتا ہے بس یہ حکم اس شخص پر جاری کیا جائے گا کہ جو شخص اس نکاح کو درست جان کر مرتد ہوا اس واسطے بعض روایات میں ضبط کرنا مال اس کے کا بھی ذکر کیا گیا ہے، کذا قال فی فتح القدیر۔"

پس اس واسطے دعویٰ حد زنا کے جو جلد اور رجم ہے دلائل حرمت اور قتل کے پیش کرنے والی اوپر کمال جہالت کے ہے ؎

چہ خوش سعدیؒ در زلیخا الخ

بلکہ اس وطی پر تعریف زنا کی امام کے نزدیک صادق نہیں آتی، کیونکہ

زنا اس وطی کا نام ہے کہ جس میں ملک یمین اور نکاح اور شبہ نکاح وغیرہ کا نہ ہو، پس ایسی کوئی آیت یا حدیث بیان کرو کہ جس میں یہ ذکر ہو کہ جو شخص محرمات ابدی سے نکاح کر کے وطی کرے اس شخص پر بسبب اس وطی کے حد زنا کی لازم ہے ورنہ واہی تباہی کلمات سے جو موجب اہانت اماماں دین کے ہیں باز آؤ

وَاللّٰهُ يَهْدِي مَنْ يَّشَاءُ اِلٰى سَبِيْلِ الرَّشَادِ ط

مولوی عبد العزیز صاحب کا جواب ملاحظہ ہو،

بعد نکاح محرمات وطی کے کرنے سے بموجب ایک روایت فقہ کے حد کا لازم آنا ہم حنفیوں کو مضر اور مخالف نہیں ہو سکتا، کیونکہ مذہب حنفی عبارت ان روایات اور مسائل سے ہے کہ جن کو حنفیہ نے معمول اور مفتی بہ قرار دیا ہے۔ اور یہ روایت اس قسم سے نہیں جیسے اطاعت اللہ اور رسول کی عبارت استعمال ان مسائل سے ہے کہ جو علماء امت نے بعد تمیز ناسخ و منسوخ اور دفع تناقض اور تخالف کے حاصل کر کے ارقام کئے ہیں؛

کیونکہ بعض روایات کتب حدیث میں مثل بخاری وغیرہ کے ایسی موجود ہیں کہ جو عقل اور نقل کے مخالف معلوم ہوتی ہیں جیسے وطی فی الدبر کی روایت بخاری کی کتاب التفسیر میں تفسیر آیہ نِسَاؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ میں موجود ہے لیکن معمول اور مفتی بہ ائمہ دین کے نہیں، پس جو کوئی روایت فقہیہ غیر مفتی بہ کو کتب فقہ سے اخذ کر کے حنفیوں پر اعتراض کرتا ہے ایسا ہے جیسے کوئی یہودی یا نصرانی آیت اور حدیث مذکورہ دیکھ کر دین محمدی پر طعن کرے۔ بلکہ صورت مذکورہ میں تو غیر مقلدین پر اعتراض اور طعن سخت وارد ہوتا ہے کیونکہ وہ قائل اس امر کے ہیں کہ بخاری و مسلم کی روایت پر بلا تحقیق عمل

کرنا جائز ہے پس اس صورت میں حضرات غیر مقلدین کے نزدیک امام بخاری بلکہ اللہ و رسولؐ بھی مطعون ٹھہرے، بندروں کی حکایت بھی خلاف عقل و نقل ہے۔ اور ابن ماجہ میں ہے کہ حضورؐ نے سحری سورج نکلنے کے قریب کھائی۔

مولانا اسماعیل گنگوہی کا جواب ملاحظہ ہو

جواب:۔ عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من وقع علی ذات محرم فاقتلوہ (ابن ماجہ) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ حد زنا نہیں، صرف تعزیر ہے۔ اگر یوں فرمائے گا کہ حاصل فاقتلوہ فارجموا کا ایک ہے۔ سو سمجھ لیجئے گا کہ لفظ من مقتضی تعمیم ہے، محصن اور غیر محصن کو شامل ہے۔ اور کوئی قرینہ مخصصہ موجود نہیں۔ غیر محصن کے حق میں بھی حکم فاقتلوا ثابت ہوا؛

حد نہ رہی لہذا القول عن ابی ہریرۃؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادفعوا الحدود ما وجدتم لہ مدفعا رواہ ابن ماجہ تو معلوم ہوا کہ شارع نے اگرچہ بوجہ زجر خلق حدود مقرر کر دی ہیں۔ لیکن اصل عفو ہی مدعا ہے، جیسا کہ حدیث سے ثابت ہوتا ہے۔ اس لئے الحدود تندرؤ بالشبہات کا مضمون مسلم ہوا، اور اللہ تعالیٰ قرآن میں لَا تَنْكِحُوا فرمایا اس سے معلوم ہوا کہ نکاح بشرائط پایا تو جاتا تھا جس کو منع فرمایا جو شرائط نکاح تھی ان کا وجود محرمات میں ممتنع نہ تھا علت فاعلہ و علت قابلہ موجود تراضی طرفین ممکن صحت نکاح ہی میں کیا باقی رہ گیا۔ بہر حال گو بسبب نص و لا تنکحوا نکاح صحیح نہیں ہوتا۔ لیکن مشاکلۃ تو نکاح سے ہو جاتی ہے تو اس صورت میں محض زنا نہ رہا حدود خود مرتفع ہو گئیں، بخلاف بیع میتہ کے کہ وہ قابل عقد ہی نہیں باقی گناہ ہونا اور

بات ہے، بیشک بہت سخت گناہ ہے۔ زنا سے زیادہ لہٰذا اس میں جس قدر تعزیر دی جاوے لائق ہے اور خود بھی امام صاحب اس باب میں تعزیر دینے کو فرماتے ہیں جیسا کہ حدیث میں خود تعزیر کو ارشاد فرمایا عن البراء بن عازب ان رجلا تزوج امرأة ابیہ فامر النبی صلی اللہ علیہ وسلم بقتلہ رواہ الترمذی تو تأمل فرمانا چاہیئے کہ قول امام صاحب کا قول شارع علیہ السلام ہے یا نہیں " عن انس ان رجلاً کان تیھم بام ولد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لقال لعلی اذھب فاضرب عنقہ فاتاہ فاذا ھو فی رکی یتبرد فقال اخرج فناولہٗ یدہ فاخرجہ فاذا ھو محبوبٌ لیس لہٗ ذکر فکف عنہ واخبر بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم فحسن فعلہٗ زاد فی روایتہ وقال الشاھد مالا یری الغائب اخرجہ المسلم تیسیر کلکتہ صـ۱۳۲ کتاب الحدود باب دوم "

جواب از جانب مولانا عبد اللطیف صاحب نعمانی مدرس دار العلوم اعظم گڑھ

یہ امر مجمع علیہ ہے کہ ہر معصیت اور گناہ پر شریعت میں حد نہیں ہے' اور نہ حدود کا معاملہ قیاسی ہے کہ ایک گناہ پر حد مقرر ہو، تو اس جیسے یا اس سے بڑے گناہ پر قیاس سے حد واجب کہی جاوے۔ کون نہیں جانتا کہ شراب پینے پر شریعت میں حد ہے مگر پیشاب اور خون پینے والے کو حد نہیں لگائی جاسکتی زنا کی تہمت موجب حد قذف ہے مگر کفر کی تہمت باوجود اس سے سخت ہونے کے حد نہیں لگائی جاسکتی، زنا کی تہمت باوجود اس سے سخت ہونے کے حد نہیں اس لئے ہم نے مانا کہ زنا پر شریعت میں حد مقرر ہے، اور یہ بھی تسلیم کہ محرمات ابدیہ سے نکاح کرنا زنا سے زیادہ سخت

اور بڑا گناہ ہے۔ مگر زنا کی طرح شرعاً موجب حد نہیں ومن ادعیٰ فعلیہ البیان بالحجة والبرھان ؁

وجہ ثانی:۔ تمام فرق اسلامیہ خلفا من سلف اس امر پر متفق ہیں کہ شرعاً زنا کی حد رجم کرنا یا سو کوڑے لگانا ہے، مع التغریب یا بغیر تغریب، علامہ نووی شرح مسلم ج۲ صـ۶۵ میں فرماتے ہیں، واجمع العلماء علی وجوب جلد الزانی البکر مائة ورجم المحصن وھو الثیب ولم یخالف فی ھذا احد من القبلة الا ماحکی القاضی عیاض وغیرہ من الخوارج وبعض المعتزلة کالنظام واصحابہ فانھم لم یقولوا بالرجم قلت لکنھم قائلون بالجلد فلم یخرجوا عن ما قلتہٗ

مولانا عبد الحی القول الجازم میں فرماتے ہیں:۔

اجمعوا علیٰ ان حد الزنا احد الامرین لا غیر حالانکہ احادیث میں محرمات سے نکاح کرنے والے کو رجم کا یا جلد کا حکم نہیں ہے۔ بلکہ بلا تخصیص بکر و ثیب قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے، ملاحظہ ہو:۔

(۱) **حدیث اول**:۔ عن البراء بن عازب قال لقیت خالی ومعہ الرأیہ فقلت این ترید فقال بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیٰ رجل نکح امرأة ابیہ فامرنی ان اضرب عنقہ واخذ مالہٗ (درمنثور، عبد الرزاق ابن شیبہ، والحاکم وصححہ، والبیہقی، واخرجہ ایضاً ابوداؤد ابن ماجہ، والترمذی، والطحاوی بالفاظ مختلفة متقاربة،

(۲) **حدیث ثانی**:۔ عن معاویة بن مرة ابیہ قال بعثنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیٰ رجل تزوج امرأة ابیہ ان اضرب عنقہ وصفی مالہٗ (ابن ماجہ، دار قطنی)

(۳) **حدیث ثالث**:۔ عن ابن عباس قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من وقع علی ذات محرم فاقتلوہ (ترمذی، ابن ماجہ، الحاکم وصححہ) پس ان حدیثوں سے معلوم ہوا کہ محارم سے نکاح کر کے وطی کرنیوالے پر حد نہیں ہے۔ کیونکہ ابھی معلوم ہوا کہ زنا کی حد جلد یا رجم ہے۔

اور ان حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ شخص قتل کیا جاوے، اور قتل حد زنا نہیں ہے ورنہ کتاب اللہ اور احادیث مشہورہ کی مخالفت لازم آئے گی،

اور ثانیاً اس لئے کہ اس حدیث کو بعض طرق میں امر بالقتل کے ساتھ مال لینے اور سر لانے کا بھی حکم ہے۔ حالانکہ زانی غیر محصن کو قتل نہیں کیا جاتا ہے۔ اور پھر اس کا سر دربار میں نہیں لایا جاتا اور نہ زانی بکر وثیب کا مال حد میں لیا جاتا ہے۔ اس لئے معلوم ہوا کہ اس کو حد نہیں لگائی جائے گی اور یہ قتل کیا جانا بھی بطریق حد نہیں،

(۳) **ثالثاً**:۔ اس وجہ سے کتاب اللہ وسنت مشہورہ میں حد محصن وغیر محصن میں فرق بین ہے، اور ان احادیث میں بلا تفریق قتل کا حکم ہے،

(۴) **رابعاً**:۔ بعض روایات میں بدون ذکر وطی صرف عقد ہی پر حکم قتل دیا گیا، حالانکہ نفس نکاح قطعاً زنا نہیں ہے اور نہ اس پر حد ہے؛

(۵) **خامساً**:۔ بعض روایات میں اخذ مال کا ذکر ہے۔ حالانکہ یہ بالاتفاق حد نہیں ہے بلکہ تعزیر وسیاست ہے اس لئے امر بالقتل بھی سیاست ہے،

(۶) **سادساً**:۔ اس وجہ سے کہ بعض دوسرے جرائم پر بھی قتل کا حکم حدیث میں موجود ہے۔ مثلاً چوتھی یا پانچویں مرتبہ شراب پینا اسی طرح تکرار سرقہ کے بعد چور کو بھی قتل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ حالانکہ شرب خمر خواہ کتنی ہی دفعہ مکرر ہو شارب کو حداً قتل نہیں کیا جاتا۔ چور کتنی ہی بار چوری کرے اس کی حد کسی کے یہاں بھی

قتل نہیں ہے، اسی طرح وطی محارم بعد النکاح میں قتل مروی ہے۔ وہ بھی حد نہیں ہے،

تیسری وجہ:۔ اگر ان ساری باتوں سے قطع نظر کر کے تسلیم کر لیا جائے کہ وطی محارم بعد النکاح من حیث ذاتہ موجب حد ہے تو وہ وجوب حد اور سقوط حد میں کونسا تعارض وتضاد ہے کہ وجوب کے بعد سقوط ناممکن ہو اس لئے مانا کہ نفس وطی سے حد واجب مگر شبہ عقد کی وجہ سے ساقط ہو گئی اور حدود کا دفع وسقوط بالشبہات ایک معروف ومتعارف امر ہے اور بہت سی حدیثیں اس پر دلالت کرتی ہیں۔ ملاحظہ ہو۔

حدیث اول:۔ عن ابن عباس رضی اللہ عنہ ان ماعز بن مالک لما اتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لہ (اے بعد اقرارہ بالزنا واعادتہ مرارا) لعلک قبلت اونظرت الخ (بخاری۔ ابوداؤد، مسلم)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حد، حتی الوسع دفع کرنے چاہئیں ورنہ ثبوت کے بعد بار بار اس طرح کے سوال کرنا جس سے دفع حدود کی تلقین ہوتی ہے۔ لاحاصل ہے؛

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:۔ وفیہ جواز تلقین المقر بما یوجب الحد ما یدفع بہ عنہ الحد (فتح الباری ج ۱۲ ص ۱۰۳)

حدیث ثانی:۔ عن انس بن مالک قال کنت عند النبی صلی اللہ علیہ وسلم فجاءہ رجل فقال یا رسول انی اصبت حدا فاقمہ علی قال ولم یسئل عنہ قال وحضرت الصلوۃ فصلی مع النبی صلی اللہ علیہ وسلم الصلوۃ قام الیہ الرجل فقال یا رسول اللہ انی اصبت حدا فاقم فی کتاب اللہ قال الیس قد صلیت معنا قال نعم قال فان اللہ قد غفر ذنبک اوحدک (بخاری)

حافظ ابن حجر فرماتے ہیں:۔ وقال ایضاً فی ھذا الحدیث انہ لا یکشف عن الحدود بل یدفعہ مھما امکن وھذا الرجل لم یفصح بامر عزمہ بہ اقامۃ الحد علیہ فلعلہ اصابہ صغیرۃ ظنھا کبیرۃ توجب الحد فلم یکشفہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن ذالک لان موجب الحد لا یثبت بالاحتمال وانما لم یستقرہ لما کان ذالک قد یدخل فی التجسس المنھی عنہ اما لایثار للستر ورأی فی توجہہ لاقامۃ الحد علیہ ندما ورجوعاً ورجوعاً وقد استحب العلماء تلقین من اقر بموجب الحد بالرجوع عنہ اما بالتعریض واما با وضح منہ لیدرأ عنہ الحد (فتح ج ۱۲ ص ۱۰۹)

حدیث ثالث:۔ عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ادرؤا الحدود بالشبہات (مسند امام اعظم، وابن عدی ورواہ الدارقطنی والبیہقی عن علی ورواہ ابن ماجہ عن ابی ہریرۃ مرفوعاً ادفعوا الحدود عن عباد اللہ ما وجدتم لہٗ مخرجاً ورواہ ابن ابی شیبۃ والترمذی والحاکم والبیہقی عن عائشۃ ولفظہٗ ادرؤا الحدود عن المسلمین ما استطعتم فان وجدتم للمسلم مخرجاً فخلو سبیلہٗ فان الامام لان یخطئ فی العفو خیر من یخطئ فی العقوبۃ"

الغرض:۔ یہ اور ان کے علاوہ بہت سی حدیثیں ہیں جن سے بالتصریح احتمال واشتباہ کی حالت میں حدود کے دفع کا شرعاً مامور ہونا ثابت ہوتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر فاروق، ابن مسعود، معاذ بن جبل، عقبہ بن عامر اور دوسرے صحابہؓ سے متعدد آثار میں شبہ سے حدود کا دفع کرنا مروی ہے۔ پس اس صورت میں نکاح کا ہونا ایک شبہ موجود ہے اس لئے اگر امام اعظم نے درا حد کا

فتویٰ دیا تو اس کے علاوہ اور کیا گناہ کیا کہ جناب رسالت مآب کی احادیث صحابہ کے آثار اور تابعین کے فتاووں پر عمل کیا۔ اس لئے جس نے جو کچھ کہنا ان احادیث وآثار کی نسبت کہہ کر عاقبت کو خراب کرے ہاں عقد نکاح کو شبہ اور سقوط حد کا باعث کہنا بھی امام صاحب کا اپنا قول نہیں اسوہ فاروقیہ کا اتباع ہے۔

مؤطا امام مالک میں ہے:۔ ان طلحۃ الاسدیۃ کانت تحت رشید الثقفی فطلقھا فنکحت فی عدتھا فضربھا عمر ابن الخطاب وضرب زوجھا بالخفقۃ ضربات وفرق بینھا ثم قال عمر ایما امرأۃ نکحت فی عدتھا فان زوجھا الذی تزوج ما لم یدخل بھا فرق بینھما ثم اعتدت بقیۃ عدتھا من زوجھا الاول (الحدیث)

دیکھو عورت معتدہ تھی جس سے نکاح بنص قرآنی ممنوع ہے، مگر نکاح کر کے وطی کرنے والے کو آپ نے حد نہیں لگوایا۔ اس لئے کہ اس سے ایک طرح کا شبہ پیدا ہو گیا۔ اسی طرح محرمات سے نکاح بنص قرآن ناجائز اور حرام مگر نکاح کرنے سے اشتباہ تو ضرور پیدا ہو جاتا ہے اور شبہ کے ہوتے ہوئے حد نہیں۔

مگر حد کی نفی سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ اس پر کوئی سزا ہی نہیں ہے اور فقہ حنفی اس قدر عظیم الشان گناہ کرنے والے کو مطلق العنان چھوڑ دیتی ہے نہیں ایسا قطعاً نہیں ہے بلکہ سیاستاً قتل کر دیا جا سکتا ہے۔ سخت سے سخت سزا دی جا سکتی ہے اور امام پسند کرے تو اس کی کافی سزا کر کے شہر بدر کر سکتا ہے۔ بہر کیف حد اور عقوبت مقرر نہیں ہے مگر امام پر اس کی سزا ضروری ہے اور وہ جو سخت سزا بھی چاہے دے سکتا ہے"

اعتراض نمبر ۸:۔ ایک زانی کے زنا پر چار گواہ ہیں۔ دو تو کہتے ہیں کہ

عورت راضی نہ تھی دو کہتے ہیں وہ راضی تھی، تو نہ عورت کو حد لگائی جائے گی نہ مرد کو، امام ابو حنیفہ کا فتویٰ یہی ہے،

جواب :۔ نہ صرف امام زفرؒ ہی ان کے ساتھ ہیں بلکہ امام مالک امام شافعی، امام احمد رحمہم اللہ تعالیٰ بھی ان کے ساتھ ہیں۔ دیکھو فتح القدیر کشوری ج ۲ ص ۱۶۰ میں کہتا ہوں مولوی وحید الزمان مترجم صحاح ستہ بھی ان کے ہی ساتھ ہیں چنانچہ نزل الابرار جلد دوم کے ص ۲۹۹ میں لکھتا ہے ولو شهد اثنان منهم علی انه زنا بها وهی مکروهة فلا حد علی واحد منهم ط

ترمذی شریف میں ہے :۔ قال علیہ السلام ادرؤا الحدود عن المسلمین ما استطعتم فان کان له مخرجا فخلوا سبیله فان الامام ان یخطی فی العفو خیر من ان یخطیٔ فی العقوبة ایک دوسری حدیث میں آیا ہے ادرءوا الحدود بالشبہات، تو اس مسئلہ میں اس لئے حد نہیں کہ ان چار گواہوں میں سے دو گواہ یقیناً کاذب ہیں تو نصاب شہادت پورا نہ ہوا۔ علاوہ ازیں فعل زنا دونوں کے ساتھ قائم ہوتا ہے اس صورت میں عورت میں عورت کی جانب سے اختلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ وہ طائعہ ہے وہ کہتے ہیں مکرہہ ہے تو مرد کی جانب بھی لامحالہ اختلاف ہوا۔

اس لئے کہ طائعہ کے ساتھ زنا کرنا اور ہے اور مکرہہ کے ساتھ اور ہے جو دو گواہ طائعہ کی شہادت دیتے ہیں وہ طائعہ کی نفی کرتے ہیں تو نصاب شہادت متحقق نہ ہوا، چار گواہ ثابت نہ ہوئے عورت کا اگر مکرہہ ہونا ثابت ہوتا تو مکرہہ پر حد نہیں۔ اگر طائعہ ہے تو حد ہے یہ بھی شبہ پیدا ہو گیا اور شبہات سے حد اٹھ جاتی ہے۔ لہٰذا حد ساقط ہو گئی۔

اس مسئلہ کے خلاف اگر کوئی حدیث رکھتا ہے تو پیش کرے۔

اعتراض نمبر ۹ :۔ ایک شرابی نے اپنے شراب پینے کا اقرار کیا، لیکن اس وقت اس کے منہ سے شراب کی بدبو چلی گئی ہے تو باوجود اس کے اقرار کے اُسے حد نہیں لگے گی۔

جواب :۔ ہدایہ شریف کی اس عبارت کے آگے امام محمدؒ کا قول لکھا ہے۔ وقال محمد یحد شیخ ابن الہمام نے فتح قدیر میں اسی کو صحیح لکھا چنانچہ فرمایا نقول محمدؒ لحوالصحیح ج ۲ ص ۱۱۶ اور غایۃ البیان میں قول محمد کو ترجیح دی گئی ہے۔ بحر الرائق میں بھی قول محمد کو ارجح من جہتہ المعنی کہا گیا ہے فقہائے قول امام محمدؒ کو صحیح فرمایا، پھر کیا اعتراض اور امام محمدؒ کو صحیح فرمایا، پھر کیا اعتراض اور امام محمدؒ و دیگر تلامذہ امام اعظم رحمہ اللہ کے جملہ اقوال امام اعظم رحمہ اللہ کے ہی اقوال ہیں صرح بہ الشعرانی فی میزانہ والشامی فی تصانیفہ

اعتراض نمبر ۱۰ :۔ شرابی نے شراب پی جب اس کے منہ کی بدبو چلی گئی تو اگرچہ گواہ گواہی دیں تاہم حد نہیں لگائی جائے گی۔

جواب :۔ اس میں بھی امام محمدؒ کا قول ہدایہ شریف میں مرقوم ہے کہ حد لگائی جا دے، حاصل یہ ہے کہ تقادم قبول شہادت کا مانع ہے کما مر یعنی گواہوں کا پہلے خاموش رہنا پھر دیر کے بعد شہادت دینا اثبات کی تہمت پیدا کر دیتا ہے کہ شاید ان کو کسی عداوت نے ادائے شہادت پر برانگیختہ کیا۔ اور متہم کی شہادت معتبر نہیں اور اس دیر کی حد امام محمدؒ کے نزدیک ایک مہینہ ہے، امام اعظم و امام ابو یوسفؒ کے نزدیک بو کے زائل ہونے تک ہے، یعنی بو کے زائل ہونے تک بلا عذر گواہوں کا ادائے شہادت سے خاموش رہنا تہمت پیدا کر دیتا ہے اس لئے ان کی گواہی قبول نہ ہوگی۔ نہ حد لگے گی، ہدایہ شریف میں اس مسئلہ کی دلیل میں قول ابن مسعودؓ نقل کیا ہے۔

آپ نے فرمایا وجدتم رائحۃ الخمر فاجلدوہ اگر تم شراب کی بو پاؤ تو حد لگاؤ، وَاللّٰہُ اَعْلَمُ۔

اعتراض نمبر ۱۱:- جو نشہ لانے والی مباح چیزیں ہیں ان کے استعمال سے اگر نشہ آوے تو حد نہیں جیسے بھنگ کا پینا۔

جواب:- اس مسئلہ کے برخلاف کوئی آیت یا حدیث صحیح مرفوع ہے تو پیش کرو۔ جس پر بھنگ پینے پر حد لگانے کا حکم ہو ورنہ کچھ نہیں۔

اعتراض نمبر ۱۲:- زانی کو سنگسار کرنے کے وقت پہلے گواہ سنگباری شروع کریں، اگر وہ نہ کریں تو حد ساقط ہو گی،

جواب:- خود صاحب ہدایہ نے لکھا ہے لانہ دلالۃ الرجوع اور فرمایا حضور علیہ السلام نے ادرؤا الحدود عن المسلمین ما استطعتم (ترمذی) اور گواہوں کو چونکہ صریح رجوع نہیں اس لئے سنگباری نہ کرنے سے ان کو بھی قذف نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ انہوں نے سنگباری محض ضعف نفوس کے سبب ترک کیا ہو، جیسے بعض لوگ حیوان حلال کو بھی ذبح نہیں کرتے بلکہ ذبح کے وقت سامنے بھی نہیں ٹھہرتے،

اعتراض نمبر ۱۳:- جو شخص اپنے باپ یا ماں کی یا اپنی بیوی کی لونڈی سے زنا کرے اور یہ کہہ دے کہ میں نے خیال کیا تھا، کہ یہ مجھ پر حلال ہے تو اسے حد نہیں لگائی جائے گی۔

جواب:- ہدایہ شریف میں اس کی وجہ لکھی گئی ہے کہ یہ شبہ باشتباہ ہے۔ اس لئے کہ انت ومالک لابیک[1] حدیث ہے اسی طرح خاوند اپنی بیوی کے مال سے فائدہ حاصل کر سکتا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

[1] طبرانی۔ بیہقی ۱۲

کو حضرت خدیجہ کے مال سے غنی فرمایا۔ وَوَجَدَکَ عَائِلًا فَاَغْنٰی ایسی صورت میں ماں باپ یا زوجہ کی لونڈی کو حلال ظن کر لینا محتمل ہے، تو جب اس نے حلت کا ظن کیا تو شبہ اشتباہ ہوا اور شبہات کے سبب حد کو ٹال دینا احادیث میں آیا ہے۔ چنانچہ ادرؤا الحدود ما استطعتم جو کہ ابو یعلی کی سند میں مرفوعا ذکر ہے اور امام اعظم کی مسند میں ابن عباس سے مروی ہے ادرؤا الحدود بالشبہات ابن ابی شیبہ نے ابراہیم نخعی سے روایت کی ہے کہ امیر المؤمنین عمر فاروق نے فرمایا کہ اگر میں حدود کو بسبب شبہات کے معطل رکھوں تو میرے نزدیک محبوب تر ہے اس سے کہ شبہات سے اقامت حدود کروں، اور معاذ اور عبداللہ بن مسعود عقبہ بن عامر سے ابن ابی شیبہ نے روایت کی کہا ان حضرات نے کہ جب تجھ کو شبہ پڑے حد میں تو ٹال دے۔ (غایۃ الاوطار ص ۴۱۱ ج ۲) تو اتصال املاک بین الاصول والفروع سے یہ گمان ہوتا ہے کہ ولد کو والدین کی لونڈی کے جماع میں ولایت ہے۔ معترض کو اس میں کیا کلام ہے۔ کیا یہ اشتباہ نہیں اور کیا شبہات سے حدود کا ٹال دینا احادیث میں نہیں اگر ہے تو پھر فقہ حنفیہ پر کیا اعتراض،

اعتراض نمبر ۱۴:- کسی شخص نے اپنی بیوی کو تین طلاقیں دے دیں پھر اس نے عدت کے اندر زنا کیا۔ یا طلاق بائن مال لے کر دے دی، پھر عدت میں زنا کیا اور ام ولد لونڈی کو آزاد کر دیا اور عدت میں اس سے زنا کاری کی اور غلام نے اپنے آقا کی لونڈی سے زنا کیا، اگر یہ لوگ کہہ دیں کہ ہم نے اس کو حلال جانا تھا تو ان میں سے کسی پر حد نہیں ۱۲ (ہدایہ)

جواب:- ان مواضع میں بھی بسبب شبہ فعل حد ساقط ہے، مطلقہ ثلثہ کی اگرچہ حرمت قطعی ہے، لیکن بعض احکام نکاح کے بقاء سے ظن حلت

کا شبہ پڑ سکتا ہے، مثلاً وجوب نفقہ اور مسکن اور منع خروج اور ثبوت نسب وغیرہ تو اس کی حلت کے ظن کا اسقاط حد میں اعتبار کیا گیا، اور وہی حدیث ادرؤا الحدود بالشبہات اپنے اطلاق کے سبب اس کو بھی شامل ہوئی، اسی طرح ام ولد جس کو اس کے مالک نے آزاد کیا اور مطلقہ علی المال بمنزلہ مطلقہ ثلثہ کے ہے کہ ان میں بھی بعض آثار ملک کا بقا موجب ظن حلت ہے۔ اسی طرح غلام کا اپنے آقا کی لونڈی سے زنا کرنا بسبب انبساط موجب ظن حلت ہے کہ غلام اپنے آقا کے مال کو خرچ کر سکتا ہے اور لونڈی اس کا مال ہے۔ تو ہو سکتا ہے کہ غلام اس کو حلال ظن کر لے اس لئے اس کے ظن کا بھی اعتبار کیا گیا، اور اس شبہ کے سبب اس پر سے حد ساقط ہوئی، ہاں اگر ان سب مواضع میں حلت کا ظن نہ ہو، بلکہ وہ حرام جانتے ہوں پھر زنا کریں۔ تو ضرور حد واجب ہو گی چنانچہ ہدائیہ میں ہے۔

ولو قال علمتُ انها علی حرام وجب الحد

اعتراض نمبر ۱۵:۔ اگر کسی کے پاس دوسرے کی لونڈی گروی ہو اور وہ اس سے بدکاری کرے تو اس پر بھی کوئی حد نہیں، خواہ کہے میں حلال خیال کرتا تھا۔ خواہ کہے میں اس سے حرام جانتا تھا۔۱۲

جواب:۔ اگر حرام جانتا ہو تو صحیح درمختار میں ہے کہ اس پر حد واجب ہے، بحر الرائق کے ص۱۳ ج ۵ میں ہے والخلاف فیما اذا علم الحرمۃ والاصح وجوبہ یعنی اگر حرام جانتا ہو تو اصح یہی ہے کہ حد واجب ہے۔ اور اگر حلال ظن کرے تو اس پر حد نہیں اس لئے کہ مرہونہ پر مرتہن کی ملکیت تصرف ہونا مرہونہ کی جماع کی حلت کا موہم ہے۔ (کذا فی الطحاوی ۱۲)

اعتراض نمبر ۱۶:۔ اگر کوئی شخص اپنی اولاد یا اولاد کی اولاد کی لونڈی

سے بدکاری کرے اگرچہ وہ جانتا ہو کہ یہ اس پر حرام ہے۔ تاہم اس سے حد نہ ماری جاوے۔

جواب:۔ یہ مثال شبہ محل کی یعنی شبہ محل سے بھی حدود ساقط ہو جاتی ہیں اور شبہ محل وہ ہے جس میں محل کی حلت کا شبہ بحکم شرع ثابت ہو، تو شبہ محل میں اسقاط حدود کا مدار دلیل شرعی پر ہے۔ نہ زانی کے اعتقاد پر، اس واسطے کہ دلیل کے ثابت ہونے کے سبب نفس الامر میں شبہ قائم ہے، زانی اس کو جانے یا نہ جانے، ابن ماجہ نے جابرؓ سے روایت کی کہ ایک مرد نے کہا، یا رسول اللہ ﷺ میرا مال ہے اور میرا بیٹا ہے اور میرا باپ مال کو مانگتا ہے۔ حالانکہ وہ میرے مال کا محتاج نہیں تو آپ نے فرمایا انت ومالك لابيك تو تیرا مال تیرے باپ کا ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بیٹے کا مال والد کا مال ہے، تو بیٹے کی لونڈی چونکہ اس کا مال ہے اس لئے اس کی وطی کی حلت کا شبہ ثابت ہو گیا تو اس سے حد ساقط ہو گئی۔ ہدایہ شریف میں ہے۔ لان الشبهة حكمية لانها نشأت عن دليل وهو قوله عليه السلام انت ومالك لابيك کہ یہ شبہ حکمیہ ہے، اس لئے کہ دلیل سے پیدا ہوا۔ اور وہ دلیل قول علیہ السلام ہے کہ تو اور تیرا مال تیرے باپ کا ہے اس حدیث کو طبرانی اور بیہقی نے بھی روایت کیا ہے۔

اعتراض نمبر ۱۷:۔ ہدایہ میں ہے کہ اگر تھوڑے پانی میں سور کا بال گر پڑے تو امام محمدؒ کے نزدیک پانی خراب نہ ہو گا۔

جواب:۔ یہ روایت مفتی بہ نہیں ہے اسی ہدایہ میں اسی قول کے پہلے لکھا ہے۔ ولا يجوز بيع شعر الخنزير لانه نجس العين فلا يجوز بيعه اهانة ۱۲ پھر اس عبارت کے آگے لکھا ہے۔ افسده عند ابی یوسفؒ ۱۲ یعنی

عبدالحی ہدایہ کے حاشیہ پر لکھتے ہیں، والصحیح قول ابی یوسف ۱۲ بحرالرائق ج۶ ص۱۸۱ میں اس کو صحیح لکھا ہے، درمختار میں بھی اس کو صحیح لکھا ہے چنانچہ فرمایا۔

ویفسد الماء علی الصحیح ہ

وصی احمد سورتی منیہ کے حاشیہ ص۱۰۴ میں بدائع سے نقل کرتے ہیں الصحیح انہا نجسۃ لان نجاسۃ الخنزیر لیست بما فیہ من الرطوبۃ بل لعینہ اس تحقیق سے معلوم ہوگیا کہ حنفی مذہب میں صحیح یہی ہے کہ سور کا بال پلید ہے۔ اور پانی میں گرے تو پانی پلید ہو جائے گا، لیکن غیر مقلد مذہب میں سؤر نجس عین نہیں دیکھو در بہیہ اور نزل الابرار اور پانی میں گرے تو غیر مقلد کے نزدیک بہرحال پانی پاک ہے۔

اعتراض نمبر ۱۸ :۔ مختار الفتاوی میں ہے جس نے نماز پڑھی اس کی آستین میں سور کے بال درہم سے بہت زیادہ ہوں تو نماز ہو جائے گی ۱۲

جواب :۔ یہ مسئلہ بھی اسی غیر صحیح روایت پر متفرع ہے علامہ شامی ج۴ ص۱۲۵ میں اس روایت کے آگے لکھتے ہیں ینبغی ان یخرج علی القول بطہارتہ فی حقہم اما علی قول ابی یوسف فلا وھو الاوجہ علامہ شامی، ابن ہمام، ابن نجیم، اس روایت کو غیر صحیح روایت متفرع فرما کر لکھتے ہیں کہ مطابق قول ابو یوسفؒ اس شخص کی نماز ناجائز ہو گی، جو بال خنزیر کا اٹھا کر نماز پڑھے اور یہی اوجہ (مفتی بہ) ہے اور ایسا ہی مولوی وصی احمد منیہ کے حاشیہ پر محیط رضی الدین سے نقل کرتے ہیں کہ ظاہر الروایت میں سؤر کا بال اٹھانے والے کی نماز ناجائز ہو گی۔ اب ہم اہلِ حدیث سے پوچھتے ہیں کہ تمہارا مذہب کیا ہے۔ تمہارے نزدیک اس کی نماز ہو گی یا نہیں ۱۲"

اعتراض نمبر ۱۹ :۔ درمختار میں ہے۔ پیاسا شراب پی سکتا ہے۔ اور

اسی پر فتویٰ ہے ؛

جواب :۔ درمختار میں تداوی بالحرم کے مسئلہ میں اختلاف بیان کیا ہے اور لکھا ہے کہ حرام چیز کے ساتھ دوائی کرنا ظاہر مذہب میں حرام ہے؛ پھر آگے لکھا ہے۔ وقیل یرخص اذا علم فیہ شفاء ولم یعلم دواء آخر کما رخص الخمر للعطشان علیہ الفتویٰ اس سے معلوم ہوا کہ علیہ الفتویٰ تداوی بالحرم کی رخصت کے قول کے متعلق ہے مگر تم نے علیہ الفتویٰ کو ایسی صورت میں لکھا کہ شراب پینے کی رخصت پر چسپاں ہو، پھر عطشان مبالغہ ہے۔ بمثل رحمٰن جس کے معنی نہایت پیاسا ہے اور یہ حالت اضطراری ہے اور حالت اضطراری میں بالاتفاق اکل میتہ و شرب خمر جائز ہے بجز حالت اضطرار شراب کا ایک قطرہ بھی پینا حرام ہے اور مضطر بھی بقدر ضرورت پئے، اگر ضرورت سے زیادہ پئے گا تو اس پہ حد لگے گی ؛

تنبیہ :۔ امام شعرانی، ابن الہمام، علامہ شامی نے تصریح کی ہے کہ امام اعظم کے تلامذہ نے حلفاً کہا ہے کہ ہمارا جو قول ہے وہ بھی امام اعظم ہی کا قول ہے۔ جس طرح صحیح حدیث کے مقابلہ میں ضعیف پر عمل نہیں ہوتا اسی طرح فقہ میں قول مفتی بہ پر عمل ہوتا ہے۔ جس قول پر فتویٰ نہ ہو اس پر عمل نہیں ہوتا۔

اعتراض نمبر ۲۰ :۔ نیز امام صاحب کے نزدیک شراب کی بیع و شریٰ بھی ذمی کی وکالت سے صحیح ہے (درمختار)

جواب :۔ درمختار میں جہاں شراب کی بیع و شرا ذمی کی وکالت سے صحیح عند الامام لکھی ہے وہاں یہ لفظ بھی ہے۔ مع اشد کراھۃ یعنی صحیح ہے لیکن نہایت کراہت کے ساتھ۔ غائۃ الاوطار ص۸۵ ج۳ میں طحطاوی سے منقول ہے کہ جب امام کے نزدیک جواز بیع اور شراء اشد کراہت کے ساتھ ہوا تو مسلم کو واجب ہے کہ

درصورت خرید شراب کو سرکہ بنادے یا اس کو زمین پر بہادے اور سور کو چھوڑ دے
اور درصورت بیع اس کے ثمن کو تصدیق کرے پھر درمختار میں اس کے آگے
ہے وقال لا لایصح وھو الاظھر شرنبلالیہ عن البرھان. اور
صاحبین نے کہا کہ بیع مذکور صحیح نہیں اور یہی اظہر ہے، پس باوجود مفتی بہ ہونے
قول عدم صحت کے قول صحت بلاذکر اشد کراہت نقل کرنا وہابیوں کی ایمانداری
کا ایک نمونہ ہے، شرح وقایہ فارسی میں ہے۔

مسئلہ: شراب ذمی را باجرت برداشتن نزدیک امام جائز بود
و بنزدیک صاحبیہ جائز نباشد واجرت ان حرام شود (شرح وقایہ ص۱۹۳)

اعتراض ۲۱: کھجور کے شراب سے وضو کرنا جائز اور اس کا پینا بھی حلال
ہے۔ ہدایہ۔

جواب: امام اعظمؒ کی یہ روایت مفتیٰ بہ نہیں خود فقہاء علیہم الرحمۃ نے تصریح کی
ہے کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی صحیح اور مفتیٰ بہ یہ روایت نہیں کیونکہ نہ اس سے وضو
جائز ہے اور نہ اسکا پینا درست ہے خود صاحبِ ہدایہ نے ص۳۰ میں اسکا ذکر کیا ہے
چنانچہ لکھتے ہیں کہ قال ابو یوسف تیمم ولا توضأ بہ وھو روایۃ عن
ابی حنیفۃ اور یہی قول امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا آخری ہے۔
چنانچہ علامہ عینی شرح ہدائیہ جلد اول ص۲۸۶ میں فرماتے ہیں وروی عنہ
نوح بن ابی مریم واسد بن عمرو والحسن انہ تیمم ولا یتوضأ
بہ قال قاضی خان ھو الصحیح وھو قول الاخیر وقد رجع الیہ
عینی شرح ھذائہ جلد اول) اور حافظ ابن حجرؒ فتح باری پارہ اول ص۱۱۶
میں لکھتے ہیں کہ قاضی خان نے ذکر کیا ہے کہ امام صاحب نے نبیذ تمر سے
وضو ناجائز ہونے کی طرف رجوع کیا۔ ذکر قاضی خان ان ابا حنیفۃ رض
الی ھذا القول (فتح الباری)

روایت غیر مفتی بہ ذکر کر کے عوام کالانعام کو مغالطہ میں ڈالنا ہے۔

اعتراض ۲۲: درمختار میں ہے والخنزیر لیس بنجس العین
عند ابی حنیفۃ علی مافی التجرید وغیرہ۔

جواب:۔ درمختار میں اس قول کی تردید کی گئی ہے۔ چنانچہ صاحب
درمختار فرماتے ہیں لا بخنزیر لنجاسۃ عینہ یعنی خنزیر سے شکار
جائز نہیں اس لئے کہ وہ نجس عین ہے۔ پھر اس کے آگے لکھا ہے کہ اس
قاعدہ کے بموجب تو کتے سے بھی شکار جائز نہ ہو، ان لوگوں کے نزدیک جو
کتے کو نجس عین کہتے ہیں۔ مگر یہ جواب دیا جاوے گا کہ کتے کے شکار کے
جواز میں نص وارد ہے، (تو کتا مستثنیٰ ہے) پھر فرماتے ہیں وبہ یندفع
قول القھستانی ان الکلب نجس العین والخنزیر لیس بنجس العین
عند ابی حنیفۃ علی مافی التجرید وغیرہ دیکھو صاحب درمختار
قہستانی کے اس قول کی تردید کر کے سور کو نجس عین قرار دیتا ہے اور اس
کے ساتھ شکار ناجائز لکھتا ہے۔ چنانچہ بحر الرائق عالمگیری طحطاوی وغیرہ
کتب حنفیہ میں سور کو نجس العین لکھا ہے۔

ہدایہ میں ہے۔ وسؤر الکلب نجس پھر آگے لکھا ہے وسؤر الخنزیر
نجس لانہ نجس العین (ھدایہ)

اعتراض ۲۳: غایۃ الاوطار ص۱۵۰ ج ۱ میں ہے کہ امام ابو یوسف
کے نزدیک حلال جانوروں کے پیشاب سے دوسری نجاست کو دھو کر پاک
بھی کر سکتے ہیں۔

جواب:۔ یہ تمہاری بد دیانتی کا نمونہ ہے۔ درمختار میں لکھا ہے
وما قیل ان اللبن وبول مایؤکل مزیل فخلاف المختار۔

پس دیکھو اس میں لکھا ہے کہ یہ قول مختار (یعنی مفتی بہ) کے خلاف ہے۔ رہا یہ کہ غائتہ الاوطار میں لکھا ہے کہ دوسری نجاست کو دھو کر پاک کر سکتے ہیں۔ بالکل غلط ہے۔ غائیۃ الاوطار میں یہ لفظ ہرگز نہیں اگر دکھلاؤ گے تو چار پیسے انعام پاؤ گے۔

علامہ شامی جلد اول صـ۲۲۵ـ میں فرماتے ہیں۔

قولہ مزیل) لم یقل مطہر لما علمت من ان بول الماکول لا یطہر اتفاقاً وانما الخلاف فی ازالتہ للنجاستہ الکائنتہ اور اسی صفحہ میں چند سطور پہلے فرماتے ہیں:۔

قبول ما یوکل لا یطہر محل النجاستہ اتفاقا بل ولا یزیل حکم الغلیظتہ فی المختار یعنی ضعیف قول میں صرف غلیظہ کے حکم کو زائل کرتا ہے پاک نہیں کرتا۔

امام یوسفؒ چونکہ بول حلال جانوروں کا نجس مانتے ہیں۔ پھر مطہر کیسے ہو سکتا ہے۔ اللّٰھم احفظنا۔

اعتراض ۲۴ :۔ منیہ صـ۶۳ـ میں ہے ولو احرقت العذرۃ والروث نصار رمادًا او مات الحمار فی المملحتہ فصار ملحاً او وقع الروث فی البیر فصار حمأۃ زالت نجاستہ وطہرت عند محمدؒ خلافا لابی یوسفؒ حتی لو اکل الملح او صلی علی ذالک الرماد جازت

جواب :۔ منیہ کی شرح صغیری میں لکھا ہے۔ فان عندہ الحرق لا یطہر العین النجستہ بل یبقیٰ اثرھا نجسا وعلیہ الفتویٰ علی قول محمدؒ لتبدیل تلک بالکلیتہ وصیرورتہا حقیقتہ اخریٰ کالحمر اذا صار خلا

اور خود منیہ کے اسی صفحہ پر لکھا ہے ولو وقع ذالک الرماد فی الماء

الصحیح انہ یتنجس۔

اور منیہ کے حاشیہ پر لکھا ہے وھو لیس بصحیح الاعلیٰ قول ابی یوسف فی التجنیس خشیۃ ما بہا بول فاحترقت ووقع رمادھا فی بیر یفسد الماء وکذالک رماد العذرۃ وکذا الحمار اذا مات فی المملحتہ لا یوکل وھذا کلہ قول ابی یوسفؒ خلافا لمحمدؒ ۱۲

فعلم ان الحکم عند محمدؒ عدم فساد البیر لو قوع ذالک الرماد وجواز اکل الملح ۱۲ حلبی،

اعتراض نمـ۲۵ـ ایک قول میں ہے جنت میں بھی وطی فی الدبر ہوا کرے گی۔

جواب :۔ او متعصب! کچھ تو خدا کا خوف کر جس قول کو خود فقہاء نے بصیغہ تمریض بیان کیا ہے۔ پھر اس کی تردید بھی کر دی ہو اس کو الزاماً پیش کرنا کیا مناظرہ کا داب ہے۔ سنئے خود درمختار میں لکھا ہے ولا تکون اللواطتہ فی الجنتہ علی الصحیح حموی شرح اشتباہ صـ۱۵۹ـ میں لکھا ہے۔ وقد صح فی الفتح عدم وجودھا فی الجنتہ یعنی فتح القدیر میں اس کو صحیح لکھا ہے کہ اس کا وجود جنت میں نہیں ہوگا۔

پھر آگے حموی میں ہے۔ وقد ذکر فی الفتوحات المکیتہ فی صفۃ اھل الجنتہ انھم لا ادبار لھم لان الدبر انما خلق فی الدنیا لخروج الغائط النجس فلیست الجنۃ محلا للقاذورات، قلت فعلی ھذا لا وجود لہا فی الجنۃ علی کل حال والحمد للّٰہ الکبیر المتعال۔

اھل حدیثؒ کے نزدیک حرمت لواطت قطعی نہیں بلکہ ظنی ہے دیکھو ابن ماجہ مصنفہ وحید الزمان ج ۱ اور امام بخاری صحیح اور ابن حجر فتح الباری میں فاتوا حرثکم انی شئتم کا نزول اسی کی رخصت میں نقل کرتے ہیں،

اور فمن ابتغیٰ وراء ذالک فاؤلٰئک ھم العادون سے حرمت
وطی فی الدبر کی قطعیت پر دلیل نہیں نکلتی، اس آیت سے تو غایت مافی
الباب یہ ثابت ہوتا ہے کہ بجز ازواج مملوکہ کے کسی دوسری وجہ سے اپنی خواہش
پوری کرنے والا حد سے گزرنے والا ہے۔ لیکن جو شخص اپنی منکوحہ یا لونڈی سے
کرے اس کی ممانعت اس آیت سے کس طرح نکلے گی۔ ذرا بیان تو کرو تاکہ
ہمیں آپ کے طریق استدلال کا پتہ چلے۔

اعتراض نمبر ٢٦: رکوع سجود والی نماز میں کھلکھلا کر ہنس پڑا تو وضو ٹوٹ
جائے گا۔ جنازہ کی نماز میں یا سجدہ تلاوت میں کھلکھلا کر ہنسنے سے وضو
نہیں جائے گا ١٢ (ہدایہ)

جواب: علامہ عبدالحی لکھنوی نے ہدایہ شریف کے ص ١٢ کے حاشیہ پر
لکھا ہے کہ علامہ زیلعی کی تحریر سے سمجھا جاتا ہے کہ احادیث قہقہہ بعض تو مرسل
ہیں اور بعض مسندہ، اور اس کا مضمون یہ ہے۔ وقصتہ ان الصحابۃ کانوا
یصلون خلف رسول اللہ فجاء اعرابی وفی عینہ سوء فوقع فی حفرۃ
کانت ھناک فضحک بعض الصحابۃ فقال لھم رسول اللہ صلی
اللہ علیہ وسلم الا من ضحک منکم قہقہۃ فلیعد الوضوء والصلوۃ جمیعاً

اگر کہا جائے کہ یہ حدیث ضعیف ہے تو میں کہتا ہوں کہ پھر بھی قیاس پہ
مقدم ہے۔ اور کسی حدیث صحیح کے مخالف بھی نہیں،

میں کہتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایک شخص کو نماز پڑھتے
دیکھا کہ اس کا ازار ٹخنوں سے نیچے تھا تو حضور علیہ السلام نے اس کو فرمایا
اذھب فتوضأ جا وضو کر (رواہ ابوداؤد مشکوٰۃ ص ٩٥) تو جو شخص نماز میں
قہقہہ کر کے ہنس پڑے وہ کیوں وضو نہ کرے، نماز میں کھلکھلا کر ہنسنا ایک گستاخی

ہے۔ جس کے واسطے وضو کفارہ ہو سکتا ہے کہ حق سبحانہ وتعالیٰ طہارت ظاہر سے
اس کے باطن کو بھی باہر کر دے،

واللہ اعلم

رہی یہ بات کہ ہدایہ شریف رکوع سجود والی نماز میں قہقہہ مفسد نماز لکھا
ہے۔ جنازہ و سجدہ تلاوت میں فساد وضو کا حکم نہیں دیا۔ اس کی وجہ خود ہدایہ
میں ہی موجود ہے کہ حدیث نماز مطلقہ یعنی کاملہ کے بارہ میں وارد ہوئی ہے۔ اور
وہ نماز رکوع سجود والی ہے، اسی پر اس کا اقتصار رہے گا یعنی نماز جنازہ و
سجدہ تلاوت چونکہ نماز کامل نہیں اس لئے یہ حکم اس کو نہیں ہوگا۔ جنازہ کی نماز
من وجہ نماز ہے اور من وجہ دعا ہے، نہ تو پوری نماز ہے کہ اس میں نہ رکوع
ہے نہ سجود، نہ تشہد نہ قرأت نہ صرف دعا ہے کہ اس میں وضو استقبال قبلہ
ضروری ہے، دعا میں ضروری نہیں، اس لئے جنازہ و سجدہ تلاوت کو یہ حکم
شامل نہ ہوگا، سچ فرمایا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خصلتان لا
یجتمعان فی منافق حسن سمت ولا فقہ فی الدین (مشکوٰۃ ص ٢٦)

اعتراض نمبر ٢٧: چوپائے کے ساتھ بدفعلی کرنی اور شرم گاہ کے سوا
اور جگہ بدفعلی کرنی جب تک انزال نہ ہو
غسل واجب نہیں"

جواب: فرمائیے یہ مسئلہ کس آیت یا حدیث کے خلاف ہے اگر کسی
حدیث میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ چوپائے کے ساتھ یا
شرمگاہ کے علاوہ کوئی شہوت رانی کرے تو بلا انزال اس پر غسل واجب ہے
تو وہ حدیث بیان کرو ورنہ شرم کرو والغسل احوط امام بخاری فرما رہا ہے،
تو چوپائے یا تفخیذ یا تبطین سے بلا انزال غسل کس دلیل سے لازم سمجھا جاوے گا،

البتہ ہدایہ میں عدم وجوب غسل پر دلیل بھی لکھی ہے کہ اس کی سبیت ناقص ہے. مگر یہ دلیل کوئی فقیہ سمجھے، فقہ کے دشمنوں کو اس کی کیا سمجھ؟

سنگ بد اصل اگر کاسۂ زرین شکنند
قیمت سنگ نیفزاید زر کم نشود

اعتراض نمبر ۲۸: حنفیوں کے نزدیک وہ روٹی جس کی خمیر میں شراب کی میل ڈالی جاتی ہے. پاک ہے اور اس کا کھانا حلال ہے. اس لئے کہ خمر کے نجس ہونے پر کوئی دلیل نہیں (حوالہ ندارد)

جواب: یہ صریح کذب ہے. دیکھو ہدایہ شریف ج ۴ ص ۴۹۰ میں صاف لکھا ہے. ویکرہ اکل خبز عجن عجینہ بالخمر لقیام اجزاء الخمر فیہ یعنی وہ روٹی جس کا خمیر شراب کے ساتھ گوندھا ہو اس کا کھانا منع ہے. اس لئے کہ اس میں شراب کے اجزاء موجود ہیں. عبدالحی اس کے حاشیہ میں لکھتے ہیں فھذا الخبز نجس کما لو عجن بالبول ۱۲

عالمگیری ص ۱۸۳ میں ہے وا ذا عجن الدقیق بالخمر وخبز لا یوکل دیکھو کیسا صاف مسئلہ ہے اور جو مسئلہ در مختار میں ہے وہ مسئلہ ہی اور ہے اس کا اور اس کا کوئی تعلق نہیں وہ انقلاب عین کا مسئلہ ہے.

اعتراض نمبر ۲۹ اگر گیہوں شراب میں گرے تو اس کا کھانا حنفیوں کے نزدیک جائز ہے. (عالمگیری ص ۳۲)

جواب: عالمگیری میں صاف تصریح ہے کہ لا توکل قبل الغسل مگر چھونے سے پہلے دھو کر کھا لینی جائز ہے اگر بھول جائے تو امام محمدؒ کے نزدیک پاک ہی نہیں ہوتا در مختار ص ۳۹ میں اس پر فتویٰ لکھا ہے. چنانچہ لکھا ہے. جنطۃ طبخت فی خمر لا تطھر ابدا بہ یفتی عالمگیری

ص ۳۲ کی اگر پوری عبارت دیکھو تو تم کو یہ ملے گا. قال ابوحنیفۃ لا یطھر ابدا وعلیہ الفتویٰ

اعتراض نمبر ۳۰: یعنی کسی غریب مسکین شخص زکوٰۃ کے مال میں سے دوسو درہم یعنی پچاس روپے یا اس سے زیادہ دینا مکروہ ہے.

جواب: تمہاری آنکھیں نہیں آگے وان دفع جاز بھی لکھا ہوا ہے.

اعتراض نمبر ۳۱: مشت زنی کرنے والے کا روزہ نہیں ٹوٹتا، حنفی مذہب کے فقہائنے بھی کہا ہے.

جواب: معترض نے اگر کتب فقہ کی استاد سے پڑھی ہوتیں تو اس سے معلوم ہوتا کہ صاحب ہدایہ جب لفظ قالوا کہتا ہے تو اس کی کیا مراد ہوتی ہے. یہاں بھی صاحب ہدایہ نے علیٰ ما قالوا کہا ہے،

لو ہم بتاتے ہیں شائد تمہاری سمجھ میں آجاوے تو بندہ شکر گزار ہو.

شیخ عبدالحی لکھنوی مقدمہ عمدۃ الرعایہ کے ص ۱۵ میں فرماتے ہیں. لفظ قالوا یستعمل فیما فیہ اختلاف المشائخ کذا فی النھائہ فی کتاب الغصب وفی العنایۃ والبنائۃ فی باب ما یفسد الصلوٰۃ وذکر ابن الھمام فی فتح القدیر فی باب ما یفسد الصلوٰۃ وذکر ابن الھمام فی فتح القدیر فی باب ما یوجب القضاء والکفارۃ من کتاب الصوم ان الذی عادتہ ای صاحب الھدایۃ فی مثلہ افادۃ الضعف مع الخلاف انتھیٰ وکذا ذکرہ سعد الدین التفازانی ان فی لفظ قالوا اشارۃ إلیٰ ضعف ما قالوا (عمدۃ الرعایۃ)

ہدایہ کے حاشیہ پر لکھا ہے قالو علی ما قالوا عادتہ فی مثلہ

افادۃ الضعف مع الخلاف وعامۃ المشائخ علی ان الاستمناء مفطر وقال المصنف فی التجنیس انہ المختار

معلوم ہوا کہ صاحب ہدایہ نے لفظ قَالُوْا سے اس قول کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے تو جس قول کو خود مصنف ضعیف کہے اس کو محل طعن بنانا وہابیوں کا وطیرہ ہے۔

فتاویٰ عالمگیری ص۱۶۳ میں ہے الصائم اذا عالج ذکرہ حتی امنی علیہ القضاء وھو المختار وبہ قال عامۃ المشائخ ۱۲

اور اس مسئلہ سے یہ سمجھنا کہ مشت زنی حنفیہ کے نزدیک جائز ہے سراسر افتراء ہے بلکہ وہابیوں نے جائز لکھا ہے، دیکھو عرف الجادی؛

اعتراض نمبر ۳۲:۔ مردہ عورت یا چوپائے سے بدفعلی کرنے سے روزہ کا کفارہ نہیں آتا، اگرچہ دل کھول کر کیا ہو، یہاں تک کہ انزال بھی ہو گیا ہو؛

جواب:۔ بتاؤ یہ مسئلہ کس آیت یا حدیث کے خلاف ہے چونکہ حدیث شریف میں ایسے شخص کے لئے کوئی کفارہ نہیں آیا۔ اس لئے حضرات فقہا علیہم الرحمۃ نے کفارہ نہیں فرمایا، کفارہ ایسے جماع میں ہے۔ جو محل مشتہی میں ہو، مردہ عورت یا بہیمہ چونکہ محل مشتہی نہیں اس لئے کفارہ بھی نہیں اگر معترض کے پاس اس کے برخلاف کوئی دلیل ہے۔ ائمہ پر طعن بے جا سے باز رہے۔ لیکن اس سے کوئی کم فہم یہ نہ سمجھ لے کہ حنفیہ کے نزدیک مردہ عورت یا چوپایہ سے وطی کرنا جائز ہے، معاذ اللہ ہر گز نہیں بلکہ یہاں تو صرف اس قدر ذکر ہے کہ اگر کوئی شخص ایسا کرے اور وہ روزہ دار بھی ہو تو اس کا روزہ ٹوٹ جائے گا۔ مگر کفارہ نہیں، کہ حقیقتاً جماع پایا نہیں گیا لیکن اس کی سزا دہ

اعتراض نمبر ۳۳:۔ اگر نجاست خفیفہ ہو اور اس سے کپڑا نجس ہو گیا ہو۔ اگر چوتھے حصے سے کم ہو تو اس کو پہن کر نماز پڑھنا جائز ہے، امام ابوحنیفہ کا مسلک یہی ہے؛

جواب:۔ امام اعظم کے نزدیک نجاست مغلظہ وہ ہے۔ جس کی نجاست میں نص وارد ہو اور اس کے معارضہ میں کوئی نص نہ ہو، اور مخففہ وہ ہے۔ جس کے معارضہ میں کوئی نص نہ ہو، علامہ شامی ص۲۳۲ جلد۱ میں فرماتے ہیں۔

اعلم ان المغلظ من النجاسۃ عند الامام ماورد فیہ نص لم یعارض بنص اٰخر فان عورض بنص اٰخر فمخفف کبول ما یوکل لحمہٗ (شامی)

علامہ طحطاوی حاشیہ مراقی الفلاح ص۸۵ میں ان الامام قال ما توافقت علی نجاستہ الادلۃ فمغلظ سواء اختلفت فیہ العلماء وکان فیہ بلویٰ ام لا والا فھو مخفف ۱۲ (طحطاوی)

جب یہ معلوم ہو گیا کہ امام صاحب کے نزدیک نجاست خفیفہ وہ ہے جس کی نجاست اور طہارت میں دلائل کا تعارض ہو یعنی دلائل سے اس شئ کا نجس ہونا، مثلاً حلال جانوروں کا بول کہ بعض روایات میں اس کا پاک ہونا ثابت ہوتا ہے۔ چنانچہ حدیث عرینین جن کو حضور علیہ السّلام نے اونٹ کے بول پینے کی اجازت فرمائی؛

نور الانوار ص۵۶ پر اس کی بحث کی گئی ہے۔ اور حدیث حسن بصری جس میں انہوں نے فرمایا کہ حضرت عمرؓ نے تمتع سے روکنے کا ارادہ کیا تو ابی بن کعب نے فرمایا۔ لیس ذالک لک، کہ تمہیں روکنے کا حق نہیں، کیونکہ ہم رسول اللہ ﷺ

علیہ وسلم کے ساتھ تمتع کیا، اور حضرت عمرؓ نے جہرہ کے حلوں سے منع کرنے کا ارادہ کیا اس لئے کہ وہ بولؔ (ماکول اللحم) سے رنگے جاتے تھے، تو ابن ابی بن کعب نے فرمایا۔ لیس ذلک لک قد لبسھن النبی ولبسناھم فی عھدہ یعنی ان حلوں سے روکنے کا آپکو حق نہیں کیونکہ ان کو ہم نے اور آپ نے آپ کے زمانے میں پہنا ہے۔ (مسند امام احمد عن ابی بن کعب)

نیز حدیث جابر و براء رضی اللہ عنہما کہ حلال جانوروں کے بول میں مضائقہ نہیں، اور بعض روایتوں میں ناپاک وارد ہے (مشکوٰۃ ص۵۳) اس لئے مجتہد (امام اعظمؒ) کی نظر میں بسبب اختلاف و تعارض نصوص جزم و ایقان حاصل نہ ہوا تو آپ نے اُس کو نجاست خفیفہ فرمایا۔ اور اس نجاست خفیفہ کے ساتھ بھی نماز پڑھنا مکروہ فرمایا۔ اگرچہ ربع سے کم ہو۔ چنانچہ ابن ہمام فتح القدیر ص۸۱ جلد ا میں فرماتے ہیں، والصلوۃ مکروھۃ مع مالا یمنع یعنی جتنا قدر نجاست کا معاف ہے۔ اس قدر کے ساتھ ہی نماز پڑھنا مکروہ ہے بلکہ زیادہ لگ جانے سے تو امام اعظم علیہ الرحمۃ اعادہ نماز کا حکم فرماتے ہیں؛

چنانچہ کتاب الآثار للامام محمد ص۱۵ میں ہے وکان ابو حنیفہؒ یکرھہ وکان یقول اذا وقع فی وضوء افسد الوضوء وان اصاب الثوب منہ شئ کثیر ثم صلی فیہ اعاد یعنی امام اعظم اس کو مکروہ سمجھتے تھے یعنی ابوال بہائم کو، اور فرمایا کرتے تھے کہ اگر وضو کے پانی میں بہائم کے بول میں سے کچھ واقع ہو تو پانی کو فاسد کر دے گا۔ اگر اس میں سے زیادہ کپڑا کو لگے اور

لے وقال معمر رأیت الزھری یلبس من ثیاب الیمن ما صبغ بالبول بخاری ص۵۱ باب الصلوٰۃ فی الجبۃ الشامیۃ

کوئی شخص اس میں نماز پڑھے تو وہ نماز کو پھر پڑھے،

معلوم ہوا کہ نجس خفیف جبکہ زیادہ لگ جائے تو امام صاحب کے نزدیک نماز کا اعادہ لازم ہے۔ اور بہت کا اندازہ ربع کپڑے یا بدن کے اس حصہ کا ہے۔ جس کو نجاست لگی ہے، اگر آستین کو لگی ہے تو دامن کا ربع مراد ہے۔ اور اسی پر اکثر مشائخ علیہم الرحمۃ کا فتویٰ ہے۔ علامہ شامی نے تحفہ، محیط مجتبیٰ، اور سراج، سے اس کی تصحیح نقل کی ہے اور لکھا ہے کہ حقائق میں اسی پر فتویٰ ہے۔ معلوم ہوا کہ ربع کل کپڑے کا مراد نہیں، فتویٰ اسی پر ہے کہ ربع اس حصہ کا مراد ہے۔ جس حصہ میں نجاست خفیفہ لگی ہے اور چونکہ چوتھائی کو بعض احکام میں حکم کل کا ہے۔ اس لئے کپڑا یا بدن کی چوتھائی کو امام صاحب نے کل کا حکم دیا، اس تحقیق سے معلوم ہوا کہ ایسی نجاست جس پر نصوص متفق نہیں، اگر کپڑے پر کپڑے کے کہ اس حصہ کی چوتھائی سے کم لگے، تو نماز میں معلوم ہو جانے پر اگر خوف فوت جماعت یا خوف فوت وقت نہ ہو، تو نماز کو توڑ کر نجاست کو دھو کر نماز پڑھے صرح بہ المحقق الکمال اگر اسی کے ساتھ نماز پڑھ لے تو گو مکروہ ہو گی مگر ادا ہو جائے گی اور وہ بھی اس تقدیر پر کہ دوسرا جامہ طاہر میسر نہ ہو (دیکھو کشف الالتباس صدیق حسن ص۲۶۸) اب فرمائیے اس مسئلہ پر کیا اعتراض ہے اور کس آیت یا حدیث کے خلاف ہے،

ہاں وہابیوں کے نزدیک نہ صرف حلال جانوروں کا بول بلکہ حرام جانوروں کا بول بھی پاک ہے، چنانچہ وحید الزمان نزل الابرار جلد اول کے ص۴۹ میں لکھتا ہے۔ وکذالک الخمر و بول ما یوکل لحمہ وما لا یوکل لحمہ من الحیوانات۔ شوکانی در بہیہ میں لکھتا ہے۔ فیما عدا

ذلک خلاف والاصل الطھارۃ یعنی انسان کے پاخانہ اور بول اور کتے کے لعاب اور لید اور خون حیض اور خنزیر کے گوشت کے ماسوا نجس ہونے میں اختلاف ہے اصل طہارت ہے۔

محی الدین لاہوری غیر مقلد نے بلاغ المبین کے ص۳۲ میں لکھا ہے کہا بخاری نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سوائے پیشاب آدمیوں کے دھونے کا حکم نہیں دیا۔

اسی طرح صدیق حسن نے لکھا ہے۔ پس جب بول حلال جانوروں کا بلکہ حرام کا بھی معترض کے اکابر کے نزدیک پاک ہے اور پاک منی سے اگر سارا کپڑا بھیگا ہوا ہو تو نماز کا مانع نہیں، جس سے معلوم ہوا کہ وہابیہ کے نزدیک چوتھے حصہ سے اگرچہ زیادہ کپڑا حلال جانوروں کے بول سے تر ہو تو نماز جائز ہے، پھر کس منہ کے ساتھ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے مسئلہ پر اعتراض کیا جاتا ہے، بلکہ ان کے نزدیک تو نجاست غلیظہ سے بھی کپڑا تر ہو، تو نماز درست ہے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں تعلیقاً آیا ہے کہ غزوہ ذات الرقاع میں ایک شخص کو تیر لگا اور اس کا خون جاری ہو گیا۔ اور اسی حالت میں وہ نماز پڑھتا رہا خون کا جاری ہونا ظاہر ہے کہ بدن اور کپڑا ان کو تر کر دیتا ہے، تو خون جاری جو کہ نجاست غلیظہ ہے اس کے ساتھ نماز پڑھتے رہنا۔ ایک صحابی کا ثابت ہوا اور وہ بھی صحیح بخاری میں، پھر امام صاحب پر اعتراض کرتے ہوئے کچھ تو شرم آنا چاہیئے۔ مگر افسوس کہ معترضین کو اپنی آنکھ کا شہتیر بھی نظر نہیں آتا لیکن دوسروں کا تنکا پہاڑ سمجھتا ہے،

اعتراض ۳۲ :۔ اگر حرام پرندوں کی بیٹھ کپڑے پر ہتھیلی کی چوڑائی سے بھی زیادہ لگی ہوئی ہو پھر بھی نماز ہو جائے گی"۔

جواب :۔ حرام جانوروں کی بیٹ امام صاحب کے نزدیک نجاست مخففہ ہے۔ اس لئے قدر درہم سے زیادہ لگ جانے سے نماز ہو جائے گی اگر معترض کے پاس اس کے مغلظ ہونے اور اس کے لگنے سے نماز ناجائز ہونے اور اس کے لگنے سے نماز ناجائز ہونے کی کوئی دلیل ہے تو بیان کرے اگر نہ ہو تو ائمہ دین پر بیجا طعن سے توبہ لازم ہے،

سنیئے! فقہا علیہم الرحمۃ نے ایک اصول لکھا ہے جو قرآن وحدیث سے مستنبط ہے وہ یہ ہے المشقۃ تجلب التیسر۔ کہ مشقت آسانی کو کھینچتی ہے۔ یعنی تکلیف اور مشقت کے وقت شرعاً تخفیف ہو جاتی ہے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے یرید اللہ بکم الیسر ولا یرید بکم العسر اور فرمایا ماجعل علیکم فی الدین من حرج یعنی اللہ تعالیٰ نے دین میں تم پر کوئی تنگی نہیں کی، اور حدیث شریف میں ہے احب الدین الی اللہ الحنیفیۃ السمحۃ رواہ البخاری تعلیقاً کہ اللہ تعالیٰ کو بہت پیارا دین حنیفیہ ہے۔ جو سہولت پر مبنی ہے اور بخاری شریف میں مرفوعاً آیا ہے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے۔ ان الدین یسر کہ دین آسان ہے (بخاری پ۱) حافظ ابن حجر فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ وقد یستفاد من ھذہ الاشارۃ الی الاخذ بالرخصۃ الشرعیۃ کہ اس حدیث میں یہ اشارہ مستفاد ہوتا ہے کہ رخصت شرعیہ پر عمل کرنا درست ہے۔ اس اصول کے لحاظ سے شریعت کی رخصتوں پر عمل کرنے کی اجازت نکلتی ہے۔ اشباہ والنظائر کے ص۹۶ میں لکھا ہے کہ عبادات میں اسباب تخفیف سات ہیں، سفر، مرض، جبر، نسیان، جہل عسر، عموم بلویٰ، معلوم ہوا کہ عموم بلویٰ وعسر بھی اسباب تخفیف میں سے ہیں اس کی مثال میں صاحب اشباہ فرماتے ہیں کالصلوۃ مع النجاسۃ المعفو

عنہا کما دون ربع الاثواب من مخففة وقدر الدرهم من
المغلظة بس اسی عموم بلویٰ وعسر کے سبب رخصت ہے ۱۲

اعتراض نمبر ۳۵:۔ ایک شخص عربی میں اچھی طرح قرآن پڑھ سکتا ہے باوجود اس کے فارسی میں قرآن شریف کے بعد معنی پڑھتا ہے۔ قرآن نماز میں نہیں پڑھتا اللہ اکبر کے بدلے بھی اس کا ترجمہ فارسی میں پڑھ لیتا ہے، تو اس کی نماز جائز ہے ۱۲

جواب :۔ افسوس تعصب نے ان کو ایسا نابینا کر دیا ہے، کہ اس کو ہدایہ شریف کی یہ عبارت نظر نہ آئی جو اس کی آگے لکھی ہے۔ بروی رجوعه فی اصل المسئلة الی قولهما وعلیه الاعتماد ہدایہ صـ۸۶

درمختار میں بھی اسی پر فتوی ہے؛

اور نور الانوار میں ہے۔ وھو (القرآن) اسم للنظم والمعنی جمیعًا لا انه اسم للنظم فقط کما ینبئ عنه تعریفه بالانزال والکتابة والنقل ولا انه اسم للمعنی فقط کما یتوھم من تجویز ابی حنیفة رحمه الله للقرأة الفارسیة فی الصلوة مع القدرة علی النظم العربی.

اور قمر الاقمار حاشیہ نور الانوار نمبر ۱ صـ۹ پر لکھا ہے۔ فانه یوھم ان القرآن عبارة عن المعنی فقط ثم اعلم ان الامام الاعظم جوز قرأة القرآن بغیر العربیة فی الصلوة مع القدرة علی العربیه وصاحباه لم یجوزها فقیل الخلاف لم یتعمد واما المعتمد فهو زندیق یقتل او مجنون یداوی ۱۲"

اور حسامی کے شروع میں ہی لکھا ہے۔ اما الکتاب فالقرآن المنزل علی الرسول المکتوب فی المصاحف المنقول عنه نقلا متواترا بلا

شبهة وهو النظم والمعنی جمیعا فی قول عامة العلماء وهو الصحیح من مذهب ابی حنیفة الا انه لم یجعل النظم رکنا لازمًا فی حق جواز الصلوة خاصة (حسامی صـ۶) اور اس کی حاشیہ پر عمدہ تحقیق ہے۔

اعتراض نمبر ۳۶: امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ ہر رکعت میں بسم اللہ سورہ فاتحہ سے پہلے نہ پڑھے صرف پہلی رکعت میں پڑھے"

جواب :۔ ہدایہ صـ۸۷ میں ہے وعنه یأتی بها احتیاطا وهو قولهما ۱۲ معترض نے جس روایت پر اعتراض کیا ہے اس کے متعلق بحر الرائق ج۱ صـ۳۱۲ میں لکھا ہے۔ قول من قال لا یسمی الا فی الرکعة الاولی قول غیر صحیح بل قال الزاهدی انه غلط علی اصحابنا غلطا فاحشا"۱۲

اعتراض نمبر ۳۷:۔ سورۃ فاتحہ پڑھ لی، پھر دوسری سورۃ نماز میں پڑھے تو اس سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھے۔

جواب :۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بسم اللہ مابین فاتحہ وسورۃ مسنون نہیں بحر الرائق میں ہے تسن التسمیة بین الفاتحة والسورة مسنون نہیں، یا اس کا یہ مطلب نہیں کہ جائز ہی نہیں، یا اس کا پڑھنا مکروہ ہے، بلکہ بحر الرائق صـ۳۱۲ میں ذخیرہ وعقبی سے تصریح ہے، چنانچہ فرماتے ہیں اما مو عدم الکراهة متفق علیه ولهذا صرح فی الذخیرة والمجتبی بانه ان سمی بین الفاتحة والسورة کان حسنا عند ابی حنیفة ۱۲"

محقق ابن ہمام نے اسی کو ترجیح دی، علامہ شامی نے بھی ایسا ہی لکھا ہے معلوم ہوا کہ بہتر ہے مگر مسنون نہیں۔

ہاں اگر حضور علیہ السلام کا علی الدوام پڑھنا اس موقعہ پر ثابت ہے تو اعتراض ہو سکتا ہے، مگر ثبوت نہیں،

اعتراض نمبر ۳۸ :۔ درمختار مطبوعہ مصر ص۵۳ میں ہے۔ ولو اخرج حیا ولم یصب فمہ الماء لا یفسد ماء البئر۔

جواب :۔ لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت به (بخاری ومسلم) ایک صحیح وشرعی مسئلہ کو بلا دلیل اپنی عامیانہ کراہت طبعی کے خلاف پاکر ہدف طعن بنانا کسی مسلمان کی شان نہیں ہے۔

زندہ کتے کا جسم ناپاک نہیں ہے اس لئے کتا اگر کنوئیں میں گرا اور اس کا منہ پانی میں نہیں پہنچا تو کنوئیں کا پانی نجس کیوں ہو جائے گا،

کیونکہ کتے کے لعاب کی نجاست صحیح مسلم کی روایت سے ثابت ہے ۱۲

قاضی شوکانی اور نواب بھوپالوی کے نزدیک اس صورت میں بھی کنوئیں کا پانی نجس نہ ہوگا کیونکہ کتا ان کے نزدیک بھی نجس العین نہیں ہے، کتا کنوئیں میں گر کر ڈوب بھی جاوے۔ اور اس کا لعاب پانی میں مل جاوے تو بھی امام بخاری کے نزدیک اور زہری اور سفیان ثوری کے نزدیک ناپاک نہ ہوگا۔

اعتراض نمبر ۳۹ :۔ درمختار مطبوعہ دار الکتب مصر ج ۱ ص ۱۵۳ میں ہے۔ ولا الثوب بانتفاضه

جواب :۔ یہ مسئلہ بھی کتے کے نجس العین نہ ہونے پر متفرع ہے۔ اور امام مالک اور امام بخاری جیسی عظیم الشان ہستیاں حنفیہ کے ساتھ ہیں، ہاں اگر خارجی نجاست کتے کے جسم پر ہو تو اس کی وجہ سے ناپاک ہونے کا فتویٰ دیا جائے گا۔

اعتراض نمبر ۴۰ :۔ درمختار مطبوعہ مصر ج ۱ ص ۱۵۳ میں ہے ولا بعضه مالم یر ریقه

جواب :۔ کتے کے تھوک کی نجاست صحیح حدیث سے ثابت ہے۔

اس لئے احناف اس کو ناپاک جانتے ہیں۔ اور کپڑے کو لگ جائے تو اس کو بھی ناپاک کہتے ہیں، مگر کتے کے اور اجزاء کے ناپاک ہونے پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے بلکہ آنحضرت ﷺ کا مسجد نبوی میں کتے کو جانے دینا (بخاری شریف) پاکی کی دلیل موجود ہے۔ اس لئے حنفیہ کہتے ہیں اور بے شک کہتے ہیں کہ کسی کا کپڑا کتا اس طرح پکڑے کہ تھوک نہ لگے تو ناپاک نہیں ہوگا۔ ومن ادعی فعلیه البیان

اعتراض نمبر ۴۱ :۔ درمختار مطبوعہ دار الکتب مصر ج ۱ ص ۱۵۳ میں ہے ولا صلوٰۃ حاملہ کبیرا

جواب :۔ اصل یوں ہے کہ صاحب درمختار نے یہ لکھنے کے بعد کہ کتا نجس عین نہیں ہے، اس کی چند تفریعیں ذکر کیں،

چونکہ بعض کتب فقہ میں اس مسئلہ کی ایک تفریع یہ بھی مذکور ہے کہ کوئی گنوار کتے کو آستین میں لئے ہوئے نماز پڑھے تو اس کی اس لئے نماز فاسد نہیں ہو جائے گی، کہ اس کے پاس کتا ہے، کیونکہ نجس العین نہیں ہے، صاحب درمختار نے یہ اشارہ کرتے ہوئے کہ کچھ آستین اور بچے کی تخصیص نہیں ہے۔ یہ ذکر کیا، کہ کوئی بڑا کتا لے کر بھی نماز پڑھے تو یہی حکم ہے اور باعتبار کتے کے نجس عین نہ ہونے کے نماز فاسد نہ ہوگی، لیکن اس صورت میں عمل قلیل متحقق ہے اس لئے نماز مکروہ ہوگی۔ اسی درمختار میں وکل عمل قلیل بلا عذر کتعرض الفم قبل الاذی وترک کل سنة ومستحب وحمل الطفل (درمختار ص۴۵۸)

۱؎ کان یصلی وھو حامل امامة بنت زینب بنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بخاری ص۷۴ باب اذا حمل جاریة صغیرة علی عنقه فی الصلوٰۃ،

اعتراض ۴۲ :۔ در مختار دار الکتب مصر ج ۱ ص ۱۵۳ میں ہے وطہارۃ شعرہ یعنی کتے کا بال حنفی مذہب میں پاک ہے بالاتفاق"۔

جواب :۔ مہربان آپ کو زندہ کتے کے بال کی طہارت پر تعجب ہے حالانکہ احادیث میں تمام مردہ جانوروں کے بال کو جن میں کتا بھی داخل ہے پاک کہا گیا ہے۔ دیکھو بخاری ص ۳۷

حدیث اول :۔ عن ابن عباس قال انما حرم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من المیتۃ لحمہا فاما الجلد والشعر فلا باس بہ (دار قطنی)

حدیث ثانی :۔ عن ابن عباس رض قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال قل لا اجد فیما اوحی الی محرما علی طاعم یطعمہ الا کل شیٔ من المیتۃ حلال الا ما اکل منہا فاما الجلد والقرن والشعر والصوف والعظم فکلہ حلال لانہ لا یزکی (دار قطنی)

حافظ ابن قیم زاد المعاد میں لکھتے ہیں

قال جمہور اہل العلم ان شعر المیتۃ واصوافہا واوبارہا طاہرۃ اذا کانت من حیوان طاہر ہذا مذہب مالک وابی حنیفۃ واحمد بن حنبل رحمہم اللہ واللیث والاوزاعی والثوری وداؤد ابن المنذر والمزنی ومن التابعین الحسن وابن سیرین واصحاب عبد اللہ بن مسعود رض

ما قبل میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ جمہور اہل اسلام کے نزدیک کتا طاہر ہے۔ یعنی نجس العین نہیں ہے، اور حافظ ابن قیم کے بیان سے

معلوم ہوا ایسے تمام جانوروں کے بال جو طاہر ہوں نجس العین نہ ہوں، مر جانے پر بھی پاک رہتا ہے، جس کا کھلا ہوا نتیجہ یہ ہے کہ کتے کے بال مرنے جمہور اہل علم کے نزدیک پاک رہتے ہیں، پھر حالت حیات میں بدرجہ اولیٰ طاہر ہوں گے یہی وجہ ہے کہ علامہ محمد بن عبد الرحمن دمشقی عثمانی شافعیؒ فی اختلاف الائمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

قال مالک ہو ای شعر المیتۃ طاہر مطلقا لانہ لا یحلہ الموت سواء کان یوکل لحمہ کالغنم والخیل اولا کالحمار والکلب فعندہ شعر الکلب طاہر فی حال الحیوۃ والموت والصحیح من مذہب احمد طہارۃ الشعر۔

اعتراض ۴۳ :۔ در مختار مطبوعہ دار الکتب مصر جلد ۲ ص ۱۰۸ میں ہے او جامع دون الفرج ولم ینزل یعنی اگر روزہ دار روزے کی حالت میں شرمگاہ کے سوا اور کہیں مجامعت کرلے اور انزال نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا"۔

جواب :۔ اس کا ثبوت احادیث میں ہے ملاحظہ ہو:

اثر اول :۔ عن حکیم بن عقال قال سالت عائشۃ ما یحرم علی من امراتی وانا صائم قالت فرجہا (رواہ البخاری تعلیقا ووصلہ الطحاوی وسندہ ثقات)

اثر ثانی :۔ عن مسروق سالت عائشۃ رض ما یحل للرجال من امراتہ صائما قالت کل شیٔ الا الجماع (رواہ عبد الرزاق فی سندہ وسندہ صحیح قال ابن حجر ورواہ ابن حزم فی المحلی)

حدیث ثالث :۔ عن ابی ہریرۃ رض ان رجلا سال النبی صلی اللہ

علیہ وسلم عن المباشرۃ للصائم فرخص لہٗ واتاہ اٰخر فسألہ فنھاہ فاذا الذی رخص لہ شیخ واذا الذی نھاہ شاب رواہ ابوداؤد مشکوٰۃ صـــــ ۱۷۶ باب تنزیہ الصوم و فی البخاری والمسلم عن عائشۃ رضـ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یُقَبِّلُ ویباشر وھو صائم وکان املککم لاربہ (مشکوٰۃ صـــــ ۱۷۶) بخاری مجتبائی صـــــ ۲۵۸ میں ہے. باب القبلۃ للصائم وقال جابر بن زید ان نظر فامنیٰ یتم صومہٗ ۱۲ وفی الدار المختار ولوالی فرجھا مرارا یعنی لم یفسد صومہ بالنظر وان انزل ونظر الی الفرج مرارًا ۱۲

درمختار میں ہے ولو خاف الزنا یرجی لا وبال علیہ یعنی اگر زنا کا خوف ہو اور مشت زنی کرے یعنی ہاتھ سے پانی نکال ڈالے تو امید ہے کہ اس پر کچھ وبال نہ ہوگا.

جواب: حنفیہ کے نزدیک بلا عذر مشت زنی کرنا اور جلق لگانا حرام ہے. اور ناجائز ہے. چنانچہ درمختار کی اس عبارت کی شرح میں ہے. ولو فعلہٗ للاستجلاب الشھوۃ فھو اٰثم چنانچہ علامہ زیلعی حنفی اس کی حرمت پر وَالَّذِیْنَ ھُمْ لِفُرُوْجِھِمْ حٰفِظُوْنَ سے استدلال فرماتے ہوئے لکھتے ہیں. فلم یبح الاستمتاع الا بھما ای بالزوجۃ والامۃ. اگر زنا سے بچنے کے لئے ایسا کرے تو امید ہے کہ اس کو مؤاخذہ نہ ہوگا. انما الاعمال بالنیات.

اعتراض نمبر ۴۹: درمختار میں ہے وکذا الاستمتاع بالکف او ادخل ذکرہ فی بھیمۃ او میتۃ یعنی ایسی حالت میں مشت زنی کرنا اور چوپائے یا مردے کے ساتھ بدفعلی کرنے سے روزہ نہیں بگڑتا. ۱۲

جواب: شارع علیہ السلام کے فرمان کے بغیر کسی فعل کو کسی عبادت کے لئے مفسد کہہ دینا. شریعت الٰہیہ کی ترمیم و تنسیخ ہے. جس کی جرأت کوئی حنفی مقلد تا قیام قیامت نہیں کر سکتا.

شرعاً بیوی سے قربت، کھانا، پینا. عمداً قے کرنا یا جوان کے حکم میں ہے، پس ان ہی چیزوں کو روزہ کے لئے مفسد صوم ہونا ثابت ہے لیکن جلق یا انزال، چوپائے یا مردے کے ساتھ بدفعلی کو جس میں انزال نہ ہو. شارع نے مفسد صوم نہیں فرمایا ہے اور نہ یہ جماع زوجہ کے حکم میں ہیں اس لئے اگر حنفیہ نے ان کو مفسد قرار نہیں دیا تو آپ ان غریبوں کو کیوں کوستے ہیں. جس چیز کو اللہ اور اس کے رسول برحق نے مفسد نہیں کہا، اس کو مفسد نہ کہنا. اگر غیر مقلدین کے نزدیک کوئی جرم ہے. تو کسی مسلمان کو اس جرم کے ارتکاب سے چارہ نہیں"

در کوئے نیک نامی ما را گذر ندادند
گر تو نمی پسندی تغیر کن قضارا

تنبیہہ: جلق یا چوپائے کے ساتھ بدفعلی مردہ سے زنا کرنا ہم حنفیوں کے نزدیک حرام اور سخت گناہ ہے. اسی درمختار میں ہے. الاستمناء حرام وفیہ التعزیر اسی طرح جانور کے ساتھ بدفعلی کو بھی حرام اور قابل تعزیر لکھا ہے، لیکن ایک شئی کی حرمت اور شئی ہے اور اس سے روزے کا بگڑنا شئی دیگر، ترک صلوٰۃ کی حرمت اور اکبر کبائر ہونے کا کون منکر ہے مگر کیا اس سے روزہ فاسد ہو جاتا ہے، یونہی سمجھو کہ جلق حرام مردہ جانور کے ساتھ بدفعلی حرام ہے، مگر بغیر انزال اس سے روزہ نہیں ٹوٹتا.

الغرض حرمت اور مفسد صوم ہونا دو الگ الگ وصف ہیں. ایک دوسرے پر قیاس کرنا بدترین جہالت ہے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ

فتح الباری میں لکھتے ہیں۔ و اما من حرکت شہوتہ فھی حرام فی حقہ علی الاصح و لاخلاف انہا لا تبطل الصوم الا بالانزال املخصاً ۱۲ اور کسی چیز کے مفسد صوم نہ ہونے سے اس کا جواز یا اس کی تعلیم سمجھ لینا ایک مبتدی طالب کے لئے بھی موجب صد ہزار ننگ وعار تھے مگر اذا لم تستحی فاعمل ما شئت، شرعاً چوری ڈاکہ زنی وغیرہ کو مفسد صوم نہیں کہا گیا۔ جاہل مناظر کے نظر میں شرعاً اس سے ان کی تعلیم ثابت ہو گی۔ دیکھو بخاری مجتبائی ص ۲۵۹ میں ہے اذا جامع ناسیا فلا شئی علیہ۔

اعتراض نمبر ۴۵:- درمختار میں ہے قبل السکران بنتہ تحرم الام یعنی نشہ کی حالت میں کسی نے اپنی بیٹی کا بوسہ لیا تو اس پر اس کی بیوی حرام ہو گئی۔

جواب:- جوان بیٹی کا بوسہ اور پھر شہوت کے ساتھ بیشک ایسے شخص پر اس کی بیوی حرام ہو گئی اگر تمہیں یہ فتوی پسند نہیں تو بڑی خوشی سے شہوت کے ساتھ جھوم جھوم کر جوان بیٹیوں کا بوسہ لے لیا کرو۔ تمہیں کون منع کرتا ہے مگر حنفی عمر بھر یہ فتوی نہیں دیں گے چاہے تم کتنا ہی ان کو کوسو۔

اعتراض نمبر ۴۶:- درمختار مطبوعہ دار الکتب مصر ص ۳۰۷ ج ۲ میں ہے فقال جامعتہا تثبت الحرمۃ یعنی اگر کسی نے ہنسی مذاق میں جھوٹ کہہ دیا کہ میں نے اپنی ساس سے مجامعت کی تو اس کی بیوی اس پر حرام ہو گئی۔

جواب:- درمختار کی پوری عبارت اس طرح ہے۔ قیل اما فعلت بام امرأتک فقال جامعتہا تثبت الحرمۃ ولا یصدق انہ کذب ہازلاً۔

اعتراض نمبر ۴۷: درمختار مطبوعہ مصر ص ۱۵ میں ہے ولو دبغ طہر

یعنی اگر انسان کی کھال کو بھی دباغت دی جائے تو پاک ہو جاتی ہے۔

جواب:- عبارت میں خیانت کی گئی ہے۔ پوری عبارت اس طرح ہے ولو دبغ طہر وان حرم استعمالہ افسوس حنفیوں کو بدنام کرنے کی خاطر یہ لوگ کس قدر عیاری خیانت سے کام لیتے ہیں، سیعلم الذین ای منقلب ینقلبون ط یاد رکھو لا ایمان لمن لا امانۃ لہ۔

مزید براں بعض حضرات کے نزدیک انسان کی کھال بغیر دباغت ہی پاک ہے۔ مثلاً امام شافعی، امام بخاری، علامہ ابن حجر عسقلانی، ابن عباس، سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہم ملاحظہ ہو بخاری ص ۱۶۷ باب غسل المیت ووضوئہ بالماء والدر الخ و فتح الباری کتاب الجنائز ص ۸۲ ج ۳ و نووی شرح مسلم ج ۱ ص ۱۶۲ ۱۲۔

اعتراض نمبر ۴۸:- درمختار مطبوعہ دار الکتب مصر ص ۱۵۰ ج ۱ میں ہے وافاد کلامہ طہارۃ جلد کلب وفیل۔ یعنی کتے اور ہاتھی کی کھال بھی بعد از دباغت پاک ہے۔

جواب:- یہ فتوی حسب ذیل احادیث کے موافق ہے۔

حدیث اول:- عن ابن عباس رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما اہاب دبغ فقد طہر (نسائی ابن ماجہ، ترمذی وقال حسن صحیح و رواہ مالک فی الموطا، وابن حبان، فی صحیحہ واحمد والشافعی واسحق بن راہویہ والبزار فی مسانیدہم۔

حدیث ثانی:- عن ابن عمر رض قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایما اہاب دبغ فقد طہر (رواہ الدارقطنی وقال اسنادہ حسن وقال الحافظ علی شرط الصحۃ)

حدیث ثالثؓ:۔ عن عائشۃؓ قالت قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دباغ جلود المیتۃ طہورھا (رواہ ابن حبان فی صحیحہ)

حدیث رابعؓ:۔ عن عائشۃؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم امران یستمتع بجلود المیتۃ اذا دبغت (ابوداؤد) نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان،

حدیث خامسؓ:۔ عن ابن عباسؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اذا دبغ الاھاب فقد طہر (مسلم)

حدیث سادسؓ:۔ عن عائشۃؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال طہور کل ادیم دباغہ (دارقطنی وقال اسنادہ حسن کلھم ثقات لم یتعرض لہ الحافظ ابو الطیب العظیم آبادی،

حدیث سابعؓ:۔ عن زید بن ثابت عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم دباغ جلود المیتہ طہورھا" (دارقطنی بیہقی،

حدیث ثامنؓ: عن سلمۃ بن المحبق عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم دباغ الادیم ذکاتہ (احمد، ابوداؤد، نسائی، بیہقی واسنادہ صحیح قال ذالک الحافظ فی التخلیص)

حدیث تاسعؓ:۔ روی الدولابی فی الکنی عن اسحٰق بن عبداللہ قال قلت لابن عباس الفرو تصنع من جلود المیتۃ فقال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول ذکاۃ کل مسک دباغہ"۱۲

یہ نوؔ حدیثیں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے شمار کے موافق بالفعل عرض کردی ہیں ورنہ جلود میتہ کے متعلق کتب احادیث میں ابن مسعود، انس، جابر، ام سلمہ، سودہ، زید بن ثابت، ابی امامہ، ابن عمر

مغیرہ، عائشہ صدیقہ، ابن عباس، میمونہ، رضی اللہ عنہم سے بہت حدیثیں مروی ہیں، ان تمام احادیث میں بلا استثناء ہر مردار کے چمڑے کو دباغت کے بعد پاکی کا حکم دیا گیا ہے۔ کیونکہ ایما باب، جلود میتہ، الاہاب، کل، الادیم، کل مسک، عام الفاظ ہیں، آدمی کی کھال کتے کے چمڑے کو اسی طرح شامل ہے جس طرح بکری، بھیڑ، گائے، بھینس کے چمڑے کو ومن ادعی تعلیہ البیان قاضی شوکانی نے نیل الاوطار شرح منتقی الاخبار میں فرمایا ہے۔ طہور کل ادیم وکذا ایما اھاب وبغ یشملان جلود ما لا یوکل کالکلب والخنزیر وغیرھا شمولا ظاھرا (نیل ص۶۲ ج۱)

علامہ ابن حجر عسقلانی شارح صحیح بخاری لکھتے ہیں،

واجاب من عمم بالتمسک بعموم اللفظ فھو اولیٰ من خصوص السبب، فتح الباری ج۹ ص۵۱ اور تخصیص کا جواب احادیث کے عام لفاظ سے استدلال ہے اور یہ خصوص سبب سے اولیٰ اور بہتر ہے"۱۲

اس وجہ سے بعض علماء بلا استثنا، تمام جانوروں کی کھالوں کو دباغت کے بعد پاک کہتے ہیں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی استثناء نہیں فرمایا،

تعلیق المغنی علی الدارقطنی میں فتح الباری سے نقل کرتے ہوئے حافظ شمس الحق پٹنوی لکھتے ہیں وکذا تستثن ابو یوسف وداؤد شیئا اخذا بعموم الخبر وھی روایۃ عن مالک قاضی شوکانی نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے ملاحظہ ہو المذھب السادس یطھر الجمیع والکلب والخنزیر ظاھرا وباطنا وھو الراجح نیل الاوطار ج۱ ص۶۲

حنفیہ نے ان احادیث صریحہ صحیحہ کو پیش نظر رکھ کر بیشک یہ کہا کہ تمام

ان جانوروں کی کھال جن کے چمڑے کو دباغت دی جا سکے دباغت کے بعد باستثنا سور پاک ہو جاتی ہے اور ہر تبرائی غیر مقلد یاد رکھے کہ جب تک صفحہ ہستی پر کوئی ایک بھی حنفی زندہ رہے گا۔ ضرور یہ آواز بلند کرے گا کہ آقائے نامدار نے تمام جانوروں کی کھال کو دباغت کے بعد پاک فرمایا۔ ہاں یاد رہے کہ حنفیہ عموم احادیث سے سور کی تخصیص اس وجہ سے کی ہے کہ اس کا نجس العین ہونا قرآن عظیم سے ثابت ہے باقی کتے یا ہاتھی کا نجس العین ہونا کسی دلیل شرعی سے ثابت نہیں ہے اور آدمی تو آنحضرت ؐ نے فرمایا ہے کہ ان المومن لاینجس۔ بخاری کتاب الجنائز، تا نجاست عین چہ رسد۔

تنبیہ:۔ حنفیہ کی ہی طرح صحابہ اور تابعین، اور اکثر علمائے اسلام بھی تمام جانوروں کی کھال کو پاک کہتے ہیں۔ جن میں کتا اور ہاتھی بھی ہے۔

علامہ ابوبکر حازمی لکھتے ہیں۔ فذہب اکثر اہل علم الی جواز الانتفاع بجلود المیتۃ بعد الدباغ وممن قال ذالک ابن مسعود، سعید بن مسیب، عطاء بن ابی رباح، والحسن بن ابی الحسن والشعبی، وسالم بن عبداللہ، وابراہیم النخعی، وقتادہ، والضحاک، وسعید بن جبیر، ویحیی بن سعید الانصاری، ومالک بن انس، واللیث، والاوزاعی، والثوری، وابوحنیفۃ واصحابہ، وابن المبارک، والشافعی، واصحابہ واسحق الحنظلی، (کتاب الاعتبار ص۵۶)

قلت وکذا ابوسعیدہ الخدری، وزید بن خالد، وسعد بن الموقاص ومعاذ بن جبل، رافع بن خدیج، وعمر بن عبدالعزیز (قالہ الشوکانی)

اور یہی مذہب ہے ابن قیم حنبلی کا ملاحظہ ہو زاد المعاد ج۲ ص۴۳ اور یہی فتوی ہے۔ سید الکونین رسول الثقلین، سید الانبیاء راس الاتقیاء

صلی اللہ علیہ وسلم دیکھو اعلام الموقعین ص۲۸

فلعنۃ ربنا اعداد رمل۔ علی من رد قول ابی حنیفہ؟

اعتراض نمبر ۴۸: کا تتمہ یاد رکھنے کے قابل ہے ایک مزے کی بات:

امام زہری اور امام بخاری بلا تخصیص ہر مردہ جانور کے چمڑے کو قبل از دباغت ہی جائز الاستعمال اور پاک بتلاتے ہیں۔ دیکھو امام بخاری نے اپنی صحیح ص۲۹۶ پر باب جلود المیتۃ قبل ان تدبغ باندھا ہے۔ جس کے نیچے یہ حدیث لائے ہیں ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مر بشاۃ میتۃ فقال ھلا استمتعتم باھابھا قالوا انھا میتۃ قال انما حرم اکلھا۔

علامہ ابن حجر فتح الباری ص۲۸ ج۴ میں لکھتے ہیں؛

قولہ باب جلود المیتۃ قبل ان تدبغ ای ھل یصح بیعھا ام لا فیہ حدیث ابن عباسؓ فی شاۃ میمونۃ وکانہ اخذ جواز البیع من جواز الاستمتاع لان کل ما ینتفع بہ یجوز بیعہ والانتفاع بجلود المیتۃ مطلقا قبل ان یدبغ وبعدہ مشہور من مذہب الزہری وکانہ اختار البخاری،

علامہ بدرالدین عینی شرح بخاری شریف میں لکھتے ہیں۔ وظاھرہ جواز الانتفاع سواء دبغ اولم یدبغ وھو مذھب الزھری وکان البخاری اختار ھذا المذھب، دیکھو حاشیہ بخاری ص۵ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کتب الی جھینۃ قبل موتہ بشھر ان لا تنتفعوا من المیتۃ باھاب ولا عصب قال ابوداؤد وقال النضر بن شمیل یسمی اھاب ما لم یدبغ فاذا دبغ لا یقال لہ اھاب انما یسمی شنا وقربۃ (ابوداؤد ج۲ ص۲۱۴)

مگر قاضی شوکانی کی درر بہیہ میں تو سور کا چمڑا بھی پاک ہے اور یہ تمہارا مسلمہ امام ہے،

اعتراض نمبر ۴۹ درمختار میں ہے ویحل لہ وطی امرأۃ ادعت علیہ وکذا تحل لہ لو ادعی ھو نکاحھا ولو قضی بطلاقھا بشہادۃ الزور لہ حل للشاھد زورا تزوجھا یعنی ایک عورت نے عدالت میں جھوٹا دعویٰ کیا کہ میرا نکاح فلاں سے ہوگیا، وہ انکار کرتا ہے۔ عورت نے دو جھوٹے گواہ گزار دیئے قاضی نے نکاح کر دیا۔ تو اس شخص کو اس عورت سے ملنا جلنا وطی کرنا حلال ہے۔ اگرچہ حقیقتاً نکاح نہ ہوا ہو، اسی طرح مرد نے دعویٰ کیا تو بھی یہی حکم ہے اور اگر عورت نے طلاق کا جھوٹا دعویٰ کیا۔ گواہ گزار دے، اور قاضی نے فیصلہ طلاق کا دیا تو عورت دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے اور اس جھوٹے گواہ کو جس نے طلاق کی جھوٹی گواہی دی تھی۔ اس عورت سے نکاح کر لینا جائز ہے۔ ۱۲ ملخصاً

جواب: یہ مسئلہ نفاذ قضاً باطناً کی جزئیات سے ہے میں چاہتا ہوں کہ اس کو ذرا تفصیل سے عرض کروں، باتفاق قطع خصومات اور دفع نزاع کے لئے مقرر ہوتا ہے، اور یہ کہ وہ عالم الغیب نہیں ہوتا، لہذا وہ حقیقت نفس الامر یہ معلوم کر کے فیصلہ کرنے کا مکلف نہیں ہے، ورنہ تکلیف بالا یطاق لازم آئے گی، بلکہ وہ جو کچھ فیصلہ کرتا ہے، گواہوں کی ظاہری صداقت کی بنا پر کرتا ہے اور یہ کہ اس کا ہر فیصلہ ظاہری پر نافذ اور مدعی مدعا کے لئے واجب العمل ہوتا ہے۔ اور اس کے ہر فیصلہ پر دنیا میں عمل درآمد ہونا، اس میں کسی ایک مسلمان عالم کا بھی اختلاف حتیٰ کہ امام غیر مقلدین قاضی شوکانی اور نواب صدیق حسن خان بھوپالی بلکہ غیر مقلدین بھی اسی کے قائل

ہیں، اور حنفیہ کے نزدیک باطن میں بھی بعض معاملات میں نافذ ہو جاتا ہے اس لئے گزارش ہے کہ قاضی جن معاملات کا فیصلہ کرتا ہے انکی دو قسمیں ہیں،

(۱) وہ معاملات جن میں قاضی کو انشاء کی ولایت نہیں ہے،

(۲) وہ معاملات جن کی انشاء کا قاضی کو فی الجملہ حق ہے،

پہلی صورت وہ اشیاء مراد ہیں جس کا کوئی سبب معین مدعی نہ بیان کرے یا وہ سبب قابل انشاء نہ ہو، اس صورت میں بالاجماع قضا باطناً نافذ نہیں ہوتی اور قضا قاضی حرام کو حلال اور حلال کو حرام نہیں کر سکتی یہی امامؒ کا مذہب ہے اور یہی سب حنفیہ کہتے ہیں، مثلاً ایک شخص جھوٹے گواہ قائم کر کے دعوے کرے کہ فلاں چیز میری ہے اور اس کے ملک کا کوئی خاص سبب ذکر نہ کرے، اور قاضی کو گواہوں کے جھوٹ کا علم نہ ہو اور فیصلہ کر کے وہ چیز اس کو دلا دے تو اس صورت میں یہ حکم باطناً نافذ نہ ہوگا اور مدعی دیانتاً اس کو استعمال نہیں کر سکتا، یعنی اگر استعمال کرے تو باوجود فیصلہ قاضی اس استعمال پر آخرت میں مؤاخذہ ہوگا۔ کتب حدیث میں ہے۔ عن ام سلمۃؓ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال انما انا بشر و لعلکم تختصمون الی ولعل بعضکم ان یکون الحن بحجتہ من بعض فاقضی بنحو ما اسمع فمن قضیت لہ من حق اخیہ شیئا فلا یاخذہ فانما اقطع لہ قطعۃ من النار رواہ الجماعۃ (بخاری مجتبائی کتاب الاحکام ص۱۰۶۲) اور بخاری مجتبائی کتاب الاحکام میں ہے۔ باب من قضی لہ بحق اخیہ فلا یاخذہ فان قضاء الحاکم لا یحل حراما ولا یحرم حلالا اس باب میں حدیث ام سلمہؓ ہے ان الفاظ سے ہے۔

عن ابن شہاب قال اخبرنی عروۃ بن الزبیر ان زینب

بنت ابی سلمۃ اخبرتہ ان ام سلمۃ زوج النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخبرتھا عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انہ سمع خصومۃً بباب حجرتہ فخرج الیھم فقال انما انا بشر وانہ یأتینی الخصم ولعل بعضکم ان یکون أبلغ من بعض فأحسب انہ صادق فاقضی لہٗ بذالک فمن قضیت لہ بحق مسلم فانما ھی قطعۃ من النار فلیاخذھا اولیترکھا ۱۲

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ املاک مرسلہ میں حکم قاضی باطناً نافذ نہ ہوگا جبکہ مدعی اپنے دعویٰ میں جھوٹا ہو اور یہ کہ قاضی ایک آدمی کا مال بغیر حق شرعی و ذکر سبب معین دوسرے کو دلادے، تو وہ اس کے لئے حلال نہیں ہو جاتا اور یہ کہ قاضی ظاہری حجت اور اپنے علم کے اعتبار سے صداقت بینہ پر اعتماد کر کے فیصلہ کردے گا۔ اور اس کو یہی حکم ہے"

دوسری صورت جس سے عقود (یعنی بیع نکاح فسوخ یعنی اقالہ طلاق اس میں امام ابو حنیفہؒ کا یہ مسلک ہے کہ قضا قاضی ظاہراً و باطناً بھی نافذ ہو جائے گی کیونکہ وہ خود فیصلہ کرنے کا مامور ہے۔ انشائیت (عقود، فسوخ،) میں جب تک اس کا حکم انشاء پر محمول نہ ہو، ثابت نہیں ہو سکتا ہے، اس لئے کہ واقع میں گواہ کبھی صادق ہوتے ہیں اور کبھی کاذب، دوسری صورت میں بھی قاضی کا فیصلہ ظاہراً سب کے نزدیک نافذ ہو جاتا ہے اور اگر قاضی کی عدالت میں کوئی مرد یا عورت خلاف واقعہ نکاح کا دعویٰ کر کے دو گواہ جو حقیقت میں جھوٹے ہوں گزار دے تو وہ عورت قضاءً اس مرد کے حوالہ ہو گی اور اس کا نان و نفقہ مرد کے ذمہ واجب ہوگا، اور امام صاحب یہ فرماتے ہیں کہ اس صورت میں قضا باطن میں بھی نافذ ہو گی، اور عند اللہ وطی پر اس کو

مواخذہ نہ ہوگا، کیونکہ قاضی گواہوں کی عدالت معلوم کر لینے کے بعد قضاء بالحق اور دفع نزاع پر مامور ہے اور انشائیات میں یعنی عقود و فسوخ میں جب تک اس کا حکم انشاء پر محمول نہ کیا جاوے ثابت نہیں ہو سکتا، اور نہ نزاع ہی منقطع ہوگی، کیونکہ گواہ جن کی عدالت قاضی کے نزدیک ثابت ہوئی ہے۔ واقع میں جھوٹے اور سچے دونوں مل سکتے ہیں اور قاضی عالم الغیب نہیں ہے، کہ اس کو ان کی صداقت واقعیہ کا علم ہو سکے لہذا اپنے علم کے بموجب گواہوں کی سچائی کا تعین ہے، تو اس کو بموجب حدیث البینۃ علی المدعی شہادت سننے کے بعد مدعی کے دعویٰ کے مطابق فیصلہ کرنا ضروری ہے اور اس کا فیصلہ کا یہ مطلب ہوگا کہ قاضی نے گواہوں کے سامنے اپنے دربار میں اس عورت کا اس مرد سے نکاح کر دیا کہ اس کو من وجہ ولایت انشاء حاصل ہے، لہذا نکاح کے بعد وہ عورت مرد کے لئے حلال ہوگی، خواہ مدعی نکاح مرد ہو خواہ عورت، اور اگر اس صورت میں حکم قاضی کو انشاء عقد باطناً نافذ نہ مانا جائے تو عند اللہ حرمت باقی رہتی ہے۔ جس سے آپس میں جنگ و جدال ہو، ظاہر ہے کہ ایک دوسرے سے حقوق زوجیت کا طلب گار ہوگا، دوسرا انکار کرے گا تو پھر لازم آئے گا کہ حکم قاضی قطع نزاع کے لئے نہیں ہوا بلکہ باعث نزاع ہوا وھو باطل اجماعاً لہذا امام صاحب فرماتے ہیں کہ فیصلہ سے اقتضاءً انشاء عقد ثابت ہو جاتا ہے گویا قاضی یوں کہتا ہے۔

زوجتکھا وقضیت بذلک جاؤ میں نے اس سے تمہارا نکاح پڑھا دیا یہی میرا فیصلہ ہے۔ یہی حال طلاق کا ہے۔ فتدبر

اور یہ مسئلہ کچھ نیا اور صرف امام صاحب کا بیان کیا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں بعینہٖ یہی صورت پیش آئی تھی، اور آپ نے اپنے

فیصلہ کو ظاہراً و باطناً نافذ فرمایا ملاحظہ ہو۔ روی عن علی ان رجلا اقام بینۃ علے امرأۃ انہا زوجتہ بین یدی علیؓ فقضیٰ علی بذالک فقالت المرأۃ ان لم یکن لی بد منہ یا امیر المومنین فزوجنی منہ فقال شاھداک زوجاک (فتح القدیر حاشیہ بخاری ص۸۶۴ حاشیہ ۸)

تنبیہہ :۔ ناظرین کرام ملاحظہ فرمائیں کہ علی کرم اللہ وجہہ نے صاف طریق پر حکم بالنکاح کو انشاء عقد نکاح فرمایا اور فیصلہ کے بعد عورت کی درخواست پر بھی تجدید نکاح کی ضرورت نہ سمجھی۔ وکفیٰ بہ قدوۃ

اور پھر یہ اثر حکماً مرفوع ہے۔ اس لئے کہ حضرت علی کا یہ فعل خلاف عقل و قیاس ہے۔ کیونکہ تحلیل و تحریم اشیاء کا اختیار شارع کے سوا کسی کو بھی نہیں ہے۔ اور اصحاب کے غیر معقول افعال محدثین کے نزدیک مرفوع حکمی ہیں، نخبۃ الفکر ابن حجر اور کوئی دوسری صریح حدیث اس کے معارض بھی نہیں ہے امام صاحب نے باب مدینۃ العلم حضرت علیؓ کے فعل کی اقتداء کی تو امام صاحب کا کونسا جرم ہے کہ ان پر آنکھیں نکال رہے ہو، جو کچھ کہنا ہو حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی شان میں کہو۔

تنبیہہ :۔ اس فیصلہ کے لئے امام صاحب کے نزدیک دو شرطیں ہیں۔ اوّل یہ کہ قاضی کو گواہوں کی صداقت کا یقین ہو، اور جھوٹے ہونے کا مطلق علم نہ ہو۔ دوسرے یہ کہ محل انشاء عقد کے قابل ہو یعنی شرعاً اس سے اس مرد کا تعلق صحیح ہو سکتا ہے بحر میں ہے۔ وللنفاذ باطنا عندہٗ شرطان الاول عدم علم القاضی بکذبہم فلو علم القاضی کذب الشہود لم ینفذ ذکرہٗ فی فتح القدیر من النکاح والثانی کون المحل قابلاً نافذا کانت المرءۃ تحت زوج او کانت معتدۃ او موتدۃ او محرمۃ بمصاہرۃ

او برضاع لم ینفذ لانہ لا یقبل الانشاء بالجملہ ان شرطوں کے پائے جانے کی صورت میں امام صاحب قاضی کے فیصلہ کو قطع نزاع کے لئے حضرت علیؓ سے استدلال فرماتے ہوئے نئے سرے سے نکاح پڑھا دینے کی بجائے سمجھتے ہیں ولا عائبہ فیہ

ایقاظ :۔ گواہ جھوٹی گواہی دینے کے باعث سخت گنہگار ہوں گے، وفی الولوالجیۃ ثم الشاھدان اثما مبینا ص۱۵ ج۷، ثم علی المبتدی بالدعوے الباطلۃ واثباتہا بالطریق الباطل اثم غیر ان الوطی بعد ذالک فی حل (فتح القدیر)

اعتراض نمبر ۵۰ :۔ در مختار میں ہے یباح اسقاط الولد قبل اربعۃ اشھر یعنی چار مہینے سے پہلے حمل گرا دینا جائز ہے (ملخصاً)

جواب :۔ اسقاط حمل کی اباحت کے لئے صاحب مذہب کی کوئی روایت نہیں ہے۔ بعض متاخرین مشائخ اباحت عزل پر قیاس کر کے اس کو بھی بضرورت مباح فرماتے ہیں۔ چنانچہ خود درمختار میں اس قول کی نسبت دوسروں کی طرف موجود ہے پوری عبارت اس طرح ہے وقالوا یباح اسقاط الولد قبل اربعۃ اشھر یعنی لوگوں نے کہا ہے کہ چار ماہ سے پیشتر حمل مباح ہے مگر معترض کی دیانت نے ایک لفظ قالوا کو نقل کرنے کی اجازت نہیں دی جس سے اس کا پول کھل جاتا سخن شناس اور اصحاب ذوق تو صرف اس لفظ قالوا کو ملاحظہ فرماتے ہی اصل حقیقت تک پہنچ جائیں گے اور ان کے لئے کسی مزید تشریح کی ضرورت باقی نہیں رہتی، مگر ہم خوش فہم معترض کو سمجھانے کے لئے ذرا تفصیل کئے دیتے ہیں۔ اس لئے گزارش ہے کہ اولا تو حنفیہ متبع ہیں امام اعظم رحمۃ اللہ کے جب ان کا یہ فرمان ہی نہیں تو الزام کیسا ثانیا جس کتاب

سے تم نے نقل کیا ہے۔ اس کے مصنف رحمۃ اللہ علیہ بھی اس قول کو بنظر استحسان
نہیں دیکھتے کما یشعر بہ قولہ قالوا کما لا یخفی ثالثاً تم نے نفس مسئلہ بھی
نہیں سمجھا، دیدہ و دانستہ تحریف کرکے عوام کو دھوکہ دینا چاہتے ہو اسی صفحہ
میں شامی میں ہے۔ فاباحۃ الاسقاط محمولۃ علی حالۃ العذر او انہا لا تاثم
اثم القتل یعنی اسقاط کا جواز حالت عذر پر محمول ہے یا یہ مطلب ہے کہ
قتل جتنا گناہ ہی نہیں ہوگا۔ اور اس کی تائید فتاویٰ قاضی خان کی اس عبارت
سے بھی ہوتی ہے۔ ولا اقول بالحل اذ المحرم لو کسر بیض الصید ضمنہ
لانہ اصل الصید فلما کان یؤاخذ بالجزاء فلا اقل من ان یلحقھا
اثم ھنا اذا اسقطت بغیر عذر میں اسقاط کی حلت کا ہرگز قائل نہیں
ہو سکتا کیونکہ جب کسی شکار کا انڈا توڑنے کی وجہ سے اس کا ضمان دینا ہے
اس لئے کہ وہ اصل صید ہے تو جس طرح محرم صرف انڈا جو چڑیوں کا ایک
درجہ ہے توڑنے کی وجہ سے ماخوذ بالجزاء ہوتا ہے اس طرح عورت بھی بلا عذر
اسقاط کردے گی، تو کم سے کم گنہگار تو ہوگی۔

اس عبارت سے دو باتیں معلوم ہوئیں، اولاً یہ کہ صاحب مذہب سے
اس مسئلہ میں کوئی اباحت وغیرہ کی روایت منقول نہیں ہے ورنہ لا اقول کہنے
کی کیا ضرورت پیش آئی دوسرے یہ کہ اباحت علی الاطلاق مراد نہیں، بلکہ
عذر کی حالت میں ہے، رابعاً اگر تسلیم بھی کرلیا جائے کہ بعض مشائخ حنفیہ علی الاطلاق
اباحت کے قائل ہیں، تو بھی محل اعتراض نہیں ہے۔ کیونکہ جس طرح حمل ساقط
کردینے میں بظاہر قطع نسل ہے بعینہٖ اسی طرح عزل میں بھی قطع نسل متحقق
ہے۔ حالانکہ صحیح احادیث سے عزل کا مباح ہونا ثابت ہے، اور واقعہ ہے،
اور اگر کوئی بالفرض، مطلقاً مباح کہتا ہے تو عزل ہی پر قیاس کرکے کہتا ہے،

پھر حنفیہ کی خصوصیت نہیں، محدثین اور شوافع بھی کہتے ہیں، علامہ ابن حجر عسقلانی
فتح الباری شرح بخاری ج ۹ ص ۲۴۹ میں تحریر کرتے ہیں۔ ینتزع من حکم
العزل حکم معالجۃ المرأۃ اسقاط النطفۃ قبل نفخ الروح اور عزل کے
حکم سے روح پھونکی جانے سے حمل ساقط کردینے کا حکم مستنبط ہوتا ہے۔ اس
لئے اگر کسی کے نزدیک یہ مسئلہ صحیح نہ ہو تو وہ منصفانہ طریق پر اس کی تنقید کر
سکتا ہے اور عزل و اسقاط میں معتد بہ فرق ثابت کرکے استنباط مذکور کی تردید
کردینے کا حق ہے، مگر زبردستی کسی بات کو غلط کہہ دینا گندی بتانا اور پھر کوئی
ضعیف سے ضعیف دلیل نہ پیش کرنا اتباع حدیث ہے لا حول و لا
قوۃ الا باللہ، ہاں گورنمنٹ کا جرم ہونا شرعی جرم ہونے کی دلیل
ہے توبہ توبہ مسائل شرعیہ کا اثبات غیر مسلم حکومت کے قوانین سیاسیہ سے
بھی ہو جاتا ہے۔ واللہ غیر مقلد معترض کا یہ نیا اجتہاد ہے!

اعتراض ۵۱: در مختار میں ہے۔ مواضعہ تربصہ عشرون
یعنی بیس صورتوں میں مرد کو بھی عورت کی طرح عدت گزارنی ہوگی۔

جواب: معترض یہ بتلا سکتا ہے، کہ عورت کی طرح، تم نے کس لفظ
کا ترجمہ لکھا ہے۔ کیا واقعی جھوٹ لکھنے اور بولنے میں شرم تم کو نہیں آتی، یاد
رکھو فسیعلم الظلمون ای منقلب ینقلبون،

اصل یہ ہے کہ تربص کے معنی انتظار کرنے کے ہیں، منتہی الارب میں ہے،
(تربص) چشم داشتن و انتظار چیزے نمودن، قاموس میں ہے۔ ربص
رجلا ربصا انتظرہ خیرا او شرا یحل بہ کتربص

اور در مختار کی اس عبارت کا صحیح ترجمہ یہ ہے کہ بیس صورتوں میں مرد
نکاح کرنے کے لئے ایک مخصوص مدت گزارنے کا انتظار کرے گا۔ سیدھی بات

تو یہ تھی کہ ان صورتوں کو بالتفصیل لکھ کر معترض قرآن و حدیث سے ثابت کر دیتا کہ ان صورتوں میں مرد کو منتظر رکھنا شرعاً صحیح نہیں ہے، مگر بجائے اس کے عبارت کی ترجمہ میں بیش و کمی کر کے عوام کے سامنے اس کو اس طرح پیش کرنا جس سے ان کے جذبات میں ہیجان پیدا ہو کسی مسلمان کا کام نہیں ہے، لطف یہ ہے کہ خود در مختار ہی کی عبارت میں معترض کے "عورت کی طرح" لکھنے کی تردید موجود ہے، پوری عبارت اس طرح ہے۔ ومواضع تربصه عشرون مذكورة في الخزانة حاصلها يرجع الى ان من امتنع نكاحها عليه لمانع لزوم زواله نكاح اختها واربع سواها واصطلاحا تربص يلزم المرأة

یعنی مرد بیس جگہ جن کی تفصیل خزانۃ الروایات میں مذکور ہے انتظار کرے اب سب صورتوں کا حاصل یہ ہے کہ جس عورت کا نکاح مرد سے کسی مانع کی وجہ سے ناجائز ہے اس مانع کا زوال ضرور ہے مثلاً اپنی بیوی کی بہن سے شادی کرنا یا ایک بیوی کے سوا چار دوسری عورتوں سے بیک وقت نکاح کرنا اور اصطلاحاً عورت کے تربص کو عدت کہا جاتا ہے۔

مگر معترض کی دیانت ملاحظہ ہو کہ اس عبارت کا ایک نا تمام ٹکڑا نقل کر کے اور پھر اس کو قصداً محرف کر کے زبانی طعن دراز کر رہے ہیں۔ خوب الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے،

کس مسلمان کو اس سے انکار ہو سکتا ہے کہ اپنی بیوی سے علاقہ نکاح من کل الوجوہ منقطع ہوئے بغیر اس کی بہن سے شادی نہیں ہو سکتی، قرآن پاک میں ہے۔ وان تجمعوا بين الاختين ط لہٰذا مرد کو اپنی سالی سے نکاح کرنے کے لئے بیوی سے انقطاع کا انتظار کرنا ضروری ہوگا، اور ایک عورت کی

موجودگی میں دوسری چار عورتوں سے بیک دفعہ نکاح نہیں ہو سکتا کہ قرآن پاک کے خلاف ہے، اس لئے اگر کوئی ایسا کرنا چاہتا ہے تو پہلے موجودہ بیوی سے رشتہ نکاح توڑے، وقس علیہ، اس لئے اگر نفس ان مسائل پر اعتراض ہے تو قرآن پاک ہاتھ سے جاتا ہے۔ اور اگر لفظ تربص سے بیزاری ہے تو یہ جہالت ہے۔ لغتہً یہ اطلاق بالکل صحیح ہے۔ اور شرعاً کوئی قباحت نہیں،۔

اعتراض ۱: در مختار مطبوعہ دار الکتب مصر ج ۱ ص ۴۱۲ میں ہے ثم الاحسن زوجة یعنی امامت کی ابتدائی شرطوں میں اگر برابری ہو تو اسے امام بنایا جاوے جس کی جورو زیادہ خوبصورت ہو، کیا امامت کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ بیویاں ٹٹولی جائیں اور ان کی خوبصورتی کو امتحان کی کسوٹی پر پرکھا جائے۔

جواب: نکاح کا بڑا فائدہ عفت اور پاکدامنی ہے بخاری و مسلم میں ہے۔ فانه اغض للبصر واحصن للفرج حتی کہ بعض احادیث میں نکاح کو اسی وجہ سے نصف دین پورا کر لینا قرار دیا گیا ہے۔ دیکھو مشکوٰۃ، مستدرک حاکم تلخیص الحبیر شعب الایمان، ملاحظہ ہو۔ عن ابن عباس رفعه الا اخبركم بخير ما يكنز المرأة الصالحة اذا نظر اليها سرته (تلخیص مستدرک، ابوداؤد)

(۲) عن ابی ھریرۃؓ قال قیل یا رسول الله ای النساء خیر قال التی سرته اذا نظر الخ (نسائی، تلخیص)

(۳) عن ابی امامۃؓ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انه یقول ما استفاد المؤمن بعد تقوی الله خيرا من زوجة صالحة ان امرها اطاعته ان نظر اليها سرته (ابن ماجہ)

انہیں احادیث کو پیش نظر رکھ کر صاحب در مختار نے لکھا کر علم و قرأت وغیرہ ابتدائی اوصاف میں برابری ہو تو امامت کے لیے وہ شخص بہتر ہو گا جس کی بیوی زیادہ خوبصورت ہو۔ کیونکہ عادۃً بہ نسبت دوسرے شخص کے پرہیز گار اور پاک دامن ہو گا۔ علامہ ابن عابدین شامی رحمۃ اللہ علیہ اس عبارت کی شرح میں اسی صفحہ میں فرماتے ہیں، لانہ غالبا یکون احب لھا واعف لعدم تعلقہ بغیرھا رہا یہ کہ ٹٹولا جانا بیبیوں کا امامت کے لئے شرط ہے ہر گز نہیں، ہاں اسی عبارت کے تحت میں لکھتے ہیں۔ وھذا مما یعلم من الاصحاب او الارحام او الجیران اذ لیس ان یذکر کلی واحد اصاف زوجتہ لیعلم انہ احسن زوجۃ

ادھر لا ہاتھ مٹھی کھول یہ چوری یہیں نکلی۔

اعتراض نمبر ۵۳ :۔ در مختار ص ۱۶۲ ج ۳ میں اذ ذنیٰ فی دار الحروب والبغی یعنی حربی کافروں یا باغیوں کی سلطنت میں زنا کرتے سے بھی حد نہیں ۱۲"

جواب :۔ میں کہتا ہوں کہ یہ مسئلہ بھی فقہائے حنفیہ کا اپنا اختراع کیا ہوا نہیں ہے بلکہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کے بموجب ہو۔ ملاحظہ ہو۔

حدیث اول :۔ روی محمد من السیر الکبیر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم انہ قال من زنیٰ فی دار الحروب او اصاب بھا حدا ثم ھرب فخرج الینا فانہ لا یقام علیہ الحد۔ فتح القدیر کشوری ص ۲۰۲ ج ۲

حدیث ثانی :۔ ان عمر بن الخطاب کتب الی عمر بن سعد الانصاری والی اعمالہ ان لا یقیموا حدا علےٰ احد من المسلمین فی دار العدو حتی یخرجوا الی ارض المصالحۃ (نصب الرائہ بیھقی مصنف ابن ابی شیبہ)

ہم الزام انکو دیتے تھے قصور اپنا نکل آیا

اعتراض نمبر ۵۴ :۔ در مختار میں ہے ولا حد بزنا غیر مکلف بمکلفۃ مطلقا یعنی نابالغ وغیرہ غیر مکلف مرد اگر زنا بالغہ عورت سے کرے تو دونوں پر حد نہیں ہے۔

جواب :۔ زنا نام ہے وطی حرام کا اور حرمت وحلت فعل مکلف کے اوصاف میں سے ہے مجنون اور نابالغ لڑکے کے غیر مکلف ہونے کی بابت حضرت صدیقہؓ حضرت علی مرتضےٰؓ، ابو قتادہؓ، ابو ہریرہؓ، ثوبانؓ، شداد بن اوسؓ، سے مسند ابو داؤد، سنن نسائی، ابن ماجہ، مستدرک، حاکم، جامع ترمذی، مسند ابو بکر بزار، مسند الشامیین للطبرانی وغیرہ کتب حدیث متعدد حدیثیں مروی ہیں بس ان حدیثوں کے بموجب کسی غیر مکلف مرد کا وطی کرنا شرعاً زنا نہیں کہلا سکتا، اور نہ اس کو حد ماری جا سکتی ہے۔ اور جب مرد کے اعتبار سے جو حقیقتاً موصوف بالزنا ہے یہ فعل زنا ہی نہیں ہے تو محل فعل یعنی عورت کے اعتبار سے بھی اس کے زنا ہونے میں اشتباہ ہے۔ اور شبہ کی حالت میں حدود کا دفع کرنا شرعاً مامور ہے۔ لہذا حنفی اس صورت میں دفع حد کے قائل ہیں اور سچا عامل بالحدیث حدیث کے ماتحت ایسا کر سکتا ہے مگر تم لوگ خدا اور رسول کی تعلیم پر عمل کرنے کو گوارہ نہیں کر سکتے۔

ہنر بچشم عداوت بزرگ تر عیبے است،

در مختار میں ہے ولا بزنا بالمستاجرۃ لہ یعنی اگر عورت کو اجرت یعنی خرچی دے کر زنا کرے تو اس پر حد نہیں ہے۔

جواب :۔ میں کہتا ہوں در مختار کی پوری عبارت اس طرح ہے ولا حد بالزنا بالمساجرۃ لہ ای للزنا والحق وجوب الحد کالمستاجرۃ للخدمۃ یعنی اگر کوئی کسی عورت کو زنا کرنے کے لئے اجرت میں لے کر زنا

کرے تو اس پر حد نہیں ہے۔ اور حق یہ ہے کہ اس صورت میں حد نہ ہوگی۔ جس طرح اس صورت میں حد ہو گی کہ عورت کو خدمت کے لئے نوکر رکھا جائے اور پھر اس سے زنا کرے، ظالم نے اعتراض کرتے وقت آدھی عبارت ہی ہضم کر لی، توبہ توبہ اتنی جہالت؛

اعتراض نمبر ۵۶: وکذا لو قال اشتریتها ولو حرة یعنی اگر آزاد عورت سے زنا کیا پھر کہدیا۔ کہ میں نے تو اسے خریدا ہے۔ تو اس پر بھی حد نہیں ۱۲"

جواب:۔ بڑی بے ایمانی معترض نے کی ہے پوری عبارت ملاحظہ ہو:۔

ولا باقرار ان انکر الاخر للشبہۃ وکذا لو قال اشتریتها ولو حرۃ یعنی اگر عورت زنا کا اقرار کرے اور مرد انکار کرے تو شبہ کی وجہ سے حد نہیں لگائی جائے گی اسی طرح اگر عورت زنا کا اقرار کرے مگر مرد یہ کہے کہ جناب یہ میری لونڈی ہے اور میں نے اس کو خرید لیا ہے۔ تو اس صورت میں بھی حد نہیں ماری جائے گی، اگرچہ وہ عورت واقعہ میں حرہ ہی کیوں نہ ہو۔ کیونکہ مرد زنا کا اقرار نہیں کرتا، بلکہ دعویٰ ملک کر کے حلت وطی کا مدعی ہے۔

یہ جاہل سلیس عبارتوں کا صحیح مطلب نہیں بیان کر سکتے اور ان مسائل پر اعتراض کرتے ہیں۔ جن کا ماخذ احادیث اور آثار ہیں اور پھر دعویٰ عمل بالحدیث کا صندان مفترقان ای تفریق۔

اعتراض نمبر ۵۷ درمختار میں ہے او منکوحۃ الغیر او معتدتہ یعنی دوسرے کی نکاحتا بیوی یا عدت میں بیٹھی ہوئی عورت سے نکاح کر کے وطی کرے تو حد نہیں لگائی جائے گی، اگرچہ دونوں کو اس فعل کی حرمت کا علم ہوا۔

جواب:۔ ان دونوں مسئلوں میں بھی شبہ عقد موجود ہے۔ حضرت عمر بن الخطاب نے ایسے شخص کو حد نہیں لگائی مؤطا میں ہے۔

اعتراض نمبر ۵۸: درمختار مطبوعہ مصر ص۱۵۰ ج۱ میں ہے وطہر بذکاۃ یعنی کتا ہاتھی وغیرہ اگر ذبح کر دیئے جائیں تو بھی ان کا چمڑا پاک ہے۔

جواب:۔ درمختار کی عبارت اس طرح نہیں بلکہ اس طرح۔ ما طہر بدباغ طہر بذکاتہ اس پر تو کوئی اعتراض نہیں۔

اور مردہ کے چمڑہ غیر مدبوغ سے نفع نہیں لینا چاہیے۔ دیکھو ترمذی، نسائی ابوداؤد، ابن ماجہ، لا تنتفعوا من المیتۃ باھاب اور مذبوح کو میتہ نہیں کیا جاتا..... ...... ورنہ حدیث میں میتہ کی قید بے سود ہوتی۔ ولا یقول بہ الا من نفسہ

ثانیاً:۔ مر جانے کے بعد ہر جانور کے اجزا اس لئے ناپاک ہو جاتے ہیں کہ نجس رطوبت اور فضلات خبیثہ رک کر ان میں ہو جاتے ہیں؛

علامہ ابن قیم زاد المعاد جلد ثانی ص۲۲ میں لکھتے ہیں۔ واللحم انما ینجس لاحتقان الرطوبات والفضلات الخبیثۃ فیہ

اور کون نہیں جانتا کہ ذبح کرنے سے یہ ناپاک رطوبت خارج ہو جاتی ہے، اس لئے کھال وغیرہ پاک رہے گی،

ثالثاً:۔ ازالہ نجاست میں ذبح کرنا بہ نسبت دباغت کے زیادہ موثر ہے، علامہ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:۔

ان الدباغ لا یزید فی التطہیر علی الذکاۃ فتح ج۹ ص۵۲۱

ان دلائل سے معلوم ہوا کہ کتا ہاتھی وغیرہ اگر ذبح کئے جائیں تو ان کا چمڑہ

ایما امرأۃ نکحت فی عدتها فان کان زوجها الذی تزوجها لم یدخل فرق بینهما ثم اعتدت بقیۃ عدتها من زوجها الاول ثم کان خاطبا من الخطاب وان کان دخل بها فرق بینهما ثم اعتدت من الاخر ثم لا یجتمعان ابدا وفی الطحاوی قال علی ان تابا واصلحا خطبها من الخطاب۔ منگنی،

پاک ہے۔ ہاں یہ بات بھی یاد رہے کہ امام مالکؒ بھی یہی مذہب رکھتے ہیں۔

اعتراض نمبر ۵۹: درمختار مصری ص۱۵۲ میں ہے۔ لیس الکلب بنجس العین عند الامام؛

جواب: کتے کے نجس العین ہونے پر کوئی دلیل نہیں اگر ہے تو پیش کرو زمانہ نبوی میں کتے برابر مسجد نبوی میں آتے جاتے رہتے تھے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ تو کبھی کتوں کو مسجد سے روکا۔ اور نہ ان کی آمد ورفت کی جگہ کبھی دھلوائی، اور صاف کرائی۔

ابن عمر فرماتے ہیں: "کانت الکلاب تقبل وتدبر فی المسجد فی زمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ولم یرشون شیئا من ذالک۔

تنبیہ: کتے کے نجس العین نہ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ زندہ کتا نجس نہیں ہے اور اس کی کھال دباغت سے پاک ہوسکتی ہے۔ دیکھو شامی ص۱۴۶ ج۱

ہاں اس کا گوشت خون لعاب ناپاک ہیں شامی ص۱۴۵۔

اعتراض نمبر ۶۰: درمختار میں ہے۔ وتیخذ جلدہ مصلی ودلوا ص۱۵۲

جواب: سور کے کھال کے علاوہ جب تمام کھالیں۔ دباغت سے پاک ہوجاتی ہیں۔ تو پھر اس کا جانماز اور ڈول بنانا جائز ہوا،

ہاں امام بخاری کے نزدیک بغیر دباغت ہی جانماز اور ڈول بنانے کو جائز فرمائیں اور قاضی شوکانی سور کے چمڑے کا ڈول بنائیں تو آپ کو کچھ خیال نہ ہو۔

اگر معترض ایسے مسائل سمجھنے سے قاصر ہے تو علمائے احناف سے قبل از اعتراض دریافت کرلیتا۔ حدیث میں آیا ہے۔ انما الشفاء العی السوال اوکما قال مگر تمہارے نزدیک تو دین فروشی کرکے دنیا طلبی مقصود ہے۔

فویل لھم مما کتب ایدیھم وویل لھم مما یکسبون۔

اعتراض نمبر ۶۱: درمختار میں ہے ولو اخذ بشرط یباح

جواب: حنفیہ کے نزدیک گانے بجانے کی مزدوری فقہ کی تمام کتابوں میں منع لکھی ہے۔ البتہ بلا شرط جو اصل میں مزدوری نہیں ہے۔ بعض نے مباح لکھا ہے۔ مگر صحیح یہی ہے کہ یہ مباح نہیں ہے علامہ شامیؒ نے ص۳۷ ج۵ میں لکھا ہے۔ قال الامام الاستاذ لا یطلب والمعروف کالمشروط، قلت وھذا مما یتعین الاخذ بہ فی زماننا یعلمھم انھم لا یذھبون الا باجر البتۃ۔

کہا امام استاذ نے کہ بلا شرط بھی حلال نہیں اور معروف مثل مشروط ہے یعنی جو بات مشہور معروف ہو وہ مثل مشروط کے ہوتی ہے۔ جب مشہور ہے کہ گانے بجانے والے بغیر اخذ اجرت کے (گانے کو) نہیں جاتے تو ان کا بلا شرط گانا بجانا بھی بسبب معروف ہونے کے مثل مشروط ہوگا۔ علامہ شامی آگے فرماتے ہیں کہ ہمارے زمانہ میں اسی پر فتویٰ ہے، کیونکہ لوگ جانتے ہیں کہ وہ اجرت کے سوا نہیں جاتے۔ معلوم ہوا کہ صحیح یہی ہے کہ بلا شرط بھی مباح نہیں۔

اعتراض نمبر ۶۲: ہدایہ میں ہے۔ ھذا لا شیاء جائز

جواب: اسی ہدایہ میں اس کے آگے قول صاحبین لکھا ہوا ہے۔ وقال لا لا یضمن ولا یصح بیعھا وعلیہ الفتوی پس مذہب حنفی کی مفتی بہ روایت کو چھپانا اور غیر مفتی بہ روایت کو بیان کرکے اعتراض

کرنا وہابیوں کا کام ہے؛

اچھا اگر ان اشیاء کی بیع جائز ہی سمجھی جائے اس لئے کہ یہ مال ہے اور بجز لہو کے ان سے جائز فائدہ بھی اٹھایا جا سکتا ہے تو بھی ان کا بجانا تو ناجائز ہی رہے گا۔ نہ یہ کہ ان کی بیع کے جواز سے بجانا بھی جائز ہو جائے گا۔"

تمت بالخیر

غیر مقلدین کی فقہ حنفی سے نفرت و عداوت

جس طرح غیر مقلدین، حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے بغض و عداوت رکھتے ہیں، ایسے ہی انہیں فقہ حنفی سے بھی شدید نفرت ہے، ان کے چھوٹے بڑے وقتاً فوقتاً فقہ حنفی کے خلاف لکھتے رہتے ہیں، اور یہ تو ان کے ہر فرد کے زبان زد ہے کہ "فقہ حنفی قرآن و حدیث کے خلاف ہے"۔ بعض غیر مقلدین تو فقہ حنفی کے خلاف نہایت ہی غلیظ زبان استعمال کرتے ہیں، فقہ حنفی کے خلاف غیر مقلدین کی چند تحریرات نذر قارئین کی جاتی ہیں۔

حکیم فیض عالم لکھتے ہیں:-

"میں مکرر اس بات کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ آج فقہ حنفیہ کے نام سے جو اسفار لہو الحدیث (دل بہلانے والی باطل باتوں، ناقل) کا مجموعہ دنیا میں پھیلے ہوئے مسلمانوں کے ایک حصہ کو گمراہ کرنے کا موجب بن رہا ہے اس کا ایک لفظ بھی حضرت امام ابوحنیفہؒ سے تعلق نہیں رکھتا" ۱؎

۱؎ فیض عالم: حکیم ـ اختلاف امت کا المیہ ص ۱۴

کچھ آگے چل کر لکھتے ہیں :-

"مجھے یہ کہنے کی اجازت دیجئے کہ آج فقہ حنفی کی آڑ میں جو مجموعہ اسفار لہو الحدیث ہمارے ہاں مروّج اور شائع ہے اس میں ایک حرف بھی سیّدنا امام ابو حنیفہؒ سے ثابت نہیں کیا جا سکتا اور نہ آج تک کوئی ثابت کرنے کی جراُت کر سکا ہے، اس مقام پہ بے اختیار سبائیت کی اس ڈاکہ زنی اور رفض کی اس نقب زنی کی داد دینے کو جی چاہتا ہے" [1]

حکیم صاحب کی طرح ان کی جماعت کے اور بہت سے حضرات بھی یہی دعویٰ کرتے ہیں، مگران کا یہ دعویٰ بلا دلیل ہے، اس کی تردید کے لیے حضرت امام صاحب کی مسانید اور کتاب الآثار، نیز آپ کے تلامذہ حضرت امام محمد و قاضی ابو یوسف رحمہما اللہ کی کتب کا مطالعہ کافی ہے۔ یہ سب کتب بحمد اللہ شائع ہو چکی ہیں ان کا مطالعہ کر کے دیکھ لیا جائے کہ فقہ حنفی کے مسائل اُن کتب میں بروایت امام ابو حنیفہؒ پائے جاتے ہیں یا نہیں ؟

جماعت غرباء اہلحدیث کے سابق امام مولوی عبدالستار صاحب اپنے والد مولوی عبدالوہاب صاحب کی اسلامی خدمات کے ذیل میں تحریر فرماتے ہیں۔

"اپنے زمانہ کے بخاری نے اپنے استاد شیخ الہند میاں صاحب مرحوم سے تحصیل علم کے بعد ۱۳۰۰ھ میں مدرسہ دار الکتاب والسنۃ کی بنیاد شہر دہلی میں قائم کر کے خالص درس قرآن و حدیث شروع کیا اور دیگر علوم آلیہ و عقلیہ منطق و فلسفہ، فقہ مروجہ وغیرہ کے ڈھول کا پول کھولنا شروع کیا اور قرآن و حدیث کے ہوتے ہوئے ان پر عمل عقیدہ رکھنا رکھانا سخت جرم بتایا اور بیان فرمایا کہ کتب فقہ مروجہ شریعت اسلام کے

[1] فیض علم : حکیم ـ اختلاف امت کا المیہ ص ۳۱۲

بالکل منافی ہیں، کتاب و سنت کے ہوتے ہوئے ان پر عمل کرنا محض گمراہی اور حرام ہے بھلا اکل حلال کے ہوتے ہوئے خنزیر کھانا کب روا ہے۔ [1]

مزید لکھتے ہیں :-

"شرک و بدعت کی وہ چتھاڑ کرتے ہیں اور شخصی تقلید ناسدید کا وہ کھوج کھوتے ہیں اور فقہ کے خراب اور گندہ مسائل جو قرآن و حدیث کے سراسر خلاف ہیں وہ مٹی خراب کرتے کہ باید و شاید"۔ [2]

غیر مقلدین کے مشہور مناظر مولوی طالب الرحمٰن صاحب لکھتے ہیں۔

"فقہ حنفی (جسے آپ کے علماء اس ملک میں بطور قانون نافذ کرنے کی سر توڑ کوشش میں مصروف ہیں) اتنے گندے مسائل سے بھری پڑی ہے کہ قلم کی نوک اور ہماری زبان اس بات کی متحمل نہیں کہ انہیں ضبط تحریر۔ یا نوک زبان پر لایا جا سکے کیونکہ یہ تو وہ فقہ ہے کہ جب یہ مصطفیٰ کمال پاشا کے ملک میں رائج تھی تو اس کی گمراہی کا سبب بنی اور اسی کے مسائل سن سن کر اسے اسلام سے نفرت ہوئی اور پنجاب یونیورسٹی کی ایم۔ اے اسلامیات کی طالبات نے اس فقہ کی معتبر کتاب ہدایہ کے متعلق کچھ یوں اظہار خیال کیا کہ اگر یہ اسلام ہے تو ہمیں سوشلزم منظور ہے"۔ [3]

مولوی طالب الرحمٰن نے اس کتاب میں فقہ و اہل فقہ کے متعلق جو کچھ لکھا ہے

[1] عبدالستار مفتی ـ خطبہ امارت ص۱۳ مشمولہ رسائل اہلحدیث ج دوم

[2] عبدالستار مفتی ـ خطبہ امارت ص ۱۵-۱۶

[3] اصلی حنفی نماز ص۲ : شائع کردہ شبان اہل سنت ملتان۔

وہ ہمارے لیے ضبطِ تحریر سے باہر ہے اس لیے ان کے ایک ہی حوالے پر اکتفاء کرتے ہوئے آگے چلتے ہیں۔

غیر مقلدین کے ایک اور مناظر مولوی ابوالکلیم اشرف سلیم صاحب نے فقہ حنفی کے خلاف اپنی ایک کتاب کے ٹائٹل پر یہ عبارت درج کی ہے "کتاب ہذا میں محمد رسول اللہ کی احادیث مبارکہ اور فقہ حنفیہ کوفیہ کے بے بنیاد عقائد اور شرمناک مسائل کا علمی تحقیقی موازنہ کیا گیا ہے"۔

مولوی صاحب اس کتاب کا تعارف کراتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"اس کے آخری حصے میں خالص فقہ حنفیہ کے یک صد گمراہ کن، شرمناک، انسانیت سوز، موجبِ لعنت، خود ساختہ، غیر معتبر، غیر مستند، مخرب اخلاق، عقائد باطلہ کا بیان کیا گیا ہے جسے پڑھ کر آپ پکار اٹھیں گے کہ واقعی مقلدین احناف کی فقہ حنفیہ کے پرخچے اڑ گئے اور قرآن وحدیث کا پرچم لہرا رہا ہے"۔ [1]

اس کتاب میں مولوی صاحب نے جو بیہودہ عنوانات قائم کر کے ان پر حاشیہ آرائی کی ہے وہ بیان سے باہر ہے۔

مولوی اشرف سلیم کا مبلغ علم

مولوی اشرف سلیم صاحب غیر مقلدین کے معروف مصنف، مقرر اور مناظر ہیں، احناف کے خلاف اشتہار بازی اور چیلنج بازی ان کا عام مشغلہ ہے۔ ان اشتہارات اور چیلنجز کے اندر کس قدر جھوٹ اور فریب ہوتا ہے وہ تو ہم اس وقت زیر بحث نہیں لاتے، اس وقت قارئین کو صرف یہ بتلانا ہے کہ یہ مولوی صاحب جو فقہ حنفی کو قرآن وحدیث کے خلاف ثابت کرنے

[1] مولوی اشرف سلیم ۔ احادیث نبویہ اور فقہ حنفیہ ص ۳

کے درپے ہیں۔ اُن کا اپنا مبلغ علم کیا ہے، تفصیل میں جائے بغیر صرف ایک حوالہ عرض ہے

مولوی صاحب موصوف فلسفۂ معراج بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

"ہر نبی کو اللہ تعالیٰ اس کی شان ومرتبہ کے مطابق معراج کرائی، حضرت آدمؑ کو جنگل میں مقامِ توبہ پر معراج کرائی، حضرت نوحؑ کو جبل جودی کے مقام پر معراج کرائی، حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں معراج کرائی، حضرت اسماعیلؑ کو چھری کے نیچے معراج کرائی اور حضرت عیسیٰؑ کو صلیب پر معراج کرائی"۔ [1]

قارئین اس عبارت کو بغور پڑھیے اور داد دیجیے مولوی صاحب کے علم وتحقیق کی، ایسے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی صاحب معراج کے معنیٰ سے بھی واقف نہیں، بس تقریری ترنگ میں ہر نبی کو معراج کروا رہے ہیں، دوسرے اس پر بھی غور کیجیے مولوی صاحب نے حضرت عیسیٰ علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام کے متعلق لکھا ہے کہ انہیں صلیب پر معراج ہوئی، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مولوی صاحب کے نزدیک وہ صلیب پر چڑھے تھے اور انہیں سولی دی گئی تھی، حالانکہ یہ نظریہ یہود ونصاریٰ کا تو ہے اہلِ اسلام کا نہیں اور یہ نظریہ قرآن وحدیث کے بالکل خلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں :۔

وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۴ : ۱۵۷

اور انہوں نے نہ اس کو مارا اور نہ سولی پر چڑھایا لیکن وہی صورت بن گئی اُن کے آگے۔

جن کا مبلغ علم یہ ہے کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سولی پر معراج کرواتے ہیں

[1] مولوی اشرف سلیم ۔ میزان المتکلمین ص ۱۳۶

ہیں، جو قرآن وحدیث کے بنیادی عقائد سے بھی واقف نہیں، جو خود قرآن وحدیث کے خلاف لکھ رہے ہیں وہ امام الائمۃ حضرت امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ پر کیچڑ اچھالتے ہیں اور اُن کی فقہ کے خلاف لکھتے ہیں ؎

بریں عقل و دانش بباید گریست

ہم نے فقہ حنفی کے خلاف غیر مقلدین کی تحریرات کے صرف دو چار حوالے بطور نمونہ پیش کئے ہیں ورنہ ان کی اکثر کتب اسی قسم کی عبارات سے بھری پڑی ہیں فقہ حنفی کے خلاف لکھنا ان کا محبوب مشغلہ ہے، ایسے لگتا ہے کہ انہوں نے فقہ حنفی کے خلاف پروپیگنڈہ کرنا اپنا مشن بنالیا ہے تاکہ سادہ لوح عوام کو فریب دے کر فقہ حنفی سے متنفر کرسکیں، پہلے بھی ان کے بڑوں نے فقہ حنفی کے خلاف بہت سی کتابیں لکھی تھیں اور آج بھی یہ کام زور وشور سے جاری ہے۔ آئے دن کوئی نہ کوئی عقل وشعور سے عاری غیر مقلد فقہ حنفی کے خلاف لکھتا رہتا ہے اور یہ اس کی کوئی نئی تحقیق نہیں ہوتی بلکہ بڑوں کی پٹاری سے چرا کر اپنے نام سے شائع کردیتا ہے۔

فقہ حنفی پر اعتراضات کی حقیقت

[جمع وترتیب]

پیر جی سید مشتاق علی شاہ

ناشر

پیر جی کتب خانہ ٨ گوبند گڑھ کالج روڈ گوجرانوالہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پہلا اعتراض:

آپ کا پہلا اعتراض یہ ہے کہ

فقہ حنفیہ کی معتبر کتاب ہدایہ اولین ص ۳۳۰ پر لکھا ہے ”مدة الرضاعة ثلثون شهرا عند ابی حنيفة“ ”رضاعت کی مدت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تیس مہینے یعنی اڑھائی سال ہے“ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے صریح آیات اور واضح احادیث سے اختلاف کیا ہے، اس لیے کہ قرآن مجید اور احادیث میں بچہ کے دودھ پلانے کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے۔ (ص ۸)

جواب نمبر ۱:

اپنے گزشتہ پمفلٹ میں آپ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر تکذیب حدیث کے الزام سے بیزاری کا برملا اعلان فرما چکے ہیں، اور اب آپ ان پر مخالفت قرآن کا الزام عائد کر رہے ہیں، کیا یہ دوغلی پالیسی آپ کی عادت وفطرت ہے؟

جواب نمبر ۲:

آپ نے عبارت نقل کرنے میں بھی روایتی بددیانتی کی ہے، اس کے بعد یہ عبارت ہے ”وقالا سنتان وقال زفر ثلثة احوال“ یعنی صاحبین کے نزدیک مدت رضاعت دو سال اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین سال ہے، آپ نے یہ عبارت حذف کر دی ہے، جس سے صاف ظاہر ہو رہا ہے کہ یہ ایک خالص اجتہادی مسئلہ ہے، عین الہدایہ ص ۱۲۵ میں ہے کہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے، اجتہادی مسائل میں اختلاف فطری امر ہے۔

جواب نمبر ۳:

علامہ عبدالرحمٰن الدمشقی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ اس پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ واتفقوا

علی ان التحريم بالرضاع يثبت إذا حصل فی سنتين واختلفوا فی ما زاد علی الحولين فقال أبو حنيفة يثبت إلی حولين ونصف وقال زفر ثلاث سنتين وقال مالك والشافعی وأحمد الامد سنتان فقط واستحسن مالك أن يحرم بعدهما إلی شهر وقال داؤد رضاع الكبير يحرم

(رحمته الامه فی اختلاف الائمة ص ۳۱۷)

یعنی دو سال پر تو ائمہ کا اتفاق ہے، اس سے زائد مدت میں اختلاف ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اڑھائی سال، امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تین سال، امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو سال اور ایک ماہ، اور امام داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تمام عمر مدت رضاعت ہے، علامہ سید امیر علی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”مالکیہ کے نزدیک دو سال کے بعد بھی ایک ماہ تک رضاعت ثابت ہوتی ہے، حتی کہ بعض کے نزدیک تمام عمر مدت رضاعت ہے۔

(عین الہدایہ ص ۱۲۴ ج ۲)

اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک خالص اجتہادی مسئلہ ہے جس میں خطا وصواب کا احتمال بدیہی امر ہے، لیکن فرمانِ نبوی ﷺ کے مطابق مجتہد کو خطا پر ثواب واجر ملتا ہے، لہٰذا اسے مطعون کرنا شرعاً ناجائز ہے، چہ جائیکہ اسے مخالفِ قرآن وحدیث قرار دیا جائے یقیناً اس فرمانِ نبوی ﷺ کی مخالفت کرنے والا اہل حدیث ہرگز نہیں ہے، اسی لیے فقہائے کرام کے اختلافات کو امت کے لیے رحمت قرار دیا گیا ہے جیسا کہ علامہ عبدالرحمٰن الدمشقی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے رحمۃ الامۃ فی اختلاف الائمہ کے نام سے کتاب مرتب فرمائی ہے، جس کا ایک حوالہ اوپر نقل کر چکا ہوں، اور آئندہ سطور میں بھی ان شاء اللہ اس کے مزید حوالے نقل کروں گا۔

جواب نمبر ۴:

جس آیت والوالدات يرضعن اولادهن حولين كاملين (البقرة: ۲۳۳) کو آپ نصِ صریح قرار دیتے ہیں، اس میں یہ الفاظ بھی قابلِ غور ہیں فان ارادا فصالا عن

تراض منہما یعنی اگر وہ دونوں (ماں باپ) باہمی رضامندی سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ان پر کچھ گناہ نہیں اس کی تفسیر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان یفطماہ قبل الحولین وبعدہ (تفسیر ابن جریر طبری ص۳۰۲ ج۲) یعنی انہیں دو سال سے قبل یا بعد دونوں صورتوں میں دودھ چھڑانے کا اختیار ہے اس سے ظاہر ہے کہ یہ آیت نص صریح نہیں۔

جواب نمبر۵:

دوسری آیت وحملہ وفصالہ ثلثون شہرا (الاحقاف:۱۵) اس کے بارہ میں بھی تفاسیر مختلف ہیں۔

۱..... بعض کے نزدیک اس آیت میں شخص معین کا ذکر مقصود ہے حکم عام مقصود نہیں اور وہ شخص معین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں و روی ان الایۃ نزلت فی ابی بکر الصدیق وکان حملہ وفصالہ فی ثلاثین شہرا حملتہ امہ تسعۃ اشہرا وارضعتہ احدی وعشرین شہرا (اسباب النزول ص۲۵۴ قرطبی ص۱۹۳ خازن ص۱۲۵ ج۴۔ مظہری ص۴۰۴ ج۴) قال ابو بکر رب اوزعنی ان اشکر الخ (تفسیر ابن عباس ص ۳۱۳) یعنی یہ آیت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے کیونکہ ان کا حمل وفصال تیس ماہ کا تھا ۹ ماہ کا حمل اور اکیس ماہ کی رضاعت اگر اسے حکم عام قرار دیا جائے تو مدت رضاعت اکیس ماہ قرار پائے گی۔

۲..... بعض کے نزدیک حملہ الگ مبتدا ہے اور فصالہ الگ دونوں کی خبر ثلاثون شہرا ہے یعنی حملہ ثلاثون شہرا وفصالہ ثلاثون شہرا حمل کی انتہائی مدت بھی تیس ماہ اور رضاعت کی انتہائی مدت بھی تیس ماہ۔ جیسے کوئی شخص کہے لفلان علی الف درھم و خمسۃ اقفزہ حنطتہ الی شہرین یعنی فلاں شخص کے میرے ذمہ ایک ہزار درہم اور پانچ من گندم ہے دو ماہ کے لیے یعنی گندم بھی دو ماہ کے لیے۔ اور درہم بھی دو ماہ کے لیے دونوں میں مدت کو تقسیم نہیں کیا جائے گا اسی طرح ثلاثون شہرا کی مدت حمل اور رضاعت میں تقسیم نہیں کی جائے گی، بلکہ دونوں کی مدت تیس تیس ماہ ہی ہوگی یہ مذہب ہے

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا۔ باقی رہا یہ شبہ کہ امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک تو مدت حمل دو سال ہے جیسا کہ کتب فقہ میں اس کی صراحت موجود ہے تو تیس ماہ کیونکر درست ہوگی؟ تو اس کے لیے عرض ہے کہ آیت میں لفظ حمل کے دو معنوں کا احتمال ہے۔ ۱۔ پیٹ میں اٹھانا ۲۔ گود میں اٹھانا۔ تو امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک یہاں حمل کا دوسرا معنی یعنی گود میں اٹھانا مراد ہے پہلا معنی مراد نہیں اور قرآن پاک میں اس دوسرے معنی میں اس لفظ کا استعمال موجود ہے جیسا کہ ارشاد ہے فاتت بہ قومہا تحملہ (مریم:۲۲) یعنی مریم علیہا السلام بچہ کو گود میں اٹھا کر قوم کے پاس آئیں گویا امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک گود میں اٹھانے اور دودھ پلانے کی مدت تیس تیس ماہ ہوگی۔

۳..... بعض کے نزدیک حملہ اور فصالہ ایک ہی مبتدا ہے اور اس کی خبر ثلاثون شہرا ہے بایں صورت معنی یہ ہوگا کہ حمل کی اول مدت اور رضاعت کی اکثر مدت مراد ہوگی یعنی حمل کی کم از کم مدت چھ ماہ اور رضاعت کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہوگی۔ یہ مذہب ہے امام قاضی ابو یوسف، امام محمد اور امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کا، قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یستدل بہذہ الایۃ علی ان اقل مدۃ الحمل ستۃ اشہر، لقولہ تعالٰی وفصالہ فی عامین فانہ اذا ذہب منہا عام بقی للحمل ستۃ شہر و علیہ اتفق الائمۃ فی اقل مدۃ الحمل (تفسیر مظہری ج۸ ص ۴۰۴) یعنی یہ آیت قول ربانی و فصالہ فی عامین کی روشنی میں اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ کم از کم مدت حمل چھ ماہ ہے اور اس پر ائمہ کا اتفاق ہے۔

۴..... بعض کے نزدیک حملہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے اور فصالہ مبتدا ہے جس کی خبر ثلاثون شہرا ہے حملہ کی خبر اس لیے محذوف ہے کہ اس کے احوال مختلف ہیں قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "واختلفوا فی اکثرہا فقال ابو حنیفۃ سنتان وعن مالک روایات اربع سنین وخمس سنین وسبع سنین وقال الشافعی اربع سنین وعن احمد روایتان المشہور کمذہب الشافعی والاخری کمذہب

ابی حنیفة" (تفسیر مظھری ج۸ ص ۴۰۴) یعنی مدت حمل کے زیادہ سے زیادہ ہونے میں اختلاف ہے' امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو سال' امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چار سال، پانچ سال، سات سال تک کی روایات ثابت ہیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چار سال، امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول کے مطابق چار سال اور دوسرے قول کے مطابق دو سال ہے' اسی طرح تفسیر مواہب الرحمن پارہ ۲۶ صفحہ ۹ میں ہے کہ "امام مالک رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مشاہدہ کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ میرے پڑوس میں ایک بچہ چار سال کا حمل گذار کر پیدا ہوا۔"

۵.....بعض کے نزدیک حملہ وفصالہ ایک ہی مبتدا ہے' اور ثلاثون شھرا اس کی خبر ہے' لیکن یہاں نہ تو حمل کے لیے مدت متعین ہے اور نہ رضاعت کے لیے' حمل کی مدت نکال کر بقیہ مدت رضاعت کی ہوگی جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے "اذا حملت تسعة اشھرا رضعت احدی و عشرین شھرا و ان حملت سبعة اشھرا رضعت ثلاثة و عشرین شھرا و ان حملت ستة اشھرا رضعت اربعة و عشرین شھرا" (تفسیر ابن جریر ج۲ ص ۳۰۲' قرطبی ج۱۶ ص ۱۹۳' خازن ج۴ ص ۱۲۵' مظہری ج۸ ص ۴۰۸' ابن کثیر ج۴ ص ۲۴۱) یعنی حمل اگر نو ماہ کا ہے تو رضاعت اکیس ماہ کی' حمل اگر سات ماہ کا ہے تو رضاعت تیئس ماہ کی' اور حمل اگر چھ ماہ کا ہے تو رضاعت دو سال کی ہوگی اور معروف حمل نو ماہ کا ہے' اس صورت میں حولین کاملین کا تقاضا پورا نہیں ہوتا' اور اگر مدت حمل امام شافعی اور امام احمد کے مسلک کے مطابق تیس ماہ سے تجاوز کر جائے تو مدت رضاعت تو بالکل ختم ہو کر رہ جائے گی۔

ان مذکورہ تفسیری اقوال سے بھی صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔

جواب نمبر ۶:

صاحب ہدایہ نے دو قسم کی عورتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ① وہ جو خاوند کے نکاح میں ہیں' اور بلا اجرت بچہ کو دودھ پلاتی ہیں' اس کے لیے مدت رضاعت اڑھائی سال ہے اور دلیل آیت

ثلاثون شھرا ہے۔ ② وہ عورت جو مطلقہ ہے اور خاوند کی خواہش اور بچہ کی ضرورت کے تحت اجرت پر بچہ کو دودھ پلاتی ہے' اس میں چونکہ مرد (جس نے اجرت دینی ہے) عورت (جس نے اجرت لینی ہے) اور بچہ (جس کی خوراک کا انتظام ہے) تینوں کے حقوق کا یکساں لحاظ ضروری ہے، تاکہ کسی فریق پر زیادہ بوجھ نہ پڑے، اس لیے مدت رضاعت دو سال مقرر کی گئی ہے۔ اس پر آیت حولین کاملین اور حدیث لا رضاع بعد الحولین سے استدلال کیا گیا ہے' دو سال تک بچہ کی پرورش اور نشوونما کا انحصار ماں کے دودھ پر ہی ہوتا ہے' اور بچہ کی ماں (طلاق کی وجہ سے) چونکہ بچہ کو دودھ پلانے کی شرعاً مکلف نہیں رہی اور نہ ہی بچہ کے باپ کے ذمہ اس کی ماں (مطلقہ) کا نان نفقہ لازم رہا' لہٰذا شریعت نے نان نفقہ کی بجائے معین اجرت کے ذریعہ بچہ کی ماں کو ایک مناسب وقتی روزگار فراہم کر دیا تاکہ بچہ کی پرورش اور ماں کی معیشت دونوں کا انتظام ہو جائے اور دو سال تک چونکہ بچہ دودھ کے علاوہ دیگر خوراک استعمال کرنے کے قابل بھی ہو جاتا ہے اس لیے تیسرے فریق یعنی بچہ کے باپ پر زیادہ بوجھ ڈالنا مناسب نہیں سمجھا گیا اور پھر چونکہ یہ سب کچھ دراصل بچہ کے لیے کیا جا رہا ہے' اس لیے بچہ کی جسمانی صحت کا لحاظ اس میں ضروری خیال کیا گیا ہے چنانچہ اگر دو سال سے قبل ہی یعنی ڈیڑھ، پونے دو سال میں ماں کے دودھ کے بغیر دیگر خوراک پر گزارا کر سکتا ہے تو اس کے والدین کو باہمی مشورہ سے دودھ چھڑانے کا اختیار دیا گیا ہے تاکہ باپ پر بلا ضرورت مزید بوجھ نہ پڑے اور اگر اس کے برعکس بچہ کی جسمانی صحت کسی کمزوری وغیرہ کی بنا پر دو سال کے بعد بھی ماں کے دودھ کا تقاضا کرتی ہے تو باہمی مشورہ سے اسے دودھ پلانے کی اجازت و اختیار دیا گیا ہے جیسا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ قول میں گزشتہ سطور میں نقل کر چکا ہوں ان یفطماء قبل الحولین و بعده (تفسیر ابن جریر ج۲ ص ۳۰۲) گویا حولین کاملین ضروری نہیں اور مالکیہ کے نزدیک بھی دو برس کے بعد ایک ماہ تک مدت رضاعت باقی رہتی ہے۔ (عین الہدایہ ج۲ ص ۱۲۴)

جواب نمبر ۷:

یہاں تک تو بحث تھی کہ یہ مسئلہ خالص اجتہادی ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے اجتہاد کے لیے بھی قرائن موجود ہیں۔ باقی رہا مسئلہ اس اجتہادی اختلاف میں مفتی بہ قول کا؟ تو فقہ حنفی میں مفتی بہ قول صاحبین (قاضی ابو یوسف اور امام محمد) کا قول ہے، چنانچہ فتح القدیر اور ردالمحتار میں یہ صراحت موجود ہے والاصح قولھما یعنی صاحبین کا قول زیادہ صحیح ہے۔ حضرت ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "رضاع کی زیادہ سے زیادہ مدت دو سال ہے اس کے بعد کا اعتبار نہیں"۔ (تفسیرات احمدیہ ص ۱۷۳، اردو) مولانا رشید احمد گنگوہی فرماتے ہیں کہ "مدت رضاعت کی دو سال ہے علی الاصح المفتی بہ" (تذکرۃ الرشید ج ۱ ص ۱۸۵) "اگر بعد دو برس تمام ہونے کے دودھ پیا ہے تو اس دودھ سے رضاعت ثابت نہیں ہوئی کہ مدت ثبوت حکم رضاعت کی دو سال ہے" (فتاویٰ رشیدیہ ص ۴۷۴) مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "جمہور کے نزدیک اقل مدت حمل چھ ماہ اور اکثر مدت رضاع دو سال ہے، مجموعہ اڑھائی سال" (بیان القرآن ج ۱۱ ص ۸) علامہ شبیر احمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "جمہور کے نزدیک مدت دودھ پلانے کی دو ہی سال ہے" (تفسیر عثمانی ص ۵۳۴) مذکورہ حوالہ جات کی روشنی میں ظاہر ہے کہ فقہ حنفی میں جمہور فقہائے احناف کے نزدیک مفتی بہ قول کے مطابق مدت رضاعت دو سال ہی ہے۔

ضروری وضاحت:

غیر مفتی بہ قول کے بارے میں، میں گزشتہ سطور میں وضاحت کر چکا ہوں کہ ایسے قول پر فتویٰ دینا جائز نہیں۔ محترم! یہ حقیقت ذہن نشین رکھتے ہوئے غور فرمائیے کہ جس قول پر فتویٰ دینا جائز نہیں اس پر تنقید کرنا کیونکہ درست ہوگا اور پھر یہ بات بھی ذہن میں رکھیے کہ آپ بقلم خود تنقید ہم پر کر رہے ہیں اگر ہم اس غیر مفتی بہ قول کو درست مانتے ہیں اور اس پر فتویٰ دیتے ہیں تو پھر یہ تنقید ہم پر ہوگی ورنہ آپ کی یہ تنقید بہر حال امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر ہے اور

مجتہد پر تنقید کے انجام سے آپ بے خبر نہیں۔

جواب نمبر ۸:

بعض حضرات کے نزدیک امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اپنے اس قول سے رجوع ثابت ہے، جیسا کہ علامہ حافظ ابن قیم فرماتے ہیں کہ **وعن ابی حنیفۃ روایۃ اخری کقول ابی یوسف ومحمد** (زاد المعاد ج ۲ ص ۳۳۰ بحوالہ فتح المبین ۲۰۵) یعنی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول اس بارہ میں دو سال کا بھی ہے۔ معلوم ہوا کہ امام اعظم کا رجوع بھی ثابت ہے لہٰذا اعتراض کی گنجائش باقی نہ رہی۔

جواب نمبر ۹:

بعض حضرات کے نزدیک امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کا اڑھائی سالہ مدت رضاعت کا قول مبنی بر احتیاط ہے، وہ امام اعظم اور صاحبین رحمہم اللہ کے اقوال کو اس طرح تطبیق دیتے ہیں کہ دودھ پلانے کی دو سالہ مدت میں اتفاق ہے کہ اس میں دودھ بالاتفاق حلال ہے، اس کے بعد کی چھ ماہ کی مدت میں حلت حرمت کا مسئلہ ہے، امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کی تحقیق کے مطابق جائز و حلال ہے اور صاحبین کے نزدیک ممنوع حرام، گویا وہ دودھ مشکوک و مشتبہ قرار دیا گیا اور مشتبہ چیزوں سے بچنا بھی شرعاً ضروری ہے، جیسا کہ فرمانِ نبوی ﷺ ہے "جو شخص شبہ والی چیزوں سے بھی پرہیز کرے وہ اپنے دین اور اپنی آبرو کو بچالے گا اور جو شبہ والی چیزوں میں مبتلا ہوگا اس کے حرام میں بھی مبتلا ہونے کا اندیشہ ہے" (بخاری و مسلم) لہٰذا دودھ پلانے کی مدت کے بارے میں تو فتویٰ یہی ہوگا کہ وہ دو سال ہے، اس کے بعد مشتبہ اور خلاف تقویٰ ہے، لہٰذا گریز ضروری ہے، دوسری طرف چونکہ اسی دودھ پر نکاح کی حلت و حرمت کا مدار ہے، امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک دو سال کے بعد اڑھائی سال تک بھی کسی بچہ نے دودھ پی لیا تو رضاعت ثابت ہوگی اور رضاعی رشتوں سے نکاح حرام ہوگا اور صاحبین کے نزدیک دو سال کے بعد مدت رضاعت ثابت نہیں اب کے بعد جس بچہ نے دودھ پیا اس کی رضاعت

ثابت نہ ہوگی اور نہ رضاعی رشتے قائم ہوں گے اور نہ نکاح کہ حرمت ثابت ہوگی‘ گویا یہ
رشتے مشکوک و مشتبہ قرار پا گئے اور نکاح کی حلت و حرمت بھی مشتبہ ہوکر رہ گئی لہٰذا ازراہِ
احتیاط اس حرمت کے ظاہر ہونے کا فتویٰ دیا جائے گا تاکہ مشکوک و مشتبہ نکاح سے بھی محفوظ
رہ سکے، چنانچہ حضرت ملاجیون رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا مذہب احتیاط پر مبنی
ہے۔ (تفسیرات احمدیہ ص ۷۸۰) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ”گو فتویٰ
جمہور ہی کے قول پر ہے مگر احتیاط یہ ہے کہ دودھ پلانے میں تو دوسال سے زائد نہ پلائیں اور کسی
نے دوسال کے بعد پیا ہو تو نکاح میں احتیاط رکھیں“۔ (بیان القرآن ج ۱۱ ص ۸)

جواب نمبر ۱۰:

محترم! یہ تو تھے وہ جوابات جو میں نے بطور صفائی عرض کیے ہیں‘ لیکن اب آپ سے میرا
سوال یہ ہے کہ کیا آپ کو ہم پر یہ اعتراض کرنے کا شرعاً یا اخلاقاً کوئی حق حاصل ہے؟ کیونکہ
اعتراض کرنے کا حق اخلاقاً اسے ہوتا جس پر خود وہ اعتراض وارد نہ ہوتا ہو‘ کسی بے نماز کو
دوسرے بے نماز پر اعتراض اور تنقید کا حق نہیں‘ لیکن بڑی حیرت کی بات ہے کہ آپ ہم پر تو
یہ اعتراض وارد کرتے ہیں کہ ہمارے نزدیک مدتِ رضاعت اڑھائی سال ہے جو خلاف
قرآن و حدیث ہے‘ لیکن خود آپ کے مذہب و مسلک میں داڑھی والا بوڑھا بابا بھی کسی
عورت کا دودھ پی سکتا ہے‘ اور اس سے حکمِ رضاعت بھی ثابت ہو جاتا ہے‘ ملاحظہ فرمائیے
آپ کے مذہب و مسلک کے ترجمان قاضی شوکانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **و یجوز رضاع
الکبیر ولو کان ذا لحیته لتجویز النظر (الدرر البهیه ص ۱۵۸)** یعنی پردہ سے
بچنے کے لیے ڈاڑھی والے آدمی کے لیے بھی کسی عورت کا دودھ پینا جائز ہے‘ اور اس سے
حرمت رضاعت ظاہر ہو جائے گی‘ آپ کے مذہب و مسلک کے نامور محقق نواب نور الحسن
خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ گویا ارضاع کبیر بنا بر تجویز نظر جائز ست‘ (عرف الجادی ص ۱۳۰)
آپ کے ایک اور عظیم محسن جنہوں نے آپ جیسے حنفیت دشمنوں کو فقہ حنفی کے خلاف مواد

فراہم کیا ہے اور آپ ان کی کتب سے اعتراضات سرقہ کرکے اپنی شہرت کی دکان چمکا رہے
ہیں، مولوی محمد جوناگڑھی فرماتے ہیں کہ سلف کی ایک جماعت کا یہی (یعنی ڈاڑھی والا بھی دودھ
پی سکتا ہے) فتویٰ ہے (فتاویٰ نبوی ﷺ ص ۶۰) نیز فرماتے ہیں کہ کیا عجب یہی مسلک سب
سے زیادہ قوی ہو‘ ہمارے شیخ (ابن قیم) رحمۃ اللہ علیہ بھی اسی جانب مائل تھے۔ (ایضاً ص ۶۱)
محترم! غور فرمائیے ہمارے امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اجتہادی اور قیاسی طور پر دوسال کے
بعد صرف چھ ماہ کی مدت کو رضاعت میں داخل کیا تو آپ چیخ اٹھے‘ لیکن آپ کے اکابر
بوڑھے کے لیے بھی یہ گنجائش پیدا کر رہے ہیں اور پھر اسے نبوی ﷺ فیصلہ بھی قرار دے
رہے ہیں‘ ہمارے ہاں اڑھائی سالہ مدت رضاع کا قول غیر مفتی بہ ثابت ہونے کے باوجود
آپ ہمیں مخالف قرآن و حدیث ثابت کرنے پر مصر ہیں‘ لیکن آپ کے اکابر کے نزدیک
بوڑھا دودھ پیئے تو رضاعت ثابت ہو جائے گی۔

اعتراض نمبر ۲:

آپ کا دوسرا اعتراض یہ ہے کہ فتاویٰ عالمگیری ج ۵ ص ۳۶۲ میں ہے‘ لڑکے اور لڑکی کا
عقیقہ مکروہ ہے‘ فقہ حنفیہ کا یہ مسئلہ حدیث صحیحہ کے خلاف ہے۔

جواب نمبر ۱:

تکذیب حدیث کے الزام سے برأت اور مخالفت حدیث کا الزام‘ یہ بھی آپ کی غیر
مقلدانہ دوغلی پالیسی کا دلچسپ نمونہ ہے۔

جواب نمبر ۲:

یہ بھی ایک اجتہادی مسئلہ ہے‘ علامہ عبدالرحمٰن دمشقی فرماتے ہیں کہ **والعقیقة سنة
مشروعة عند مالك والشافعي وقال ابو حنيفة بي مباحثة ولا اقول انها سنة
مستحبة وعن أحمد روايتان اشهرهما انها سنة والثانية انها واجبة۔
(رحمة الامة ص ۱۵۱)**
یعنی عقیقہ امام مالک و امام شافعی کے نزدیک سنت موکدہ ہے‘ امام ابوحنیفہ کے نزدیک سنت

نہیں مباح ہے' اور امام احمد کے ایک قول کے مطابق واجب اور دوسرے قول (جو مشہور ہے) کے مطابق سنت ہے' اس سے بھی ظاہر ہے کہ یہ اجتہادی مسئلہ ہے۔

جواب نمبر ۳:

آپ نے عبارت نقل کرنے میں بھی روایتی بددیانتی کی ہے' پوری عبارت اس طرح ہے:

پسر و دختر کی طرف سے عقیقہ کرنا یعنی ولادت سے ساتویں روز بکری ذبح کر کے لوگوں کی ضیافت کرنا اور بچہ کے بال اتروا دینا سو یہ مباح ہے، نہ سنت ہے نہ واجب، اور امام محمد نے عقیقہ کے حق میں ذکر کیا ہے کہ جس کا جی چاہے کرے' جس کا جی چاہے نہ کرے، اس سے مباح ہونے کی طرف اشارہ ہے، سنت ہونے سے مانع ہے، اور جامع صغیر میں ہے کہ نہ پسر کی طرف سے عقیقہ کیا جائے نہ دختر کی طرف سے اور یہ کراہت کی طرف اشارہ ہے یہ بدائع کی کتاب الاضحیہ میں ہے۔ (عالم گیری مترجم ج ۹ ص ۱۰۱)

آپ نے صرف جلی قلم کی عبارت کا عربی متن نقل کیا ہے اور بقیہ ساری عبارت سعودی ریال سمجھ کر بلا ڈکار ہضم کر گئے ہیں جس میں اباحت کا مفتی بہ قول موجود ہے اس کے بعد امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے اباحت و کراہت کے دو قول نقل کیے گئے دیکھنا یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا راجح قول کون سا ہے؟ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ قال محمد فی الاملاء العقیقة تطوع (اختلاف الفقہاء ج ۱ ص ۸۹) یعنی امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک عقیقہ مستحب ہے' اس حقیقت حال کے بعد بھی آپ کا اعتراض حنفیت دشمنی پر مبنی نہیں تو کیا ہے؟

جواب نمبر ۴:

اب آیئے اس حقیقت کی طرف کہ کیا واقعی فقہ حنفیہ میں عقیقہ مباح یا مستحب ہے' مکروہ نہیں؟ علامہ محمد انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ والحق ان مذهبنا استحباب السابع بعد یوم الولادة (العرف الشذی ص ۴۷۸) حق یہ ہے کہ ہمارے مذہب حنفی میں بچہ کی ولادت کے ساتویں دن عقیقہ مستحب ہے' علامہ شامی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ان

العقیقة مباحة علی ما فی جامع المحبوبی التطوع علی ما فی الشرح الطحاوی (شامی ج ۵ ص ۲۳۰) عقیقہ یا تو مباح ہے جیسے جامع المحبوبی میں ہے یا مستحب ہے جیسے شرح طحاوی میں ہے' مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے یہ روایت ہے کہ عقیقہ مباح ہے' پس مباح میں ثواب جب ہوتا ہے کہ وہ عبادت کی نیت سے کیا جائے' پس امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے قول سے مراد یہ ہے کہ جیسا واجب میں ثواب ہوتا ہے وہ اس میں نہیں رہا اور سب ائمہ (احناف) رحمہم اللہ کے نزدیک عقیقہ مستحب ہے۔ (فتاویٰ رشیدیہ ص ۵۵۴) مفتی کفایت اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ عقیقہ واجب نہیں سنت ہے' وسعت ہو تو عقیقہ کرنا اولی و افضل ہے۔

(کفایت المفتی ج ۸ ص ۲۶۵)

مفتی عزیز الرحمٰن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ صحیح ایں است کہ عقیقہ در مذہب حنفیہ مستحب است، سنت، کمافی الشامی (فتاویٰ دار العلوم ج ۱ ص ۷۱۶)

مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس (عقیقہ کے) روز لڑکے کے لیے دو بکرے اور لڑکی کے لیے ایک بکری ذبح کرنا، اس کا گوشت کچا یا پکا کر تقسیم کرنا، بالوں کے برابر چاندی وزن کر کے خیرات کرنا ثواب کے کام ہیں (بہشتی زیور ج ۶ ص ۱۲)

شاہ ولی اللہ الحنفی رحمۃ اللہ علیہ نے حجۃ اللہ البالغہ میں ملا علی قاری الحنفی رحمۃ اللہ علیہ نے مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اور علامہ عینی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ نے عمدۃ القاری میں عقیقہ کی مصلحتوں اور حکمتوں پر باقاعدہ بحث فرمائی ہے۔

جواب نمبر ۵:

عقیقہ کے بارے میں اقوال مختلف ہیں۔ قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک سنت موکدہ ہے۔ امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے قول کے مطابق واجب ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مستحب ہے۔ (مالا بدمنہ ص ۱۶۳)

آپ کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی ؒ فرماتے ہیں کہ عقیقہ جمہور کے نزدیک سنت اور امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک مستحب ہے۔ (فتاویٰ نذیریہ ج ۳ ص ۴۴۶)

جواب نمبر ۶:

بعض لوگوں نے امام ابوحنیفہ ؒ کی طرف عقیقہ کے بدعت ہونے کی نسبت کی ہے، علامہ عینی ؒ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ والذی نقل عنه انها بدعة عند ابی حنیفة هذا افتراء فلایجوز نسبته الی ابی حنیفة قال لیست بسنته موکدة۔ (عمدة القاری ج ۹ ص ۱۱۷۔ وحاشیه بخاری ج ۲ ص ۸۲۱)

یعنی امام ابوحنیفہ ؒ کی طرف عقیقہ کو بدعت قرار دینے کی نسبت خالص افتراء ہے، ہاں وہ اسے سنت موکدہ نہیں مانتے، قاضی ثناء اللہ پانی پتی ؒ فرماتے ہیں کہ امام ہمام کی طرف اس بدعت کی نسبت افترا ہے۔ (مالا بد منہ ص ۱۶۳)

جواب نمبر ۷:

علامہ محمد انور شاہ کاشمیری ؒ فرماتے ہیں کہ امام طحاوی کی الناسخ والمنسوخ سے مجھ پر یہ حقیقت ظاہر ہوئی کہ امام ابوحنیفہ عقیقہ کو نہیں بلکہ اسم عقیقہ کو مکروہ جانتے ہیں۔
(فیض الباری ج ۴ ص.....)

جواب نمبر ۸:

باقی رہا مسئلہ اسم عقیقہ کے مکروہ ہونے کا تو حدیث میں ہے کہ سئل رسول اللہ ﷺ عن العقیقة فقال لا یحب اللہ العقوق کانه کره الاسم وقال من ولد له ولد فاحب ان ینسك عنه فلینسك عن الغلام شائین وعن الجاریة شاة (ابوداؤد ج ۲ ص ۳۶۔ نسائی ج ۲ ص ۱۶۷) یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عقیقہ کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ عقوق کو پسند نہیں فرماتا گویا آپ ﷺ نے اس عقیقہ کو ناپسند

فرمایا اور فرمایا جس کے ہاں بچہ پیدا ہو وہ اگر پسند کرے تو بچہ کی طرف سے دو اور بچی کی طرف سے ایک بکری ذبح کرے، مولوی محمد جونا گڑھی نے بھی مسند احمد کے حوالہ سے اپنے فتاویٰ نبوی ﷺ میں ص ۸۹ میں یہ حدیث نقل کی ہے۔

جواب نمبر ۹:

مذکورہ روایت سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ عقیقہ کو لازم قرار نہیں دیا گیا بلکہ اختیار دیا گیا ہے کہ چاہو تو کر لو چاہو تو نہ کرو۔ اسی لیے یہ روایت نقل کرنے کے بعد علامہ کاسانی فرماتے ہیں کہ وہذا ینفی کون العقیقة سنة (بدائع الصنائع ج ۵ ص ۶۹) یعنی یہ حدیث عقیقہ کے سنت ہونے کی نفی کرتی ہے، اسی لیے فقہائے احناف کے نزدیک یہ مستحب ہے۔

جواب نمبر ۱۰:

باقی رہا آپ کا یہ کہنا کہ امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک مکروہ سے مراد حرام ہے تو یہ بھی نرا دھوکہ ہے، مقدمہ فتاویٰ عالمگیری ص ۱۰۵ میں ہے کہ کراہت جہاں مطلق ہے تو مراد کراہت تحریمی ہے ورنہ تنزیہی اور کبھی قرینہ کی دلالت تنزیہی مراد لیتے ہیں جیسا کہ علامہ نسفی اور صاحب بحرالرائق نے اسے نقل کیا ہے گویا اس میں قرینہ کو بھی دخل ہے لیکن آپ کے تمام تر قرائن کا عمل دخل تو فقہ حنفی کی عداوت کے لیے ہے اس کی حمایت میں تو آپ حقائق وشواہد سے انحراف وانکار میں کوئی شرم وعار محسوس نہیں کرتے۔

یوں گزر جاتے ہیں دانستہ بچا کر نظریں
بے وفائی میری الفت کا صلہ ہو جیسے

اعتراض نمبر ۳:

آپ کا تیسرا اعتراض یہ ہے "ہدایہ اولین ص ۱۵۶ میں ہے کہ امام ابوحنیفہ ؒ نے فرمایا ہے کہ نماز استسقاء کی جماعت مسنون نہیں، اگر لوگ اکیلے اکیلے پڑھیں تو جائز ہے فقہ حنفیہ کا یہ مسئلہ بھی احادیث صحیحہ وصریحہ کے سخت خلاف ہے۔

جواب نمبر۱:

یہ اعتراض بھی آپ کے دوغلے پن کی بھرپور غمازی کرتا ہے، خدارا اب تو ظاہر و باطن کا فرق مٹا دیجیے۔

جواب نمبر۲:

عبارت نقل کرنے میں بھی آپ نے حسب عادت وروایت صریح غیر مقلدانہ بددیانتی کی ہے، پوری عبارت اس طرح ہے قال ابو حنيفة رضی اللہ عنہ ليس في الاستسقاء صلاة مسنونة في جماعة فان صلى الناس وحدانا جاز و انما الاستسقاء الدعاء والاستغفار لقوله تعالٰى فقلت استغفروا ربكم انه كان غفارا الاية ورسول الله صلی اللہ علیہ وسلم استسقى ولم ترو عنه الصلاة وقالا يصلي الامام ركعتين لما روى ان النبي صلی اللہ علیہ وسلم صلى فيه ركعتين كصلاة العيد رواه ابن عباس رضی اللہ عنہما قلنا فعله مرة وتركه اخرى فلم يكن سنة۔ (هداية اولين ج ا ص۱۵۶) یعنی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جماعت استسقاء مسنون نہیں، اکیلے اکیلے (نوافل کی صورت میں) جائز ہے، کیونکہ طلب بارش دعا واستغفار ہے، جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے فقلت استغفروا ربكم انه كان غفارا يرسل السماء عليكم مدرارا۔ (النوح: ۱۰) نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا اپنے رب کے حضور استغفار کرو، وہ بخشنے والا ہے، تمہارے لیے آسمان سے بارش اتارے گا، حضور علیہ السلام کو بھی ان اوقات میں جماعت استسقاء پڑھاتے نہیں دیکھا گیا، صاحبین کے نزدیک حضور علیہ السلام سے دو رکعتیں نماز عید کی طرح مروی ہیں، اس کو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے۔ صاحبِ ہدایہ فرماتے ہیں کہ گویا حضور علیہ السلام سے یہ نماز پڑھنا اور ترک کرنا دونوں ثابت ہیں لہٰذا اسے سنت قرار نہیں دیا جا سکتا۔

اتنی سی بات تھی جسے افسانہ کر دیا

علامہ عبدالرحمٰن الدمشقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اتفقوا على ان الاستسقاء مسنون واختلفوا هل ليس له صلاة ام لا فقال مالك والشافعي واحمد وصاحبا ابي

حنيفة تسن جماعة وقال ابو حنيفة لا تسن الصلاة بل يخرج الامام ويدعو فان صلى الناس وحدانا جاز (رحمة الامة ص ۸۳) یعنی استسقاء تو بالاتفاق مسنون ہے، البتہ اس کی باجماعت نماز کے بارے میں اختلاف ہے، امام مالک، امام شافعی، امام احمد، امام ابویوسف اور امام محمد رحمہم اللہ کے نزدیک جماعت مسنون ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جماعت مسنون نہیں، بلکہ امام لوگوں کو ساتھ لے کر شہر سے باہر نکلے اور دعا کرے لوگ اگر اپنی اپنی نماز (نوافل کی صورت میں) پڑھیں تو درست ہے۔

جواب نمبر۳:

مولانا سید امیر علی فرماتے ہیں کہ مصنف (ہدایہ) کی عبارت سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ نفی مقید ہے، یعنی ایسی جماعت نہیں جو سنت ہو ہاں ایسی جماعت ہو سکتی ہے جو سنت نہ ہو جائز ہو (عین الہدایہ ج ا ص ۶۸۴)

جواب نمبر۴:

بخاری ج ا ص ۱۳۸، مسلم ج ا ص ۳۹۳ وغیرہ میں روایت ہے کہ حضور علیہ الصلاۃ والسلام سے طلب بارش کی درخواست کی گئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر خطبہ میں دعا فرمائی اور بارش شروع ہو گئی، امام صاحب کا استدلال یہی روایت ہے کہ استسقاء کے لیے جماعت شرط وضروری نہیں۔

جواب نمبر۵:

بخاری ج ا ص ۱۳۷ وغیرہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے توسل سے بارش کے لیے دعا مانگی۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ جماعت ضروری نہیں، استسقاء کے لیے دیگر شرعی ذرائع بھی موجود ہیں۔

جواب نمبر۶:

مصنف ابن ابی شیبہ ج ۲ ص ۴۷۴ میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ استسقاء کے لیے نکلے اور

سوائے استغفار کے کچھ نہ کیا یعنی نہ نماز پڑھی اور نہ خطبہ دیا، جماعت استسقاء اگر مسنون ہوتی تو عمر فاروق رضی اللہ عنہ کبھی ترک نہ کرتے۔

جواب نمبر ۷:

علامہ عینی نے ابن ابی شیبہ سے بسند صحیح نقل کیا ہے کہ مغیرہ بن عبداللہ نماز استسقاء پڑھنے لگا تو امام ابراہیم نخعی یہ کہہ کر واپس لوٹ آئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے استسقاء کے لیے استغفار سے زائد کچھ نہیں کیا۔ (عین الہدایہ ج ۱ ص ۶۸۴)

جواب نمبر ۸:

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ استسقاء کی حقیقت تو استغفار ہی ہے۔

(مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۸۸)

جواب نمبر ۹:

مدارک و کشاف میں ہے کہ امام حسین رضی اللہ عنہ سے قحط کی شکایت کی گئی تو آپ نے استغفار کا حکم دیا۔ (تفسیرات احمدیہ ص ۸۶۸)

جواب نمبر ۱۰:

علامہ نووی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ نے استسقاء کے تین طریقے بیان کیے ہیں: ① دعا بغیر نماز کے۔ ② خطبہ اور فرض نمازوں کے بعد دعا یہ طریقہ پہلے سے افضل ہے۔ ③ جماعت استسقاء یہ پہلے دونوں طریقوں سے افضل ہے۔ (شرح مسلم ج ۱ ص ۲۹۲) قطع نظر اس سے کہ افضلیت کس طریقہ کو حاصل ہے۔ یہ حقیقت واضح ہو چکی ہے کہ جماعت استسقاء سنت موکدہ نہیں۔

جواب نمبر ۱۱:

مولانا محمد اسماعیل سلفی مرحوم فرماتے ہیں کہ جب بارش نہ ہو، قحط کے آثار ظاہر ہونے لگیں

تو بارش کے لیے دعا کرنا اور کثرت سے استغفار کرنا مسنون ہے، آنحضرت ﷺ عام معمول کے مطابق بارش کے لیے دعا فرماتے، کبھی جمعہ کے خطبہ میں، کبھی باہر کھلے میدان میں باجماعت نماز ادا فرماتے، خطبہ دیتے اور دعا کرتے۔ (رسول اکرم ﷺ کی نماز ص ۱۲۳) مولانا سلفی مرحوم بھی استغفار کو ہی مسنون قرار دے رہے ہیں۔

جواب نمبر ۱۲:

مولانا سلفی مرحوم نے جماعت استسقاء کے بھی دو طریقے بیان کیے ہیں۔ ① نمازِ عید کی طرح بارہ تکبیرات سے دو رکعت۔ ② نمازِ جمعہ کی طرح قرأت بالجہر کے ساتھ دو رکعت

(رسول اکرم ﷺ کی نماز ص ۱۲۳)

علامہ عبدالرحمٰن الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **واختلف من رای ان لها صلوة فی صفتها، فقال الشافعی واحمد مثل صلوة العید و یجهر بالقرأة وقال مالك صفتها رکعتان کسائر الصلاة ویجهر بالقرأة** (رحمة الامة ص ۸۳)

یعنی جماعت استسقاء کو مسنون قرار دینے والوں میں بھی اس کے طریقہ میں اختلاف واقع ہو گیا ہے، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک وہ نماز عید کی طرح ہے اور امام مالک کے نزدیک نماز جمعہ کی طرح۔

محترم! ان میں سے مسنون طریقہ کون سا ہے؟ اور پھر خطبہ کے بارے میں بھی ان ائمہ میں اختلاف ہے، امام مالک و امام شافعی کے نزدیک خطبہ مسنون ہے اور امام احمد کے نزدیک صرف دعا و استغفار ہے۔

جواب نمبر ۱۳:

امام صاحب کے علاوہ باقی فقہاء احناف جماعت استسقاء کے مسنون ہونے کے قائل ہیں۔ (کبیری ص ۴۲۹، درمختار ج ۱ ص ۱۱۸) اختلاف فقط اتنا ہے کہ امام صاحب کے نزدیک یہ جماعت مسنون نہیں، باقی فقہاء کے نزدیک مسنون ہے۔ یہی مفتی بہ قول ہے اور اسی پر فتویٰ ہے۔

جواب نمبر۱۴:

شرح نقایہ ج۱ص۱۰۶، کبیری ص۴۲۷ میں ہے امام صاحب کے نزدیک نماز استسقاء مستحب ہے، یعنی ناجائز وحرام نہیں۔

جواب نمبر۱۵:

علامہ عینی فرماتے ہیں کہ بعض متعصب لوگ کہتے ہیں کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک جماعت استسقاء بدعت ہے حالانکہ ابوحنیفہ نے ہرگز اسے بدعت نہیں کہا، سنت ہونے سے انکار ضرور کیا ہے، جب ان کے نزدیک سنت نہیں تو احتمال ہے کہ شاید مستحب وجائز ہو اور منافع میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی فعل سنت نہیں ہوجاتا جب تک کہ اس پر مواظبت ثابت نہ ہوجائے۔ (عین الہدایہ ج۱ص۶۸۴)

اعتراض نمبر۴:

چوتھا اعتراض آپ کا یہ ہے کہ درمختار میں ہے کہ مدینہ منورہ احناف کے نزدیک حرم نہیں یہ مسئلہ بھی احادیث صحیحہ کے خلاف ہے۔

جواب نمبر۱:

امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر احادیث صحیحہ کی صریح خلاف ورزی کا یہ الزام بھی آپ کے دوغلے پن کی عکاسی کرتا ہے۔

جواب نمبر۲:

علامہ عبدالرحمٰن الدمشقی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ وقتل صيد حرم المدينة حرام و كذا قطع شجره وهل يضمن؟ للشافعي قولان، الجديد الراجح منهما لايضمن وهو مذهب ابى حنيفة والقديم المختار انه يضمن بسلب القاتل والقاطع وهو مذهب مالك واحمد۔ (رحمة الامة ص۱۴۰) یعنی حرم مدینہ میں

شکار اور قطع شجر کے بارے میں اختلاف ہے، امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک قول کے مطابق (جو راجح بھی ہے اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے قول کے موافق بھی) اس پر ضمان نہیں ہے، اور دوسرے قول کے مطابق (جو امام مالک وامام احمد کے موافق ہے) اس پر ضمان ہے، علامہ نورالدین علی بن احمد سمہودی فرماتے ہیں کہ اتفق الشافعي ومالك واحمد رحمهم الله على تحريم الصيد حرم المدينة واصطياده وقطع شجره وقال ابو حنيفة لا يحرم شيء من ذلك۔ (وفاء الوفاء باخبار دار المصطفى ج۱ ص۱۰۵)

یعنی امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ متفق ہیں کہ حرمِ مدینہ میں شکار اور قطع شجر حرام ہے اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک حرام نہیں ہے، اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مسئلہ میں مختلف مسالک ہیں، پہلا مسلک امام ابوحنیفہ، امام سفیان ثوری اور امام عبداللہ بن مبارک رحمہم اللہ وغیرہ کے نزدیک مدینہ منورہ مکہ مکرمہ کی طرح حرم نہیں، اس بارے میں فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم امر تعظیمی ہے امر حکمی نہیں، اسی لیے وہاں شکار اور قطع شجر جائز ہے جیسا کہ رد المحتار ج۲ ص۲۷۸ میں ہے کہ حرم مدینہ میں شکار اور قطع شجر کی حرمت کے لیے دلیل قطعی چاہیے جو یہاں موجود نہیں دوسرا مسلک، امام زہری، امام شافعی، امام مالک، امام احمد اور امام اسحاق رحمہم اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ حرم مدینہ منورہ حرم مکہ کی طرح ہے، جہاں نہ شکار درست ہے اور نہ قطع شجر البتہ اگر کسی نے شکار کرلیا یا درخت کاٹ لیا تو اس پر صرف استغفار ہے، ضمان کوئی نہیں۔ (اعلاء السنن ج۱۰ص۴۸۴) علامہ سمہودی فرماتے ہیں کہ وقد اختلف القائلون بالتحريم في حرم المدينة بالنسبته الى الضمان بالجزاء فعن احمد روايتان وللشافعي ايضا قولان الجديد منهما عدم الضمان وهو قول مالك۔ (وفاء الوفاء ج۱ ص۱۰۸) یعنی مدینہ منورہ کو مکہ مکرمہ کی طرح حرم قرار دینے والوں میں بھی قطع شجر اور شکار کے ضمان وجزاء میں اختلاف واقع ہوا ہے۔ امام احمد وامام شافعی سے دو دو قول منقول ہیں، قول جدید عدم ضمان کا ہے اور یہی قول امام مالک کا بھی ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ:

امام مالک، امام شافعی اور جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ حرم مدینہ میں شکار اور قطع شجر بغیر ضمان کے حرام ہے۔(اشقة اللمعات ج ۲ ص ۳۸۸)

تیسرا مسلک امام محمد بن ابی ذئب کے نزدیک حرم مدینہ میں شکار اور قطع شجر سے ضمان لازم آئے گا، اس اختلاف سے صاف ظاہر ہے کہ یہ خالص ایک اجتہادی مسئلہ ہے۔

جواب نمبر۳:

علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ

آنحضرت ﷺ کا یہ فرمانا کہ مدینہ کو میں نے حرام کیا اس سے حرمت تعظیمی مراد ہے، دلیل اس کی یہ ہے کہ حدیث مسلم میں آپ نے فرمایا کہ مدینہ کے درختوں کے پتے نہ جھاڑے جائیں سوائے جانوروں کے کھلانے کے لیے حالانکہ حرم مکہ کے درختوں کے پتے کسی صورت بھی جھاڑنے جائز نہیں، باقی رہا شکار مدینہ کا تو اگرچہ چند صحابہ نے اس کو حرام کہا ہے، لیکن جمہور صحابہ نے اسے حرام نہیں کہا، اور شکار مدینہ کی حرمت پر کوئی قابلِ اعتماد حدیث بھی ثابت نہیں۔(مرقات بحوالہ فتح المبین ص ۱۶۵)

جواب نمبر۴:

آپ کو شکوہ ہے کہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ حرم مدینہ کے درخت کاٹنے کو حرام قرار نہیں دیتے، لیکن آپ کے اکابر تو روضہ رسول ﷺ کو منہدم کرنے کو واجب قرار دیتے ہیں جیسا کہ نواب نورالحسن خان فرماتے ہیں کہ ''مسلمانوں پر واجب ہے کہ پیغمبر وغیر پیغمبر میں تفریق کیے بغیر سب کی قبریں زمین کے برابر کردیں۔(عرف الجادی ص ۶۰) نعوذ باللہ من ذلک۔

محترم! حرم مدینہ کے درخت کاٹنا زیادہ سنگین جرم ہے یا روضہ اقدس کا انہدام؟ قطع شجر کے جواز کا فتویٰ قابل گرفت ہے یا انہدام روضہ رسول ﷺ کے وجوب کا فتویٰ؟ فاعتبروا اولی الابصار۔

جواب نمبر۶:

محترم! آپ حرم مدینہ کا ذکر لیے بیٹھے ہیں۔ آپ کے نواب صدیق حسن خان تو فرماتے

ہیں کہ اگر حرم مکہ میں شکار کیا یا درخت کاٹا تو سوائے گناہ کے کوئی جزا نہیں۔

(الروضۃ الندیہ ج ۲ ص ۱۶۸)

اعتراض نمبر۵:

آپ کا پانچواں اعتراض یہ ہے کہ ہدایہ میں ج ۱ ص ۱۴۸ میں ہے کہ دیہات میں جمعہ جائز نہیں، یہ مسئلہ بھی قرآن وحدیث کے صریح خلاف ہے۔

جواب نمبر۱:

احناف کا یہ موقف محض قیاسات وقرائن پر مبنی نہیں بلکہ ایسے حقائق وشواہد پر مبنی ہے جس پر خلفائے راشدین کا مسلسل عمل موجود ہے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ **لا جمعة ولا تشريق الا فى مصر جامع و كان يعد الامصار البصرة والكوفة والمدينة والبحرين**۔ (مصنف عبدالرزاق ج ۳ ص ۱۶۸، نیل الاوطار ج ۳ ص ۳۳۴، مصنف ابن شیبۃ ج ۲ ص ۱۰۱، سنن الکبریٰ ج ۳ ص ۲۷۹، محلی بن حزم ج ۵ ص ۵۳) یعنی جمعہ اور عید، بصرہ، کوفہ، مدینہ اور بحرین جیسے بڑے شہر میں ہی جائز ہے، اس اثر کو حاشیہ بخاری ج ۱ ص ۱۲۲، فتح الباری ج ۲ ص ۳۸، عمدۃ القاری ج ۳ ص ۳۶۴ اور فتاویٰ علمائے حدیث ج ۴ ص ۱۴۱ میں صحیح تسلیم کیا گیا ہے، علامہ انور کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہ اثر بخاری ومسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ (فیض الباری ج ۲ ص ۳۳۱)

جواب نمبر۲:

کبیری ص ۵۴۹ میں ہے کہ علی بن ابی طالب، حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہما، عطاء بن ابی رباح، حسن بصری، ابراہیم نخعی، مجاہد، محمد بن سیرین اور سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک چھوٹی بستیوں میں جمعہ درست نہیں، خدا معلوم پھر آپ کے نزدیک مجرم تنہا احناف ہی کیوں ہیں؟

جواب نمبر۳:

عہد نبوی ﷺ میں سنہ ۹ ہجری تک صرف تین مقامات میں جمعہ ہوتے تھے۔ ① مدینہ

منورہ، ② مکہ مکرمہ، ③ جواثی۔

جواب نمبر ۴:

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے چھتیس ہزار چھوٹے بڑے شہر فتح کیے، لیکن جمعہ صرف نوسو مقامات پر جاری فرمایا۔ (ازالۃ الخفاء ج ۲ ص ۶۵)

جواب نمبر ۵:

شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ، آپ کے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم اور ائمہ مجتہدین رحمہم اللہ **یجمعون البلدان ولا یواخذون اھل البدو** شہروں میں جمعہ قائم کرتے تھے اور گاؤں والوں سے تعرض نہ کرتے تھے اور نہ ان کے عہد میں دیہات کے اندر جمعہ قائم کیا جاتا تھا اس کے بعد قرن بعد قرن لوگ یہ بات سمجھ گئے کہ جمعہ کے لیے جماعت اور شہریت شرط ہے۔ (حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۵۳۳)

جواب نمبر ۶:

مولانا محمد اسماعیل سلفی مرحوم عورت، بیمار، مسافر، غلام، معذار بچوں کو جمعہ سے مستثنیٰ قرار دیتے ہیں۔ (رسول اکرم ﷺ کی نماز ص ۱۱۷) حالانکہ طبرانی فی الاوسط میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اہل بادیہ (یعنی گاؤں والوں) کو بھی جمعہ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔

جواب نمبر ۷:

مولانا سلفی مرحوم فرماتے ہیں کہ جمعہ کی شرائط میں گاؤں یا شہر کا تذکرہ بے فائدہ ہے، جہاں مناسب اجتماع ہو سکے، کام کا خطیب مل سکے، جمعہ ادا کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، گاؤں یا شہر کی بجائے خطیب کی صلاحیت پر بحث ہوتی تو معقول بات سمجھی جاتی۔
(رسول اکرم ﷺ کی نماز ص ۱۱۸)

مناسب اجتماع اور خطیب کی شرائط کون سی نص صریح سے ثابت ہیں؟ پھر مناسب اجتماع کی تعریف کیا ہوگی؟ صلاحیت خطیب کی شرعی شرائط کیا ہوں گی؟ صرف یہی کہ وہ امام اعظم

اور فقہ حنفی کے خلاف تبرابازی کا غیر مقلدانہ کورس مکمل کر چکا ہو؟

اعتراض نمبر ۶:

چھٹا اعتراض آپ کا یہ ہے کہ شامی ج ۲ ص ۶۸۴ میں ہے کہ مرد انتہائے مغرب میں اور عورت انتہائے مشرق میں ہو، دونوں کے درمیان سال بھر کی مسافت کا فاصلہ ہو ان کا نکاح ہو جائے، نکاح کے چھ ماہ بعد عورت بچہ جنے تو یہ بچہ ثابت النسب ہوگا۔

جواب نمبر ۱:

یہ مسئلہ آخر کون سے حکم قرآنی اور کس فرمانِ نبوی ﷺ کے خلاف ہے؟ آپ نے اس کی وضاحت ضروری نہیں سمجھی۔

جواب نمبر ۲:

محترم! ذرا غور کر کے جواب دیجیے اور مفتیان جامعہ اثریہ سے مشورہ کر لینے میں کوئی حرج نہیں کہ مذکورہ صورت میں باپ اگر بچہ کے نسب سے انکار نہیں کرتا تو کسی تیسرے شخص کے پاس کون سا شرعی جواز ہے کہ وہ اس سے انکار کرے، کیونکہ نسب تو مرد کے اقرار سے ہی ثابت ہوگا، فقہا نے یہ کہاں لکھا ہے کہ مرد کے انکار کے باوجود بھی بچہ کا نسب ثابت رہے گا؟

جواب نمبر ۳:

باقی رہا یہ مسئلہ کہ کیا ایسا ممکن بھی ہے؟ تو اس سے انکار صرف منکر کرامات کے ذہن میں ہی آ سکتا ہے کیونکہ فقہا نے صراحت کی ہے کہ کرامتاً خاوند کا بیوی کے پاس یا بیوی کا خاوند کے پاس پہنچ جانا ممکن ہے، اور کرامتاً مہینوں و سالوں کا سفر لمحوں میں طے کر لینے کا ثبوت قرآن پاک میں موجود ہے، سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف بن برخیا نے کہا **ان اتیک بہ قبل ان یرتد الیک طرفک** (النحل: ۴۰) میں پلک جھپکنے کی دیر میں تخت بلقیس لے آؤں گا، چنانچہ وہ لے آیا اس سے ثابت ہوا کہ کرامتاً ایسا ممکن ہے۔

جواب نمبر۴:

آپ کے معروف بزرگ مولوی عنایت اللہ اثری اسی مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

وہ بچہ اس لیے صحیح النسب ہے کہ بطور کرامت، استخدام الجن سے دونوں (میاں بیوی) کا ملاپ ممکن ہے، کہ وہ اس کے پاس گئی ہوگی یا وہ اُس کے پاس آیا ہوگا۔ (عیون زمزم ص ۱۹)

جواب نمبر۵:

آپ کے محسن بزرگ مولوی محمد جوناگڑھی حدیث الولد للفراش وللعاہر الحجر پر بحث کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ

بچہ صاحبِ فراش کو (یعنی خاوند) ملے گا۔ کیونکہ فراش کے عمل کا موجب یہی ہے پس لازمی ہے کہ آپ کے اس حکم اور فتویٰ کو یونہی تسلیم کرلیا جائے۔ (فتاویٰ نبوی ص ۶۷) سردار اہل حدیث مولانا ثناء اللہ امرتسری ؒ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ طلاق کے بعد عدت میں کسی غیر سے وطی کی تو بچہ خاوند کا ہوگا۔ **الولد للفراش** (فتاویٰ ثنائیہ ج ۲ ص ۱۰۷) صلائے عام ہے فضلاءِ مدینہ یونیورسٹی کے لیے طلاق کے بعد بھی بچہ ثابت النسب ہوگا۔

جواب نمبر۶:

خاوند اگر بیوی پر زنا کی تہمت لگا کر بچہ کے نسب سے انکار کرے تو اس کے لیے لعان کا حکم قرآنی موجود ہے۔ مشکوٰۃ باب اللعان میں ابن عمر ؓ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایسے ایک جھگڑا میں لعان کے بعد بچہ ماں کے حوالہ کردیا۔

اعتراض نمبر۷:

آپ کا ساتواں اعتراض یہ ہے کہ ہدایہ اخیرین ص ۴۸ میں ہے گندم، جو، شہد اور مکئی سے بنائی گئی شراب امام ابوحنیفہ ؒ کے نزدیک حلال ہے۔

اعتراض نمبر۸:

آپ کا آٹھواں اعتراض یہ ہے کہ ہدایہ اخیرین ص ۴۸۱ میں ہے عصیر انگور کو جب پکایا جائے یہاں تک کہ اس کا دو تہائی ختم ہو جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے ایسی (انگوری شراب) امام ابوحنیفہ اور قاضی ابو یوسف کے نزدیک حلال ہے۔ اور امام محمد، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک حرام ہے۔ یہ اختلاف اس لیے ہے کہ جب (شراب) پینے والے کا ارادہ طاقت حاصل کرنے کا ہو۔ الخ۔

نوٹ:

بریکٹ میں آپ نے شراب اور انگوری شراب کا الفاظ کا اضافہ کرکے صرف خبث باطن کا ہی نہیں بھرپور جہالت کا بھی ثبوت دیا ہے۔

جواب نمبر۱:

مولانا سید امیر علی ؒ فرماتے ہیں کہ شراب چار قسم پر ہے۔ ① خمر وہ شیرہ انگور جو جوش لا کر تندی اور سختی لائے اور جھاگ چھوڑے۔ ② طلاء وہ شیرہ انگور جو پک کر دو تہائی سے کم اڑ جائے۔ ③ سکر نقیع التمر، جب کہ جوش کھا کر سختی لائے۔ ④ نقیع الذبیب، جب کہ جوش کھا کر سختی لائے۔ (عین الہدایہ ج ۴ ص ۳۳۸)

جواب نمبر۲:

تبیین الحقائق شرح کنز الدقائق کتاب الاشربہ میں صحیح مسلم کے حوالہ سے یہ روایت منقول ہے کہ "آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ خمر ان دونوں درختوں سے ہے اور اشارہ انگور اور خرما کی طرف کیا"، گویا تحریم ان دونوں کے ساتھ خاص کی گئی، ان کے علاوہ باقی چیزوں کے لیے نبیذ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ (عین الہدایہ ج ۴ ص ۳۸۸) علامہ عبدالرحمٰن الدمشقی فرماتے ہیں کہ **واما نبیذ الحنطة والشعیر الذرة والعسل والازر فانه حلال**

عندہ نقیعا ومطبوخا وانما یحرم للمسکر منہ و یحدفیہ۔ (رحمة الامة ص ۳۷۴) یعنی نبیذ ہر چیز کی امام صاحب کے نزدیک حلال ہے۔ وہ پانی میں بھگوئی ہوئی ہو یا پکی ہوئی، البتہ اگر اس میں نشہ آ جائے تو حرام ہے اور پینے والے پر حد ہے۔

جواب نمبر ۳:

کتب فقہ میں ان کے لیے الگ الگ باب ہیں حتی کہ صاحب ہدایہ نے بھی پہلے خمر کے احکامات بیان فرمائے ہیں کہ اس کی حرمت قطعی ہے، اس لیے پینے والے پر حد ہے، عین خمر حرام ہے اور علت نشہ سے معلول نہیں، نجاست غلیظہ ہے، اس کو حلال جاننے والا کافر ہے وغیرہ۔

ان کے بیان کرنے کے بعد صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ہذا ہو الکلام فی الخمر یعنی یہ خمر کا بیان تھا جو ختم ہوا اس کے بعد وہ دوسری چیزوں کا ذکر فرماتے ہیں۔ علامہ عبدالرحمٰن الدمشقی فرماتے ہیں کہ اجمع الائمة علی تحریم الخمر ونجاستها وان شرب کثیرها وقلیلها موجب للحدّ وان من استحلها حکم بکفر واتفقوا علی ان عصیر العنب اذا اشتد وقذف زیده فهو خمر، واختلفوا فیه اذا مضی علیه ثلاثة ایام ولم یشتد ولم یسکر فقال احمد اذا مضی علی العصیر ثلاثة ایام صار خمرا وحرم شربه وان لم یشتد ولم یسکر، وقال ابو حنیفة ومالك والشافعی لا یصیر خمرا حتی یشتد و یسکر یقذف زیده (رحمة الامة ص ۳۷۳)

یعنی خمر کے حرام و نجس ہونے پر سب ائمہ کا اجماع ہے، تھوڑی یا زیادہ پینے والے پر حد واجب ہو جاتی ہے۔ اس کو حلال سمجھنے والا کافر ہو جاتا ہے، اور اس پر بھی اتفاق ہے کہ انگور کا شیرہ جب سختی لے آئے اور جھاگ چھوڑے تو وہ خمر ہے البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اگر اس پر تین دن گزر جائیں، نہ وہ سختی لائے اور نہ نشہ تو اس کا کیا حکم ہے امام احمد کے نزدیک وہ پھر بھی خمر ہے اور اس کا پینا حرام ہے، جب کہ امام ابوحنیفہ، امام مالک اور امام شافعی کے نزدیک نہ وہ خمر ہے اور نہ اس کا پینا حرام ہے۔

جواب نمبر ۴:

باقی رہا امام ابوحنیفہ پر یہ اعتراض کہ وہ شیرہ انگوری کے دو تہائی جل جانے پر بھی اسے حلال قرار دیتے ہیں تو جناب اہل حدیث صاحب اگر یہ اعتراض کرنے سے قبل کتب حدیث اور عمل صحابہ کا مختصر جائزہ لے لیا ہوتا تو یقیناً آپ کی جہالت بے نقاب نہ ہوتی۔

علامہ عبدالرحمٰن الشافعی فرماتے ہیں کہ واتفقوا علی ان المطبوخ من عصیر العنب اذا ذهب اقل من ثلاثة فانه حرام وانه اذا ذهب ثلثاء فانه حلال مالم یسکر فان اسکر حرم کثیره و قلیله (رحمة الامة ص ۳۷۴) شیرہ انگوری جب پک کر ایک تہائی سے کم رہ جائے تو بالاتفاق حرام ہے، اور اگر ایک تہائی رہ جائے بالاتفاق حلال ہے بشرطیکہ نشہ نہ کرے، اور اگر نشہ کرے تو تھوڑا بھی حرام ہے اور زیادہ بھی۔

محترم! اس کے حلت کا فتویٰ اس لیے ہے کہ اکابر صحابہ کا پینا ثابت ہے۔ ابوموسیٰ اشعری اور ابوالدرداء رضی اللہ عنہما طلاء مثلث پیتے تھے۔ (نسائی) عمر بن الخطاب، ابوعبیدہ بن الجراح، معاذ بن جبل رضی اللہ عنہم طلاء مثلث پیتے تھے۔ بخاری ج ۱ ص ۸۳۸) براء بن عازب اور ابوجحیفہ رضی اللہ عنہما طلاء نصف پیتے تھے۔ (بخاری ج ۲ ص ۸۳۸) امام ابوداؤد نے امام احمد سے طلاء مثلث کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا: لاباس بہ اس میں کوئی حرج نہیں، کہا لوگ کہتے ہیں نشہ کرتا ہے۔ فرمایا: لو کان یسکر لما احله عمر اگر نشہ پیدا کرتا تو عمر رضی اللہ عنہ اسے حلال نہ کرتے۔ (شرح کنز بحوالہ فتح المبین ص ۲۱۹)

محترم! میں آپ سے سوال کرتا ہوں کہ ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراض کرنے سے قبل مذکورہ صحابہ پر کوئی فتویٰ صادر کیجیے۔

وہ بھی انگوری شراب (بقول آپ کے) حلال نہیں سمجھتے، پیتے بھی ہیں، طحاوی ج ۲ ص ۳۵۹ میں ہے عمر رضی اللہ عنہ نبیذ پیتے تھے، رد المحتار ج ۵ ص ۲۹۱ میں ہے کہ عمر، علی اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم جیسے اصحاب بدر نبیذ شدید کو حلال قرار دیتے تھے، اسی طرح امام شعبی اور

ابراہیم نخعی بھی اسی لیے امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ اگر مجھے ساری دنیا بھی دے دی جائے تو میں حرمتِ نبیذ کا فتویٰ نہ دوں گا۔ کیونکہ بعض صحابہ کا نبیذ پینا ثابت ہے اس سے نعوذ باللہ تعالیٰ ان کو فسق کی طرف منسوب کیا جائے گا۔اور اگر مجھے ساری دنیا مل جائے تو میں نبیذ نہیں پیوں گا کیونکہ اس کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔(معراج الدرایہ بحوالہ فتح المبین ص ۲۲۱)

جناب والا! ابوحنیفہ کے کمال فراست کا بھی جائزہ لیجیے اور اپنے کمال جہالت کا بھی، رد المحتار ج ۵ ص ۲۵۳ میں ہے قاضی ابویوسف رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص نشہ کا ارادہ کر کے نبیذ پیئے گا تو قلیل و کثیر دونوں حرام ہو جائیں گے۔

اعتراض نمبر۹:

آپ کا نواں اعتراض یہ ہے کہ قاضی خان ج ۳ ص ۴۶۸ میں ہے کہ اگر کوئی آدمی محرماتِ ابدیہ جیسے بیٹی، بہن، ماں، پھوپھی اور خالہ سے نکاح کرے اور اس سے جماع کرے تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اس پر حد نہیں۔

جواب نمبر۱:

محترم! آپ کا فرض تھا کہ اعتراض کرنے کے بعد اس کی حد نص صریح کے حوالہ سے نقل کرتے، لیکن آپ نے حد نقل نہیں کی۔

جواب نمبر۲:

طحاوی ج ۲ ص ۳۷ میں ہے سوتیلی ماں سے نکاح کی وجہ سے مرتد ہو گیا، کیونکہ اس نے حرام کو حلال سمجھا، لہٰذا اس پر ارتداد کی سزا نافذ ہو گی اور یہ صرف عقدِ نکاح ہی سے نافذ ہو جائے گی، اس کے لیے مباشرت شرط نہیں اور اگر اس نے یہ نکاح حرام سمجھ کر کیا تو مباشرت و وطی کی صورت میں حد نافذ ہو گی، اسی طرح محرم سے بلا نکاح وطی کی تو بھی حد نافذ ہو گی یہی امام ابوحنیفہ اور سفیان ثوری کا مذہب ہے۔

محترم! ذرا غور فرمائیے کہ مسئلہ کی تین صورتیں ہیں اول محرمات میں سے کسی کے ساتھ

نکاح کیا، اگر حلال اور جائز سمجھ کر کیا تو کافر و مرتد ہو گیا، لہٰذا اس پر ارتداد کی شرعی سزا نافذ ہو گی اور اگر حرام و ناجائز سمجھ کر کیا تو اس کے لیے شرعاً کوئی حد اور سزا مقرر نہیں ہے، دوم نکاح کے بعد اگر اس نے وطی و مباشرت بھی کر لی تو یہ زنا ہے۔ لہٰذا اس پر زنا کی حد جاری ہو گی، سوم بغیر نکاح کے اگر کسی نے محرمات میں سے کسی کے ساتھ زنا کر لیا تو اس پر بھی زنا کی حد جاری ہو گی۔

جواب نمبر۳:

باقی رہا مسئلہ یہ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے شخص کے لیے قتل کی سزا کا حکم دیا ہے تو اس کے بارے میں قاضی شوکانی فرماتے ہیں کہ اس نے فعل حرام کو حلال سمجھا جو کفر کے لوازمات میں سے ہے، اس لیے اسے قتل کیا گیا۔(نیل الاوطار ج ۷ ص ۱۲۲) گویا یہ قتل کی سزا حد نہیں بلکہ ارتداد کی سزا تھی۔امام حافظ ابن الہمام الحنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ یہ قتل کی سزا بطور سیاست و تعزیر تھی۔(فتح القدیر ص ۱۴۸) اس سے صاف ظاہر ہے کہ اختلاف قتل کی سزا میں نہیں ہے، بلکہ اس میں ہے کہ یہ قتل کی سزا حد ہے یا تعزیر؟ درمختار ج ۳ ص ۱۷۹ میں ہے اسے تعزیراً قتل کیا جائے گا۔ عالمگیری ج ۲ ص ۱۴۸ میں ہے' اسے عبرت ناک سزا دی جائے گی، طحاوی ج ۲ ص ۹۷ میں ہے یہ زنا سے بڑا گناہ ہے'ولکن یجب فیه التعزیر و العقوبة البلیغة اس پر تعزیراً سخت ترین سزا واجب ہے۔ حافظ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے کہا: ماں بیٹی وغیرہ سے نکاح جائز ہے وہ کافر، مرتد اور واجب القتل ہے۔

(فتح القدیر ج ۵ ص ۴۲، طحاوی ج ۲ ص ۹۶)

جواب نمبر۴:

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ایما امراة نکحت نفسها بغیر اذن ولیها فنکاحها باطل باطل باطل (مسند احمد، ابوداؤد، ترمذی) جس عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر خود بخود نکاح کر لیا، اس کا نکاح باطل ہے، باطل ہے، باطل ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا: لا

نکاح الی بولی (ابن ماجہ ص ۱۳۶) ولی کے بغیر نکاح نہیں ہے، بلکہ مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: ولا تزوج المراة نفسها فان الزانية هي التي تزوج نفسها (ایضاً ص ۱۳۶) عورت خود بخود (بغیر اذن ولی کے) نکاح نہ کرے بے شک خود بخود نکاح کرنے والی زانیہ ہے۔ ان فرامین نبوت کی روشنی میں آپ سے میرا سوال یہ ہے کہ بغیر اذن ولی کے نکاح کرنے والی عورت جسے حضور علیہ السلام زانیہ قرار دے رہے ہیں اس کی شرعی حد کیا ہے؟ حدیث صحیح سے اس کا ثبوت چاہیے۔ ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

جواب نمبر۵:

آپ کے نامور بزرگ نواب نورالحسن خان رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ زنا کی بیٹی سے نکاح جائز ہے۔ (عرف الجادی ص ۱۱۳) سردار اہل حدیث مولانا ثناء اللہ امرتسری فرماتے ہیں کہ دادی کے ساتھ پوتے کا نکاح جائز ہے اس کی حرمت منصوص نہیں۔

(اخبار اہل حدیث رمضان ۱۳۸۸ھ بحوالہ معین الفقہ ص ۹۵)

یہ مسائل تصوف یہ ترا بیاں غالب
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

محترم! ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے تو نہ اس نکاح کو جائز قرار دیا، نہ اس کی حرمت منصوصہ سے انکار کیا اور نہ اس کی سزا سے انکار کیا، صرف اس سزا کا نام حد کی بجائے تعزیر رکھ دیا تو آپ نے آسمان سر پر اٹھا لیا، لیکن یہاں تو سب کچھ قرآن و حدیث کے نام پر ہو رہا ہے، اس کے بارے میں بھی کچھ وضاحت فرما دیجیے۔

اعتراض نمبر۱۰:

آپ کا دسواں اعتراض یہ ہے کہ حاشیہ طحاوی ص ۹۰ میں ہے کہ بے شک خنزیر کی جلد دباغت سے پاک ہو جاتی ہے۔

جواب نمبر۱:

علامہ عبدالرحمن الدمشقی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ جلود الميتة كلها تطهر بالدباغ الا جلد الخنزير عند ابی حنيفة واظهر الروايتين عن مالك انها لا تطهر لكنها تستعمل فى الاشياء اليابسة وفى الماء من بين سائر المائعات وعند الشافعى تطهر الجلود كلها بالدباغ الا جلد الكلب والخنزير وما تولد منهما او من احدهما وعن احمد روايتان اشهرهما لا تطهر ولا يباح الانتفاع بها فى شىء كلهم الميتة وحكى عن الزهرى انه قال ينتفع بجلود الميتات كلها من غير دباغ (رحمه الامة ۹) امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک خنزیر کے علاوہ ہر مردار کا چمڑا دباغت سے پاک ہو جاتا ہے۔ امام مالک کی ظاہر روایت کے مطابق کسی مردار کا چمڑا دباغت سے پاک نہیں ہوتا، لیکن اس کو خشک و تر چیزوں کے لیے استعمال کیا جا سکتا ہے۔ امام شافعی کے نزدیک کتے، خنزیر اور ان کی نسل کے سوا باقی ہر مردار کا چمڑا دباغت سے پاک ہو جاتا ہے۔ امام احمد کی مشہور روایت کے مطابق کسی مردار کا چمڑا نہ تو دباغت سے پاک ہوتا ہے اور نہ اس سے فائدہ حاصل کرنا درست ہے اور امام زہری کے نزدیک دباغت کے بغیر ہی ہر مردار کے چمڑے سے فائدہ اٹھانا درست ہے۔ امام بخاری بھی ہر مردار کے چمڑے کو قبل از دباغت پاک اور جائز الاستعمال قرار دیتے ہیں۔ (بخاری ج ۱ ص ۲۹۶، فتح الباری ج ۴ ص ۲۸) اس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ ایک خالص اجتہادی مسئلہ ہے۔

جواب نمبر۲:

مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ کی روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایما اھاب دبغ فقد طهر جس چمڑہ کو بھی دباغت دی جائے وہ پاک ہو جاتا ہے۔ آپ کے معروف غیر مقلد بزرگ مولانا شمس الحق عظیم آبادی اس حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں کہ

یہ حدیث اس شخص کے لیے دلیل ہے جو یہ کہتا ہے کہ دباغت ہر حیوان مردہ کے چمڑہ کو

پاک کرنے والی ہے، جیسے ایما کا عموم اس کا فائدہ دیتا ہے، اسی طرح لفظ اھاب اپنے عموم کے لحاظ سے حلال اور حرام ہر چمڑہ کو شامل ہے۔ (عون المعبود ج ۴ ص ۱۱۳)

محترم! قاضی ابو یوسف کی بجائے حدیث رسول ﷺ کی طرف توجہ دیجیے، خدا تعالیٰ آپ کو سمجھ عطا فرمائے آمین۔

جواب نمبر ۳:

یہی مذہب قاضی شوکانی کا نیل الاوطار ج ۱ ص ۶۲ میں اور حافظ بن قیم کا زاد المعاد ج ۲ ص ۴۳ اور اعلام الموقعین ص ۲۸ میں منقول ہے۔

جواب نمبر ۴:

ذرا اپنے گھر کی بھی خبر لے لیجیے، ابن حزم فرماتے ہیں خنزیر کی کھال پر نماز جائز ہے۔ (محلی ج ۱ ص ۱۱۸) نواب صدیق حسن خان فرماتے ہیں کہ خنزیر کے ناپاک ہونے پر آیت سے استدلال جائز نہیں۔ (بدور الاہلہ ص ۱۵)

نواب نور الحسن خان فرماتے ہیں خنزیر کا خون پاک ہے۔ (عرف الجادی ص ۱۰) نواب وحید الزمان خان فرماتے ہیں کہ جس چمڑہ کو دباغت دی جائے پاک ہو جاتا ہے۔ بعض اصحاب نے خنزیر اور آدمی کو مستثنیٰ کیا ہے۔ حالانکہ صحیح یہ ہے کہ یہ بھی مستثنیٰ نہیں۔ (نزل الابرار ج ۱ ص ۲۹) خدا معلوم آپ کے یہ سارے نواب آپ کے خلاف کیوں یک زبان ہیں؟ مولوی عنایت اللہ اثری فرماتے ہیں کہ جب موسیٰ علیہ السلام وادی مقدس میں اللہ پاک سے ہم کلام ہوئے تو آپ کی جوتی اتروادی گئی کیونکہ وہ مردہ گدھے کے غیر مدبوغ چمڑہ سے تیار شدہ تھی۔ (حصول تیسیر البیان ص ۶۹)

اعتراض نمبر ۱۱:

آپ کا گیارہواں اعتراض یہ ہے کہ ہدایہ اولین ص ۲۴ میں ہے کہ جو چیز دباغت سے پاک ہو جاتی ہے وہ ذبح سے بھی پاک ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اس کا گوشت بھی پاک ہو جاتا ہے۔ الخ

جواب نمبر ۱:

آپ نے عبارت نقل کرنے میں دجل وتلبیس اور بد دیانتی سے کام لیا ہے۔ عبارت کے درمیان سے وضاحتی جملہ ہضم کر گئے ہیں، عبارت میں یہ وضاحتی جملہ صاف موجود ہے۔ **لانہ یعمل عمل الدباغ فی ازالتہ الرطوبات النجسة** اس لیے کہ دباغت کا عمل رطوبات نجسہ زائل کرنے کے لیے کیا جاتا ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **ان الدباغ لا یزید فی التطهیر علی الذکاة** (فتح الباری ج ۹ ص ۵۲۱) یعنی دباغت طہارت کے عمل میں ذبح سے زیادہ فائدہ نہیں دیتی، بلکہ نسائی میں روایت ہے آنحضرت ﷺ نے فرمایا: **ذکاة المیتة دباغها۔** مردار کو ذبح کرنا اس کو دباغت دینا ہے اور دوسری روایت میں ہے **دباغها ذکاتها** دباغت اس کی اس کو ذبح کرنا ہے، اور طہارت میں اصل ذبح ہے، دباغت اس کے قائم مقام ہے، کیا اس کے بعد بھی اعتراض کی کوئی گنجائش باقی ہے؟

جواب نمبر ۲:

علامہ عبد الرحمٰن الدمشقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ **والذکاة لا تعمل شیئا فیما لا یوکل عند الشافعی واحمد واذا ذکیت صارت میة وعند مالك تعمل الا فی الخنزیر واذا ذکی عنده سبع او کلب فجلده طاهر یجوز بیعه والوضوء فیه وان لم یدبغ وکذا عند ابی حنیفة۔** (رحمة الامة ص ۹) امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک حرام جانور کو ذبح کرنے کا عمل کچھ فائدہ نہیں دیتا، امام مالک کے نزدیک خنزیر کے علاوہ باقی کسی بھی جانور کو ذبح کرنے سے جلد یعنی چمڑا اس کا بغیر دباغت کے پاک ہو جاتا ہے، اس کو بیچنا بھی جائز ہے۔ اور اس میں وضو بھی درست ہے۔ اور یہی مذہب ومسلک امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا ہے۔

جواب نمبر٣:

باقی رہا مسئلہ اس کے گوشت کے پاک ہونے کا تو مفتی بہ قول کے مطابق وہ گوشت پاک نہیں ہوتا مراقی الفلاح ص ٩٧ میں ہے **فلا یطھر علی اصح ما یفتی بہ** مفتی بہ اور زیادہ صحیح قول کے مطابق حرام جانوروں کا گوشت ذبح سے پاک نہیں ہوتا۔ علامہ عبدالحئی لکھنوی حاشیہ ہدایہ ص ٢٥ میں اور حافظ ابن ہمام فتح القدیر ص ٣٩ میں فرماتے ہیں **قال کثیر من المشائخ انہ یطھر جلدہ لا لحمہ وھو الاصح واختارہ الشارحون کصاحب العنایۃ وصاحب النھایۃ وغیرھما** یعنی اکثر مشائخ حنفیہ کے نزدیک ذبح سے چمڑا تو پاک ہو جاتا ہے گوشت نہیں، اسی کو صاحب عنایہ اور صاحب نہایہ وغیرہ اکثر شارحین نے اختیار کیا ہے۔ کبیری ص ١٤٤ میں ہے **الصحیح ان اللحم لا یطھر بالذکاۃ** صحیح یہی ہے کہ ذبح سے گوشت پاک نہیں ہوتا، درمختار میں ہے **لا یطھر لحمہ علی قول الاکثر ان کان غیر ماکول ھذا اصح مایفتی بہ** صحیح اور مفتی بہ قول کے مطابق گوشت پاک نہیں ہوتا۔

اعتراض نمبر١٢:

آپ کا بارہواں اعتراض یہ ہے کہ شرح وقایہ ج ٢ ص ٣٤ میں ہے (حق مہر) میں شراب اور خنزیر کا دینا صحیح (جائز) ہے۔

جواب نمبر١:

لعنۃ اللہ علی الکاذبین شاید ائمہ محدثین نے کذاب وضاع الحدیث اور دجال من الدجاجلہ جیسی اصطلاحات آپ جیسے فضلاء مدینہ یونیورسٹی کے لیے وضع کی ہیں؟ غیر مقلدیت کا یہی تو کمال ہے کہ اسے جھوٹ بولتے ہوئے ذرہ برابر شرم اور عار محسوس نہیں ہوتی۔

محترم! آپ کے اس دجل سے تو یقیناً مرزا قادیانی بھی کانپ اٹھا ہوگا۔ آیئے ذرا اصل عبارت ملاحظہ فرمایئے اور اپنے فریب ترجمہ و مفہوم کا جائزہ لیجیے۔ اصل عبارت یہ ہے **وصح النکاح بلا ذکر مھر و مع نفیہ و بخمر وخنزیر۔** (شرح وقایہ ج ٢ ص ٣١) یعنی نکاح صحیح ہے حق مہر کا ذکر کیے بغیر یا اس کی نفی کر کے یا شراب اور خنزیر کے ساتھ حق مہر کر کے۔

محترم! اپنی عربی دانی کا جائزہ لیجیے آخر آپ کہاں کہاں مدینہ یونیورسٹی کا نام اپنی جہالتوں سے روشن کریں گے؟

جناب والا! عبارت کا مطلب یہ نہیں کہ شراب اور خنزیر حق مہر میں دینا صحیح ہے، بلکہ اس کا مفہوم و مطلب یہ ہے کہ حق مہر میں شراب وخنزیر اگر مقرر کیا جائے تو نکاح صحیح ہے، باقی رہی آپ کی یہ الجھن کہ ان کے حق مہر مقرر کرنے سے نکاح کیونکر درست ہو سکتا ہے؟ تو محترم حق مہر نکاح کے لیے شرط نہیں ہے، اگر آپ نے اسی عبارت کے حاشیہ پر غور فرما لیا ہوتا تو ساری الجھن دور ہو جاتی، حاشیہ میں یہ عبارت موجود ہے کہ **فدل ذالک علی جوازہ بدون ذکرہ لتعیینہ وھو یشمل عدم الذکر مطلقا ونفیہ ولما صح النکاح فی باتین الصورتین صح فی صورۃ ما اذا ذکر فی المھر مالا قیمۃ لہ کالخمر والخنزیر ونحوھما ما ھو لیس بمتقوم شرعا** (حاشیہ ١٢ ج ٢ ص ٢١) یعنی آیت "**لا جناح علیکم ان طلقتم النساء مالم تمسوھن او تفرضوا لھن فریضۃ**" (البقرۃ: ٢٣٦) اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ حق مہر کی تعیین اور اس کی نفی کے بغیر بھی نکاح صحیح اور درست ہے، جب اس سے نکاح درست ہے تو ایسی صورت میں بھی نکاح درست ہوگا جب حق مہر میں ایسی چیز ذکر کر دی جائے جس کی کوئی قیمت نہیں ہے، جیسے شراب اور خنزیر وغیرہ۔

محترم! غور فرمایئے کہ شراب اور خنزیر کو حق مہر کی حیثیت سے قبول نہیں کیا جا رہا' بلکہ اس کے ذکر کو عدم ذکر اور بلا قیمت چیز کی حیثیت سے گوارا کیا جا رہا ہے۔

اعتراض نمبر۱۳:

آپ کا تیرھواں اعتراض یہ ہے کہ شرح فقہ اکبر ص ۸۵ میں ہے، شیخین اور دونوں دامادوں رضی اللہ عنہم کو گالی دینا بلکہ خلفاءِ راشدین کو قتل کرنے سے آدمی دائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔

جواب نمبر۱:

یہاں بھی آپ نے عبارت نقل کرنے میں غیر مقلدانہ بددیانتی کا ثبوت دیا ہے، حضرت ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ اس مقام پر یہ بحث فرما رہے ہیں کہ سبِ شیخین وختنین رضی اللہ عنہم کو اگر کوئی شخص حرام وناجائز سمجھ کر کرتا ہے تو وہ کافر ودائرہ اسلام سے خارج نہیں ہوتا **نعم لو استحل السب او القتل فهو كافر لامحالة** ہاں اگر حلال اور جائز سمجھ کر سب اور قتل کرتا ہے تو وہ بلا شک وشبہ کافر ہے۔ محترم آپ نے یہ عبارت کیوں نقل نہیں کی؟ کیا آپ مدینہ یونیورسٹی سے صرف فریب وفراڈ کی ڈگریاں لے کر آئے ہیں؟ اور آگے شرح عقائد کے حوالہ سے یہ صراحت بھی موجود ہے کہ **سب الصحابة الطعن فيهم ان كان مما يخالف الادلته القطعية فكفر الخ** صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر ایسا سب وطعن بھی کفر ہے جو ادلہ قطعیہ کے خلاف ہو، یہ عبارت نقل کرنے کی بھی آپ نے زحمت نہیں اٹھائی۔

جواب نمبر۲:

علامہ ملا علی قاری دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ **وقد صرح بعض علمائنا بانه يقتل من سب الشيخين** رضی اللہ عنہما (مرقاۃ ج۱۱ ص۲۷۳) یعنی بعض علماء نے تصریح کی ہے کہ حضرات شیخین (حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق) رضی اللہ عنہما پر سب کرنے والا قتل کیا جائے گا، علامہ ابنِ نجیم فرماتے ہیں کہ **كل كافر تاب فتوبته فى الدنيا الاخرة الا جماعة الكافر يسب النبى** ﷺ **وسب الشيخين** رضی اللہ عنہما **أو أحدهما، وقال سب الشيخين** رضی اللہ عنہما **ولعنهما كفر** (تتمہ مظاہر حق ص۸۲ ومرقاۃ ج۱۱ ص۲۷۳) ہر کافر کی توبہ قبول کی جائے گی، لیکن نبی ﷺ اور شیخین رضی اللہ عنہما پر سب کرنے والے کی توبہ قبول نہ ہو

گی، شیخین رضی اللہ عنہما پر سب اور ان پر لعن کفر ہے، درمختار ج۴ ص۳۳۶ میں بحر الرائق اور جوہرۃ النیرۃ کے حوالہ سے منقول ہے کہ جس نے شیخین رضی اللہ عنہما پر سب کیا وہ کافر ہوگیا، اس کی توبہ بھی قبول نہ ہوگی، شیخ ابو اللیث فرماتے ہیں کہ اسی پر اہل سنت کا فتویٰ ہے۔ مولانا عبدالعزیز پر ہاروی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ فقہائے احناف کی اکثریت کا قول ہے کہ شیخین رضی اللہ عنہما پر سب کرنے والا حد میں قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ اور بعض نے کہا ارتداد میں قتل کیا جائے گا اور اس کی توبہ قبول نہ ہوگی۔ (نبراس ص۵۵۰) حضرت مجدد الف ثانی الحنفی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **وشك نيست كه شيخين** رضی اللہ عنہما **از اكابر صحابه اند بلكه افضل ايشان پس تكفير بلكه تنقيصرن ايشان موجب كفر وزندقه وضلالت باشد كما لا يخفى** (رد روافض ص۱۳) یعنی شیخین رضی اللہ عنہما کی توہین وتنقیص کرنے والا بھی کافر، زندیق اور گمراہ ہے۔ فتاویٰ عالمگیری ج۲ ص۲۶۸ اور فتاویٰ بزازیہ ص۳۱۹ میں ہے **اذا كان يسب الشيخين ويلعنها العياذ بالله فهو كافر**۔

جواب نمبر۳:

اب آیئے اپنے گھر کی خبر بھی لے لیجیے، آپ کے شیخ الکل میاں نذیر حسین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ **شیعہ اگر فقط** سب شیخین رضی اللہ عنہما کرتا ہے تو اگرچہ سب شیخین رضی اللہ عنہما کرنے والا کافر نہیں مگر فاسق **ضرور ہے**، اور فاسق سے بھی نکاح نہ کرنا چاہیے۔

(فتاویٰ نذیریہ ج۲ ص۴۸۵ بحوالہ سیاحۃ الجنان ص۲۲)

یہ بھی نیا ستم ہے حنا تو لگائیں غیر
اور اس کی داد چاہیں وہ مجھ کو دکھا کے ہاتھ

اعتراض نمبر۱۴:

آپ کا چودھواں اعتراض یہ ہے کہ ہدایہ اولین ص۴۹۶ میں ہے کہ جو شخص عورت سے مکروہ جگہ میں یا کسی سے قوم لوط والا فعل کرے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر حد نہیں۔ اور اس کو سزا دی جائے گی۔

جواب نمبرا:

علامہ عبدالرحمٰن الدمشقی الشافعی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ واتفقوا علی تحریم اللواط وانما من الفواحش العظام وھل یوجب الحد؟ قال مالك والشافعی واحمد رحمہم اللہ یوجب الحد وقال ابو حنیفة رحمۃ اللہ علیہ یعذر فی اول مرة فان تکرر منه قتل (رحمۃ الامۃ ص ۳۵۸) یعنی لواطت کی حرمت اور اسے بہت بڑا فحش کام قرار دینے میں سب ائمہ متفق ہیں البتہ اس میں اختلاف ہے کہ اس کے مرتکب پر حد جاری ہوگی یا نہیں؟ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد رحمہم اللہ کے نزدیک اس پر حد جاری ہوگی اور امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک پہلی اس کو تعزیری کی سزا دی جائے گی اگر باز نہ آئے تو پھر اسے قتل کر دیا جائے گا، تعزیر کی وضاحت کرتے ہوئے امام محمد رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں یودع فی السجن (ہدایہ اولین ص ۴۹۶) یعنی اسے قید میں رکھا جائے گا، حافظ ابن ہمام اس کی مزید وضاحت فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اسے تعزیراً قید میں رکھا جائے گا یا تو وہ سچی توبہ کرے یا قید خانہ میں ہی مر جائے اور اگر اس فعل بد کو عادت بنالے تو اس کو قتل کیا جائے گا۔ (فتح القدیر ج ۴ ص ۱۵۰) گویا دو ہی سزائیں ہیں حبس دوام یا قتل۔

جواب نمبر۲:

صاحبین یعنی قاضی ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک اس پر حد ہی نافذ ہوگی، یعنی محصن (شادی شدہ) ہے تو رجم کیا جائے گا، غیر شادی شدہ ہے کوڑے لگیں گے۔ (ہدایہ ص ۴۹۶)

جواب نمبر۳:

اپنے گھر کی بھی خبر لیجیے۔ آپ کے سرخیل اہل حدیث نواب صدیق حسن خان بھی روضہ الندیہ ص ۳۵۸ میں فرماتے ہیں لاحد علیہ لواطت کے مرتکب پر حد نہیں ہے۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں
لو آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

اعتراض نمبر۱۵:

آپ کا پندرھواں اعتراض یہ ہے کہ فتاویٰ قاضی خان ج ۳ ص ۴۶۸ میں ہے کہ اگر کسی نے عورت کو کرائے پر زنا کے لیے حاصل کیا اور پھر اس سے زنا کیا تو امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک اس پر حد نہیں بلکہ تعزیر ہے۔

جواب نمبرا:

اصل عبارت اس طرح ولا حد بالزنا بالمستاجرة له ای للزنا والحق وجوب الحد کالمستاجرة للخدمة (درمختار ج ۳ ص ۱۵۷) یعنی حق یہ ہے کہ اس عورت سے زنا کرنے پر حد جاری ہوگی جس کو زنا کے لیے اجرت پر حاصل کیا گیا ہے۔

مسئلہ کی وضاحت:

قرآن پاک میں ارشاد ربانی ہے فما استمتعتم به منهن فاتوهن اجورهن (البقرۃ) یعنی اپنی منکوحہ بیویوں کو ان کی اجرتیں (یعنی حق مہر دے دو) ایک آدمی نے ایک عورت کو اجرت پر زنا کے لیے حاصل کیا چونکہ اس اجرت سے حق مہر کا شبہ پیدا ہوتا ہے اس لیے شبہ کی بناء پر حد ساقط ہو جائے گی جیسا کہ عالمگیری ج ۲ ص ۱۴۹ میں اس کی وضاحت ہے۔ موطا امام مالک ص ۱۹۶ میں ہے کہ شبہ کی بناء پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے متعہ کرنے والے پر حد جاری نہ کی۔ باقی رہا مسئلہ کہ اجرت سے حق مہر کا شبہ تو پیدا ہوگیا، لیکن نکاح کیسے ثابت ہو گا؟ تو محترم امام مالک کے نزدیک نکاح کے لیے گواہ شرط نہیں ہیں۔ (رحمۃ الامۃ ص ۲۶۸) اور آپ کے نواب نور الحسن خان بھی فرماتے ہیں کہ نکاح میں گواہوں کو شرط قرار دینے والی حدیث ضعیف اور نا قابل استدلال ہے۔ (عرف الجادی ص ۱۰۷) تو گویا نکاح کا بھی شبہ پیدا ہوگیا، اس کے برعکس ایک عورت کام کاج کے لیے اجرت پر حاصل کی گئی اور اجرت پر حاصل کرنے والے نے اس سے زنا کیا چونکہ یہاں حق مہر اور نکاح کا شبہ موجود

نہیں، تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بھی اس پر حد جاری ہوگی (قاضی خان ج ۴ ص ۴۰۵)
شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ امام شافعی کے نزدیک جس وطی کو کسی مستند سنی عالم نے حلال قرار دیا ہو، اس وطی پر حد نہیں اگرچہ وطی کرنے والا اس وطی کو حرام سمجھتا ہو۔ (مسوی ج ۲ ص ۱۴۴) پھر اس کی مثالیں بیان فرماتے ہیں کہ مثلاً کسی عورت نے بغیر ولی کی اجازت کے نکاح کر لیا، امام شافعی نے نزدیک وہ نکاح درست اور جائز نہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک درست اور جائز ہے لہٰذا اس وطی پر امام شافعی کے نزدیک حرام ہونے کے باوجود حد جاری نہ ہوگی۔
یا مثلاً امام مالک کے نزدیک نکاح کے لیے گواہ شرط نہیں اب بغیر گواہوں کے نکاح کے بعد جو وطی ہوگی امام شافعی فرماتے ہیں اس وطی پر حد نہیں ہوگی تو گویا یہ حد ساقط ہونا محض شبہ کی بنا پر ہے۔

جواب نمبر ۲:

اس کا یہ مطلب نہیں کہ اس کے لیے سزا ہی کوئی نہیں، حد اگر شبہ کی بنا پر ساقط ہوئی ہے تو تعزیر باقی ہے، اس میں تعزیری سزا کیا ہے فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۱۴۹ میں ہے کہ اسے عبرت ناک سزا دی جائے اور پھر قید کر دیا جائے یہاں تک کہ وہ سچی توبہ کر لیں۔

جواب نمبر ۳:

یہ تو تھی امام ابوحنیفہ کے مسلک پر بحث لیکن ان کا یہ مسلک فقہ حنفی کا مفتی بہ موقف و فتویٰ نہیں ہے، صاحبین حد کے قائل ہیں اور فقہ حنفی کا مفتی بہ قول یہی ہے کہ حد جاری و نافذ ہوگی۔

جواب نمبر ۴:

رد المحتار ج ۳ ص ۱۵۷ میں ای کما ھو قولھا یعنی امام ابوحنیفہ کا ایک قول صاحبین کے موافق حد کا بھی ہے گویا رجوع ثابت ہو گیا۔

جواب نمبر ۵:

آپ کے نواب وحید الزمان خان لکھتے ہیں کہ اندھے نے اپنی بیوی کو بلایا کوئی اور عورت اس کے پاس چلی گئی اور اندھے نے اس سے وطی و مباشرت کی تو اس عورت پر بھی حد نہیں۔ (نزل الابرار ج ۲ ص ۲۹۹)

اعتراض نمبر ۱۶:

آپ نے فقہ حنفی کی معروف کتاب رد المحتار علی در المختار ج ۱ ص ۱۵۴ کے حوالہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر کسی کو نکسیر پھوٹ پڑے تو وہ سورہ فاتحہ کو خون کے ساتھ اپنی پیشانی اور ناک پر لکھ لے شفا کی خاطر تو جائز ہے اور اسی طرح پیشاب کے ساتھ بھی سورہ فاتحہ کو لکھ سکتا ہے اگر اس میں شفا سمجھے یعنی (بول) پیشاب کے ساتھ سورہ فاتحہ کو لکھ کر شفا حاصل کرنے میں کوئی حرج (گناہ) والی بات نہیں ہے۔

جواب نمبر ۱:

یہ قول صرف شیخ محمد بن احمد بن ابوبکر الاسکاف (المتوفی ۳۳۳ھ) کا ہے جو تمام تر علمی قدر و منزلت کے باوجود فقہائے احناف میں غیر معروف ہیں، معروف فقہا کے مقابلہ میں غیر علمی قدر و منزلت کے باوجود فقہائے احناف میں غیر معروف ہیں، معروف فقہا کے مقابلہ میں غیر معروف فقہا کا قول قابل ترجیح نہیں ہوتا، اور پھر جب غیر معروف فقیہ اپنے قول میں منفرد بھی ہو تو اس میں کمزوری کا پہلو اور بھی نمایاں ہو جاتا ہے۔

جواب نمبر ۲:

یہ اضطراری حالت پر موقوف ہے جیسا کہ شامی میں موجود ہے کہ یجوز ان علم فیہ شفاء ولم یعلم دواء اخر یعنی یہ اس وقت جائز ہے جب اس میں شفا کا یقینی علم ہو اور اس کے علاوہ کوئی دوسرا علاج معلوم نہ ہو۔

جواب نمبر۳:

یہ غیر مفتی بہ قول ہے جس پر آج تک کبھی بھی فتویٰ نہیں دیا گیا۔

جواب نمبر۴:

یہ قول درمختار کے باب تداوی بالحرام میں مذکور ہے جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حرام یا مکروہ ہے۔

جواب نمبر۵:

تداوی بالحرام کے بارہ میں درمختار میں ہے کہ اختلف فی التداوی بالمحرم وظاھر المذنب المنع یعنی حرام چیزوں کے ساتھ علاج کرنے کے بارے میں علما کا اختلاف ہے امام اعظم کے مذہب میں حرام وممنوع ہے۔

جواب نمبر۶:

عالمگیری اردو میں قال المترجم کے بعد لکھا ہے کہ شیخ ابوالمکارم نے نقل کیا ہے کہ ائمہ کی ایک جماعت نے اس کو مکروہ جانا ہے اور حاشیہ میں بصراحت مذکور ہے کہ یہی اصح ہے۔

جواب نمبر۷:

آپ نے حوالہ نقل کرنے میں بھی غیر مقلدانہ خیانت و بددیانتی کی ہے اور عبارت کا اصل جملہ چھوڑ دیا ہے پوری عبارت اس طرح ہے لو رعف فکتب الفاتحة بالدم علی جبهته وانفه جاز للاستشفاء وبالبول ایضًا ان علم فیه شفاء لا باس به لکن لم ینقل یعنی خون اور پیشاب کے ساتھ فاتحہ لکھنا جائز ہے بشرطیکہ یقینی طور پر اس میں شفا معلوم ہو جائے، لیکن اس سے شفا حاصل ہونا منقول و ثابت نہیں، گویا جب اس سے شفا کا حاصل ہونا منقول و ثابت نہیں تو اس کا لکھنا بھی جائز نہیں لیکن آپ نے آخری جملہ ہضم کر کے بہت بڑا مغالطہ دیا ہے۔ آخر یہ قرآن وحدیث کی خدمت کا کون سا انداز ہے۔

جواب نمبر۸:

آپ کے نزدیک تو خون اور پیشاب دونوں پاک ہیں۔ آپ کو تو شکایت ہونی ہی نہیں چاہیے۔ نواب وحید الزمان خان نزل الابرار ج ا ص ۴۹ میں لکھتے ہیں کہ ہر حلال و حرام جانور کا پیشاب پاک ہے سوائے خنزیر کے اور لغات الحدیث میں فرماتے ہیں کہ خون بھی پاک ہے۔

اعتراض نمبر ۱۷:

آپ نے قدوری ص ۴۵ کے حوالہ سے یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر نمازی تشہد میں جان بوجھ کر ہوا خارج کر دے تو نماز بلاشبہ مکمل ہو جائے گا۔

جواب نمبر۱:

نماز کے آخر میں سلام کے حکم کے بارہ میں ائمہ کا اختلاف ہے، نووی شرح مسلم ج ا ص ۱۹۵ میں ہے کہ امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک سلام فرض ہے اس کے بغیر نماز درست نہیں، امام ابوحنیفہ، امام سفیان ثوری اور امام اوزاعی وغیرہ کے نزدیک یہ سنت ہے اگر اس کو ترک بھی کر دیا جائے تو نماز ہو جاتی ہے۔

جواب نمبر۲:

شامی ج ا ص ۱۴۵ وغیرہ کتب فقہ میں لکھا ہے کہ لفظ سلام کہنا واجب ہے اگر کسی اور طریقہ سے نماز سے نکلے گا تو گناہ گار ہوگا۔

جواب نمبر۳:

مندرجہ ذیل احادیث میں مذکور ہے کہ حضور علیہ السلام نے ایسے شخص کی نماز کو مکمل قرار دیا ہے۔

ابوداؤد ج ا ص ۹۱ میں ہے عن عبداللہ بن عمرو ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا قضی الاما الصلاة وقعد فاحدث قبل ان یتکلم فقد تمت صلاته ومن کان خلفه ممن اتم الصلاة یعنی جس شخص نے آخری قعدہ پڑھ لیا اور پھر جان بوجھ کر ہوا خارج کر

دی، اس کی نماز پوری ہوگئی اور اس کے پیچھے پڑھنے والوں کی نماز بھی پوری ہوگئی اور طحاوی ج ۱ ص ۱۸۹ میں اسی روایت میں **فلا یعود فیھا** کے الفاظ بھی ہیں یعنی اسے نماز لوٹانے کی ضرورت نہیں، حلیۃ الاولیاء ج ۵ ص ۱۱۷ میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب آنحضرت ﷺ نماز میں تشہد سے فارغ ہوتے تو ہماری طرف متوجہ ہوتے اور فرماتے **من احدث حدثا بعد ما یفرغ من التشهد فقد تمت صلاته** ان مذکورہ روایات واحادیث کی روشنی میں دیانت داری کے ساتھ فیصلہ کیجیے کہ آپ کا اعتراض فقہ پر ہے یا حدیث پر؟

جواب نمبر۴:

آپ نے فقہ کا مذکورہ قول نقل کرنے سے قبل جو یہ فرمایا ہے کہ نماز اسلام کا اہم رکن ہے، فقہ حنفی میں اس کا بھی مذاق اڑایا گیا ہے میں آپ سے پوچھتا ہوں کہ مذکورہ احادیث کی روشنی میں ایک منکر حدیث آپ سے یہ سوال کردے کہ نماز اسلام کا اہم رکن ہے، حدیث میں اس کا بھی مذاق اڑایا گیا ہے تو آپ کے پاس اس کا جواب کیا ہوگا؟

جواب نمبر۵:

آپ کے مسلک کے محسن اعظم اور مترجم صحاح ستہ نواب وحید الزمان خان کنز الحقائق ص ۲۴ میں لکھتے ہیں کہ اگر ایک شخص نے نماز پڑھائی اور سلام کے بعد اعلان کیا کہ میں نے نماز بے وضو پڑھائی ہے تو نماز ہوگئی لوٹانے کی ضرورت نہیں۔

اعتراض نمبر۱۸:

آپ نے فتاویٰ عالمگیری اور بہشتی زیور کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اگر کسی عضو انگلی پر نجاست غلیظہ لگ جائے تو اس کو زبان سے تین بار چاٹ لے تو وہ عضو پاک ہوجائے گا۔

جواب نمبر۱:

بہشتی زیور ج ۱ ص ۵۷ اور ہدایہ ج ۱ ص ۱۸ میں مذکور ہے کہ پاک پانی میں تھوڑی یا زیادہ

نجاست گر جائے تو اس سے وضو اور غسل کچھ بھی درست نہیں، یعنی جب نجاست والے پانی سے وضو غسل کرنا ہی درست نہیں تو نجاست چاٹنا کیونکہ جائز ہوگا؟

جواب نمبر۲:

در مختار ج ۱ ص ۲۰۷ کے حوالہ سے بہشتی گوہر ص ۵ میں لکھا ہے کہ وہ پانی کہ جس کا رنگ، بو اور ذائقہ کسی نجاست کی وجہ سے بدل گیا وہ جانوروں کو پلانا بھی درست نہیں، جب نجاست والا پانی جانوروں کو پلانا بھی جائز نہیں تو نجاست خود چاٹنا کیسے صحیح ہوگا؟

جواب نمبر۳:

آپ نے حوالہ نقل کرنے میں خیانت و بددیانتی سے کام لیا ہے، آپ نے بہشتی زیور سے جو عبارت نقل کی ہے اس کے متصل بعد ہی یہ جملہ موجود ہے کہ "مگر چاٹنا منع ہے" آپ نے غیر مقلدانہ فنکاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے صرف غلط فہمیاں اور فقہ حنفی کے خلاف نفرت پیدا کرنے کے لیے ادھورا حوالہ نقل کیا، اور اصل جملہ ہضم کر گئے، اور پھر اس میں بھی غلیظہ کا لفظ اپنی طرف سے اضافہ کردیا۔

جواب نمبر۴:

آپ کی فقہ محمدیہ ج ۱ ص ۵۶ میں ایک قول منی کے کھانے کا بھی لکھا ہے، اس اعتبار سے تو نجاست خور آپ خود ہوئے، ظاہر بات ہے فقہ محمدیہ کا فتویٰ تو آپ مسترد بھی نہیں کرسکتے۔

اعتراض نمبر۱۹:

سوال نمبر۱: کتے اور گدھے کا گوشت فروخت کرنا۔

جواب:

جس طرح احادیث کی کتابوں میں بعض احادیث صحیح، بعض منسوخ اور بعض ضعیف و

متروک ہوتی ہیں۔ اسی طرح کتب فقہ اور اس کے شروح اور فتاویٰ میں بھی بعض اقوال مفتی بہا اور معمول بہا ہوتے ہیں۔ مذہب حنفی اسی سے عبارت ہے۔ اسی طرح بعض غیر مفتی بہا مرجوح اور شاذ اقوال ہوتے ہیں۔ لہٰذا مرجوح اور غیر مفتی بہا اقوال کو بہانہ بنا کر مذہب حنفی پر اعتراضات کرنا یہ منکرین حدیث کا شیوہ ہے۔ مسلمان کا نہیں کیونکہ منکرین حدیث بھی ضعیف اور موضوع احادیث کو بہانہ بنا کر ذخیرہ احادیث سے انکار کرتے ہیں اور اسلام پر کئی قسم کے اعتراضات کرتے ہیں۔ اصل مسئلہ اسی طرح ہے کہ کتے اور گدھے کو شرعی طریقہ سے ذبح کر کے اس کا گوشت فروخت کیا جائے تو کیا یہ جائز ہے یا ناجائز؟ اس میں فقہائے احناف کے درمیان اختلاف ہے۔ بعض جواز کے قائل ہیں۔ اکثر محققین احناف عدم جواز کے قائل ہیں۔

جو جائز سمجھتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ذبح کرنے کے بعد اس کے گوشت سے نجاست زائل ہوتی ہے اور جن کے نزدیک فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ذبح کرنے سے گوشت سے نجاست زائل نہیں ہوتی یہی قول مفتی بہ اور راجح ہے۔ غیر مقلدین قول اول پر اعتراض کرتے ہیں۔

غیر مقلدین کی خیانت:

غیر مقلدین فتاویٰ عالمگیری سے آدھی عبارت نقل کرتے ہیں اور اس مسئلہ میں عالمگیری میں جو اختلاف بیان کیا ہے اس سے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر دیتے ہیں۔ عالمگیری میں مسئلہ مذکورہ کے بعد لکھا ہے۔

"وھذا فصل اختلف المشائخ فیه بناه علی اختلافھم فی طھارة ھذا اللحم بعد الذبح" (فتاوٰی عالمگیری ج۳ ص۱۱۵)

"یہ فصل ہے اس میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے اختلاف کی بنا ذبح ہونے کے بعد اس گوشت کی طہارت میں اختلاف پر ہے۔"

اسی طرح علامہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں:

"فالظاھر منھما ان ھذا الحکم علی القول بطھارة عینه"

(البحر الرائق ج۱ ص۱۰۳)

"ظاہر یہ ہے کہ یہ حکم (بیع کا جواز اور عدم جواز) متفرع ہے اس کی ذات کے طاہر ہونے پر۔" یعنی جو ذبح کرنے کے بعد بھی گوشت کو نجس کہتے ہیں تو ان کے نزدیک اس کا بیع ناجائز ہے اور جو کہتے ہیں کہ ذبح کرنے کے بعد گوشت سے نجاست زائل ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک اس کا بیع جائز ہے۔ اگرچہ عالمگیری وغیرہ میں لکھا ہے کہ "مذکورہ گوشت کے جواز بیع کا ثبوت روایۃ صحیحہ میں ہے۔" (فتاویٰ عالمگیری ج۳ ص۱۱۵) لیکن فتویٰ نجاست اور عدم جواز بیع پر ہے جیسے امام بخاری ؒ نے صحیح بخاری میں دو راویتیں ران کی ستر کے متعلق نقل کیں ہیں۔ انس ؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ران ستر میں داخل نہیں ہے۔ ابن عباس ؓ وغیرہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ ران ستر میں داخل ہے دونوں روایات صحیح ہیں لیکن انس ؓ کی روایت کے متعلق امام بخاری ؒ لکھتے ہیں: "وحدیث انس اسند" (بخاری ج۱ ص۵۳) انس ؓ کی روایت کو زیادہ صحیح کہہ کر معلوم ہوا کہ امام بخاری ؒ کا رجحان بھی اس طرف ہے کہ ران ستر میں داخل نہیں ہے لہٰذا ان کے نزدیک مفتی بہ قول یہ ہے کہ ران ستر میں داخل نہیں۔

حنفی مذہب کا مفتی بہ قول

احناف کا مفتی بہ مذہب یہ ہے کہ ذبح کرنے کے بعد کتے اور گدھے کے گوشت سے نجاست زائل نہیں ہوتی تو ان کا فروخت کرنا بھی جائز نہیں چنانچہ صاحب بحرالرائق لکھتے ہیں۔

۱..... وصح فی الاسرار والکفایة والتبیین نجاسة۔

(البحر الرائق ج۱ ص۱۰۶)

صاحب اسرار صاحب کفایہ اور صاحب تبیین نے (مذکورہ گوشت) کے نجاست کو صحیح قرار دیا ہے۔

۲..... وفی المعراج انه قول محققین من اصحابنا۔

(البحر الرائق ج۱ ص۱۰۶)

(کتاب) معراج میں ہے کہ (مذکورہ گوشت کی نجاست) محققین احناف کا قول ہے۔

۳...... وفی الخلاصة وھو القول المختار و اختاره قاضی خان فی التبیین انه قول اکثر المشائخ۔ (البحر الرائق ج۱ ص۱۰۶)

خلاصہ میں ہے کہ (مذکورہ گوشت کی نجاست) قول مختار ہے اور اسی کو قاضی خان نے اختیار کیا ہے تبیین میں ہے کہ یہ اکثر مشائخ کا قول ہے۔

صاحب بحر نے خود بھی نجاست والے قول کے متعلق فرمایا۔

۴...... وھو الصحیح (البحر الرائق ج۱ ص۱۰۶) ''یہ صحیح قول ہے۔''

صاحب درمختار لکھتے ہیں:

۵...... لا یطهر لحمه هذا صح ما یفتی به۔

اس کا گوشت پاک نہیں ہوتا یہ اصح قول ہے جس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

مولانا عبدالحئی حنفی لکھتے ہیں:

۶...... قال کثیر من المشائخ انه یطهر جلده لا لحمه وهو الاصح (حاشیه هدایه ج۱ ص۲۴)

بہت سے مشائخ نے کہا ہے کہ (ذبح کرنے کے بعد) اس کا چمڑا پاک ہو جاتا ہے گوشت پاک نہیں ہوتا اور یہی سب سے صحیح قول ہے۔

علامہ ابن ہمام رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں:

۷...... قال کثیر من المشائخ انه یطهر جلده لا لحمه وهو الاصح واختاره الشارحون (فتح القدیر ج۱ ص۸۴)

بہت سے مشائخ نے کہا ہے کہ (ذبح کرنے کے بعد) اس کا چمڑا پاک ہو جاتا ہے گوشت پاک نہیں ہوتا اور یہی سب سے صحیح قول ہے اسی کو شارحین نے اختیار کیا ہے۔

۸...... علامہ شرنبلالی لکھتے ہیں: وتطهر الذکاة الشرعیة جلد غیر الماکول دون لحمه علی اصح ما یفتی به۔

شرعی ذبح غیر ماکول اللحم کے چمڑے کو پاک کرتا ہے گوشت کو پاک نہیں کرتا اصح قول کے مطابق جس پر فتویٰ دیا جاتا ہے۔

صاحب خلاصہ لکھتے ہیں:

۹...... وھو المختار و به اخذ الفقیه ذکره صدر الشهید فی صید الفتاوٰی (خلاصه الفتاوٰی ص۴۳)

یہی قول مختار ہے فقہاء نے اس کو لیا ہے۔

صاحب مراقی الفلاح لکھتے ہیں:

۱۰...... دون لحمه فلا یطهر علی اصح ما یفتی به۔ (مراقی الفلاح)

اصح مفتی بہ مذہب میں ذبح کرنے سے حرام گوشت پاک نہیں ہوتا۔

۱۱...... صاحب کبیری لکھتے ہیں: الصحیح ان اللحم لا یطهر بالذکاة (کبیری ص۱۴۴)

صحیح یہ ہے کہ حرام جانوروں کا گوشت ذبح کرنے سے پاک نہیں ہوتا۔

ملا علی القاری حنفی قائلین بالطہارۃ کے اسماء ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

۱۲...... وقال کثیر من المشائخ یطهره جلده بها ولا یطهر لحمه کما لا یطهر بالدباغ قال شارح الکنز وهو الصحیح واختاره صاحب الغایة والنهایة۔ (شرح النقایة ج۱ ص۲۰)

بہت سے مشائخ نے کہا ہے کہ ذبح کرنے سے چمڑا پاک ہوتا ہے گوشت پاک نہیں ہوتا جیسا کہ دباغت سے پاک نہیں ہوتا شارح کنز نے کہا ہے کہ یہی صحیح ہے اسے صاحب غایہ اور صاحب نہایہ نے اختیار کیا ہے۔

ان حوالہ جات سے ثابت ہوا کہ مذہب حنفی میں اصح اور مفتی بہ قول یہی ہے کہ ذبح کرنے سے حرام جانوروں کا گوشت پاک نہیں ہوتا تو اس کا فروخت کرنا بھی جائز نہیں لیکن یاد رہے کہ غیر مقلدین کے علماء کہتے ہیں کہ شرعی ذبح کے بعد گوشت پاک ہو جاتا ہے۔ چنانچہ غیر

مقلد مولانا وحید الزمان لکھتے ہیں:

ا...... **ما یطهر بالدباغة یطهر بالذکاة الا لحم الخنزیر فانه رجس**

(نزل الابرار ج۱ ص۳۰)

جو دباغت سے پاک ہو جاتا ہے ذبح سے بھی پاک ہو جاتا ہے خنزیر کے گوشت کے سوا کہ وہ رجس ہے۔

۲...... غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خان نے کتے کے گوشت، ہڈی، خون، بال اور پسینے کو نجس نہیں کہا۔ (بدور الاہلہ ص۱۶)

۳...... صدیق حسن خان کا بیٹا غیر مقلد نور الحسن لکھتے ہیں کہ کتے اور خنزیر کے نجس ہونے کا دعویٰ شراب اور دم مسفوح کے پلید ہونے کا دعویٰ اور مرے ہوئے جانور کے ناپاک ہونے کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ (عرف الجادی)

حضرت مولانا صاحب نے مرجوح قول کے بھی بہت سے دلائل بیان کیے ہیں اگر مذکورہ گوشت کو پاک بھی تسلیم کیا جائے تو بھی الحمدللہ فقہاء کا یہ قول بھی مبنی بر دلائل ہے۔ یعنی مذبوح حرام جانوروں کے گوشت کا جواز مسکوت عنہ ہے اور مسکوت عنہ وہ ہوتا جس سے بحث کرنا یا اسے حرام کہنا صحیح نہیں ہے پھر مذکورہ گوشت کے مسکوت عنہ ہونے پر قرآن اور حدیث سے سات دلائل پیش کیے ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ مذکورہ گوشت کے فروخت کرنے کی حرمت چونکہ کسی آیت اور حدیث سے صراحۃ ثابت نہیں اس لیے **احل اللہ البیع** کے عموم سے اس کا جواز ثابت ہے۔

۲۔ **ما اتکم الرسول فخذوه و ما نهاکم عنه فانتهوا** کی روشنی میں جن امور سے سکوت اختیار فرمایا ہے وہ اپنی اباحت اصلیہ پر باقی ہیں۔

۳۔ صحیح بخاری و مسلم کی حدیث ہے "**ان اعظم المسلمین جرما من سال عن شیء لم یحرم علی الناس فحرم من اجل مسالته**" اس حدیث شریف سے ثابت ہوتا ہے کہ جس چیز کی حرمت نہ ہو اس کو حرام قرار دینا تو درکنار سوال کرنا حرام ہو جانے کا

سبب بننا بھی سب سے بڑا جرم ہے۔

۴۔ ارشاد نبوی ہے "**ان اللہ فرض فرائض فلا تضیعوها وحرم حرمات فلا تنهکوها وحد حدود فلا تعتدوها وسکت عن اشیاء من غیر نسیان فلا تبحثوا عنها**" سنن دار قطنی ج۴ ص۱۸۳۔۱۸۴ اور البیہقی ج۱۰ ص۱۲ اور الطبرانی فی الکبیر ج۲۲ ص۲۲۰ وغیرھا) معلوم ہوا مذکورہ بیع کی اباحت اصلیہ پر اکتفا نہ کرنا اور اسے حرام ثابت کرنے کی کوشش کرنا ممنوع ہے۔

۵۔ حدیث شریف میں ہے "**ان اللہ عز وجل احل حلالا وحرم حراما فما احل فهو حلال وما حرم فهو حرام و ما سکت عنه فهو عفو و فی روایة فهو عافیة فاقبلوا من اللہ عافیة فان اللہ لم یکن نسیا ثم تلا هذه الایة و ما کان ربك نسیا**"

۶۔ فرمان ہے "**ان تسألوا عنها حین ینزل القرآن تبدلکم عفا اللہ عنها**" آیت کے آخری حصہ کی تفسیر سابقہ حدیث نے کی تو اس حصہ سے بھی اس کی اباحت ثابت ہوئی۔

۷۔ "**زکاتها دباغها**" اور "**دباغها زکاتها**" کے ارشاد گرامی سے بھی اس کا جواز ثابت ہوتا ہے۔ یہ جوابات بنا بر تسلیم تھے جب کہ اکابر محققین حنفی کا اس مسئلہ میں اختلاف رہا ہے جس کے بیان کی ضرورت نہیں۔ (انتہی بلفظہ تحریر ص۱)

جلوئے بھی مناظر بھی، محبت بھی مگر کیا
آنکھوں پہ حجابات، زبانوں پہ ہیں تالے

اب جناب نورستانی ان دلائل کے جواب سے عاجز ہو کر کہنے لگا ہم نے ثابت کر دیا کہ مسکوت عنہ نہیں بلکہ نص سے مذبوح کتے اور گدھے کا گوشت فروخت کرنا حرام ثابت کیا۔ لہٰذا یہ سب کچھ تار عنکبوت تھے جو ایک ہوا سے اڑ گئے (المبنی للفاعل ص۷) ملاحظہ فرمائیے جناب کا جھوٹ کہ نص سے مذبوح کتے اور گدھے کا گوشت فروخت کرنا حرام ہے ثابت کیا۔ جناب کا ۲۴ صفحات پر مشتمل کتابچہ میں اللہ کے فضل سے اس دلیل کا نام و نشان بھی نہیں

ہے جس میں مذبوح کتے اور گدھے کا گوشت فروخت کرنے کی ممانعت ہو۔ نورستانی کے سارے اکابر واصاغر جمع ہو کر اپنے مدعی پر کوئی دلیل پیش نہیں کرسکتا۔

نورستانی کے دلائل کا تحقیقی جائزہ

نورستانی نے جن روایات سے مذبوح کتے اور گدھے کے گوشت کو فروخت کرنا حرام ثابت کیا ہے (بزعم خویش) ان کا مشاہدہ بھی کیجیے کہ واقعی وہ دلائل ان کے مدعی کے مطابق ہے یا صرف اپنے حمایتی اور اپنے مریدین کو خوش کرنے کے لیے یہ ناکام کوشش کیا ہے۔

۱۔ ابوثعلبہ خشنی فرماتے ہیں کہ بے شک رسول ﷺ نے درندوں میں سے ہر داڑ والے گوشت کھانے سے منع فرمایا ہے۔ (بخاری)

۲۔ رسول ﷺ نے ایک آواز دینے والے کو حکم دیا تو اس نے لوگوں میں منادی کرائی کہ اللہ اور اللہ کے رسول تمہیں گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرماتے ہیں۔ (بخاری)

۳۔ رسول ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ یہودیوں کو ہلاک کرے ان پر چربی حرام کردی گئی تو انہوں نے پگال کر فروخت کیا پھر اس کے پیسے کو کھایا۔ (بخاری ومسلم)

۴۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں جس ذات نے اس (شراب) کے پینے کو حرام قرار دیا ہے اس ذات نے اس کے فروخت کرنے کو بھی حرام قرار دیا ہے۔ (مسلم) (المبنی للفاعل ۴۔۵)

مشہور ہے **لن یصلح العطار ما افسده الدهر** ' بظاہر تو قوم نے ان کے ان علمی جوابات سے خبردار ہو کر خراج تحسین ادا کیا ہوگا بھوکے کو باسی روٹی مل جائے تو خوشی مناتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے قوم کو اندھیرے میں رکھا ہے کیوں جناب! ان چار روایت میں سے کسی ایک روایت میں بھی ذبح کا لفظ ہے؟ حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم نے تو مذبوح کتے اور گدھے کا گوشت فروخت کرنے کی حرمت پر دلیل مانگی تھی۔ جناب نورستانی صاحب نے غیر مذبوح حرام جانوروں کا گوشت اور شراب کی فروخت کے حرام ہونے پر دلائل پیش کیے۔

جناب من: آپ نے حرام جانوروں کی حرمت پر دلائل پیش کیے اگر جانور حلال بھی ہو لیکن شرعی ذبح کے بغیر مرجائے احناف وغیرہم تو ان کی حرمت کے بھی قائل ہیں چہ جائیکہ حرام جانور البتہ بات شرعی طریقہ پر ذبح کرنے میں ہے کہ ذبح کرنے سے عند البعض حرام جانور کی نجاست زائل ہوتی جیسا کہ مرا ہوا حلال جانور کا کھانا حرام ہے لیکن ان کے چمڑے کو اگر دباغت دی جائے تو وہ پاک ہو جاتا ہے اور ان کا فروخت کرنا بھی جائز ہے چنانچہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ایک برتن سے وضو کا ارادہ کیا کسی نے کہا کہ یہ برتن مرے ہوئے جانور کے چمڑے سے بنا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا اس چمڑے کی دباغت اس کے نجاست کو زائل کر دیتی ہے۔ (مسند احمد، ابن خزیمہ، حاکم، بیہقی، قال الحافظ واسنادہ صحیح) تلخیص الحبیر ۲/۱۹۰ بہرحال یہ غیر مفتی بہ اور مرجوع بھی دلائل سے مبرھن ہے لیکن دیگر دلائل کی بنا پر محققین احناف نجاست اور حرمت والے قول کو راجح اور مفتی بہ قرار دیتے ہیں کما مر۔

چاروں اماموں میں سے صرف ایک امام کے قول پر عمل

نورستانی نے اپنی تصانیف میں صفحہ صفحہ پر تقلید کے خلاف بکواس کیا ہے حقیقۃ الالحاد ۲ پر تقلید کے فاعلین کو مشرکین کی فہرست میں شامل کیا ہے اور ۱۸ پر کفار کے ساتھ تشبیہ دی ہے حالانکہ اس مقلدین کی کتابوں کے محتاج ہیں کاسہ گدائی لیے ہوئے کبھی شافعیوں کے در پر کھڑے ہیں کبھی مالکیوں سے بھیک مانگ رہے ہیں، کبھی حنابلہ کی کاسہ لیسی ہو رہی ہے، خود تو بے اصول فرقہ ہے نہ اصول حدیث اور اسماء الرجال میں ان کی کوئی کتاب ہے نہ تفسیر وتاریخ میں پھر اہل تقلید کے خلاف دن رات لگے ہوئے ہیں۔ المبنی للفاعل ۱۰۱ پر لکھتے ہیں۔ کیا چاروں مذاہب کو حق مان کر ایک پر عمل باقی تینوں کے مذاہب پر عمل نہ کرنا بلکہ ان سے برسرپیکار رہنا ائمہ کی دیانت وامانت پر طعنہ زنی نہیں؟ نورستانی صاحب کے بڑے بھائی منکرین حدیث بھی اہل سنت پر اعتراض کر کے کہتے ہیں کہ سارے انبیاء علیہم السلام کو حق مان کر ایک نبی کے دین پر عمل باقی انبیاء علیہم السلام کے دین پر عمل نہ کرنا انبیاء علیہم السلام کی نبوت پر طعنہ زنی

نہیں؟ العیاذ باللہ۔ جناب! الحمدللہ ہم ائمہ اربعہ کو حق مانتے ہیں اور اجتہادی مسائل میں صرف ایک امام کی تقلید کرتے ہیں جسے تقلید شخصی کہتے ہیں جس کا وجوب عوام کے لیے یا جواز اہل علم کے لیے قرآن وسنت اور اجماع امت سے ثابت ہے ایک امام کی بات پر عمل کرنا دوسرے کی بات پر عمل نہ کرنا ائمہ مجتہدین کی دیانت وامانت پر طعنہ زنی نہیں ہے ورنہ پھر تو اہل مدینہ پر بھی یہی اعتراض کرو گے جب کہ انہوں نے امام ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول سے انکار کر کے امام زید بن ثابت کے قول کو لیا۔ لا ناخذ بقولک وندع قول زید (بخاری ج ا ص ۲۳۷) یعنی ہم زید بن ثابت کے قول کے مقابلہ میں آپ کا قول نہیں لیتے ہیں۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

"لو ان الناس سلكوا واديا وشعبا وسلك عمر واديا و شعبا سلكت وادى عمر وشعبه لو قنت عمر قنت عبد الله" (مصنف ابن ابى شيبة)

اگر تمام لوگ ایک وادی اور گھاٹی میں چلنے لگیں اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کسی اور وادی اور گھاٹی میں چلیں تو میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی وادی اور گھاٹی میں جاؤں گا اگر حضرت عمر رضی اللہ عنہ قنوت (صبح کی نماز میں) پڑھتے تو عبداللہ (یعنی میں) بھی پڑھتا۔

دیکھیے جناب عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے دیگر ائمہ کے اقوال کے ترک کر کے صرف ایک امام حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قول کی تقلید واتباع کو اپنے گلے کا ہار سمجھی اسی طرح حافظ ابن حجر لکھتے ہیں:

"روى ابن سعد باسناد صحيح عن ابن عباس قال اذا حدثنا ثقة بفتيا عن على لم نتجاوزها" (فتح البارى ج۷ ص۹۲، طبع قاهره)

"علامہ ابن سعد نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ جب کوئی ثقہ آدمی ہم سے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فتویٰ بیان کرے تو ہم اس سے ذرا بھی تجاوز نہیں کریں گے۔

علامہ شاطبی لکھتے ہیں:

"وعين الانصاف ترى ان الجميع ائمة فضلاء فمن كان متبعا لمذهب

مجتهد لكونه لم يبلغ درجة الاجتهاد فلا يضره مخالفة غير امامة لامامه" (الاعتصام ص ۵۰۷)

"عین انصاف یہ ہے کہ تو سب کو ائمہ صاحب فضیلت سمجھے پس جو درجہ اجتہاد کو نہ پہنچنے کی وجہ سے کسی ایک مجتہد کے مذہب کی تقلید کرے تو اس کا اپنے امام کے علاوہ غیر امام کی مخالفت مضر نہیں ہے۔

علامہ شاطبی کے قول سے یہ بات واضح ہوئی کہ ایک امام کے قول پر عمل کرنا بشرطیکہ سب کو حق جان لے تو یہ مضر نہیں لیکن ہمارا مہربان بغض وعناد اور تعصب کے گھوڑے پر سوار ہو کر منکرین حدیث کی طرح قسم قسم کے اعتراضات کرتے ہیں۔

نورستانی کی اصولِ حدیث سے لاعلمی

حضرت مولانا صاحب دامت برکاتہم نے لکھا تھا" یہ بھی یاد رہے کہ ترک تقلید کے یہ مدعی حضرات خود بھی جامد مقلد ہیں یہ جو کسی کو مرفوع کو موقوف کسی کو معاصر کسی کو غیر معاصر وغیر ذلک باور کیا جا رہا ہے تو یہ تقلید اور محض تقلید کی بنیاد پر ان احکام میں ان کے پاس نصوص نہیں۔ (تحریر ۲) اس کے جواب میں نورستانی صاحب لکھتے ہیں":(یہ) نہ تقلید ہے نہ تقلید کی بات بلکہ یہ اخبار اور حکم لگانا ہے۔ (المبنی للفاعل ۱۰) یہ بات بھی جناب نے اصول حدیث سے لاعلمی کی وجہ سے کی ہے کسی حدیث کو مرفوع یا موقوف صحیح یا ضعیف کہنا یا کسی راوی کو ثقہ غیر ثقہ کہنا اس کا تعلق اجتہاد سے ہے اور تقلید ہوتا ہی مسائل اجتہادیہ میں چنانچہ علامہ ذہبی تذکرۃ الحفاظ کے دیباچہ میں لکھتے ہیں:"هذه تذكرة باسماء معدلى حملة العلم النبوى ومن يرجع الى اجتهادهم فى التوثيق والتضعيف والتصحيح والتزييف" (دیباچہ تذکرۃ الحفاظ)

اسی طرح ایک جگہ لکھتے ہیں:"فانا لا ندعى العصمة من السهو والخطاء فى الاجتهاد فى غير الانبياء" (مقدمة ميزان الاعتدال)

ایک اور جگہ رقم طراز ہیں:"یحیی بن معین وقد سألہ عن الرجال عباس الداودی، وعثمان الدارمی، وابو حاتم، وطائفة واحباب کل واحد منهم بحسب اجتهاده ومن ثم اختلفت اراؤه وعباراته فی بعض الرجال کما اختلفت اجتهادات الفقهاء المجتهدین وصارت لهم فی المسئلة اقوال" (ذکر من یعتمد قوله فی الجرح والتعدیل ۱۷۲)

علامہ منذری لکھتے ہیں:"واختلاف هؤلاء (ای المتکلمین فی الرجال(کاختلاف الفقهاء کل ذالك یقتضیه الاجتهاد (رسالة فی الجرح والتعدیل ۴۷) ائمہ حدیث کی ان عبارات سے دوپہر کی طرح یہ بات واضح ہوئی کہ تصحیح وتضعیف اور توثیق وتعدیل وغیر ذالک اجتہادی مسائل ہیں اور ان میں اختلاف فقہاء کے اختلاف کی طرح ہے لہٰذا کسی کے اجتہاد کو مان کر روایت کو مرفوع یا موقوف کہنا یا روای کو ثقہ غیر ثقہ کہنا محض تقلید نہیں تو اور کیا ہے خصوصاً علل الحدیث میں تو عالم کے پاس حجت ہی نہیں ہوتی۔ (تدیب الراوی ج ا ص ۲۵۳) اور بقول نورستانی بے حجت بات تسلیم کرنے کا نام ہی تقلید ہے۔(حقیقۃ الالحاد ۸)

اعتراض نمبر۲۰:

سوال نمبر۲: مرد اور عورت کی نماز میں فرق:

اشتہار میں دوسرا سوال یہ تھا کہ حنفی مرد ناف کے نیچے ہاتھ باندھتے ہیں اور عورتیں سینے پر ہاتھ باندھتی ہیں یہ فرق قرآن وحدیث سے ثابت کرے اسی طرح غیر مقلد صادق سیالکوٹی لکھتے ہیں:"عورتوں اور مردوں کی نماز کے طریقہ میں کوئی فرق نہیں صحیح بخاری کی مشہور حدیث ہے""صلوا کما رایتمونی اصلی" پڑھو نماز (اے میری امت) جس طرح دیکھتے ہو تم کہ میں نماز پڑھتا ہوں۔ یاد رکھیں کہ تکبیر تحریمہ سے شروع کر کے السلام علیکم ورحمۃ اللہ کہنے تک عورتوں اور مردوں کے لیے ایک ہیئت اور ایک شکل کی نماز ہے۔(سبیل

الرسول ۲۴۸ صلاۃ الرسول) یہی بات غیر مقلد یونس قریشی نے دستور المتقی میں لکھی ہے؟

جواب:
قرآن وسنت میں بعض مسائل صراحتاً مذکور ہیں لیکن بعض ایسے مسائل ہیں جن کی صراحت قرآن وسنت میں نہیں ہے لیکن اشتراک علت کی بنا پر اصل (منصوص) مسئلہ سے دوسرے مسئلہ کو حکم متعدی ہو جاتا ہے جیسا کہ حائضہ سے صحبت کرنے کی ممانعت صراحتاً مذکور ہے "فاعتزلوا النساء فی المحیض" اللہ تعالیٰ نے اس کی علت اذی بتائی ہے۔ "قل هو اذی" تو حیض اور نفاس میں علت مشترک ہونے کی بنا پر نفاس والی عورت سے بھی صحبت ممنوع ہے اور اشتراک علت کی وجہ سے نفاس کے دیگر مسائل بھی حیض پر قیاس ہے اسی طرح قرآن وسنت میں ایسی منصوصات موجود ہیں جس میں عورت کو ستر کی پابندی کی گئی ہے چاہے ان کا تعلق نماز سے ہو یا خارج از نماز۔ جیسا کہ عورت بغیر محرم کے حج کے لیے نہیں جا سکتی، عورت مردوں کی امامت نہیں کرا سکتی، اذان نہیں دے سکتی۔ ننگی سر نماز نہیں پڑھ سکتی، ان کی نماز کے لیے فضیلت کی جگہ گھر ہے نہ کہ مسجد وغیرہ عورت کے ستر کو خاص اہمیت دی گئی ہے اب اشتراک علت کی بنا پر جو کہ ستر ہے نماز کے دیگر مسائل بھی ان منصوصات پر قیاس کیے گئے جن میں عورت کے ستر کو خاص اہمیت دی گئی ہے صرف قیاس بھی نہیں بلکہ ان کے شواہد مرفوع اور موقوف روایات یا اجماع بکثرت پائے جائے ہیں اشتہار میں لکھنا کہ "فقہ حنفی کے ہزاروں مسائل قرآن وسنت کے خلاف ہیں" یہ ان کا نرا تعصب اور دعویٰ بلا دلیل ہے کیونکہ مرد اور عورت کی نماز میں فرق صرف فقہ حنفی کا مسئلہ نہیں۔ بلکہ خود غیر مقلدین شافعی، حنبلی اور مالکی بھی اکثر مسائل میں مرد اور عورت کی نماز میں فرق کے قائل ہیں کما سیاتی۔ غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا پڑھو نماز جس طرح دیکھتے ہو کہ میں نماز پڑھتا ہوں۔ (بخاری) اس روایت سے معلوم ہوا کہ مرد اور عورت کی نماز میں کوئی فرق نہیں کیونکہ یہ خطاب عام ہے مرد اور عورت دونوں کو شامل ہے۔

جواب اس کا یہ ہے کہ غیر مقلدین حضرات کا خود بھی اس عموم پر عمل نہیں۔ عورت کے بعض مسائل اس عموم سے مستثنیٰ کرتے ہیں جیسے عورتوں کا پہلی صف میں کھڑا نہ ہونا، بغیر دوپٹے کے یعنی ننگے سر نماز نہ ہونا، نماز جمعہ کا ان پر فرض نہ ہونا، ان کے لیے تصفیق اور مرد کے لیے تسبیح کرنا وغیرھا اسی طرح ہم بھی دلائل کی بنیاد پر عورت کے بعض مسائل اس خطاب عام سے مستثنیٰ کرتے ہیں یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ عام سے کوئی تخصیص کسی شرعی دلیل کی بنا پر کی جائے تو عام عام نہیں رہتا بلکہ مخصوص البعض ہو جاتا ہے اور عام مخصوص البعض کا حکم یہ ہے کہ اس کی تخصیص دلائل اربعہ سے ہو سکتی ہے۔ ملاحظہ ہو کتب اصول فقہ اسی طرح علامہ قاضی شوکانی غیر مقلد لکھتے ہیں: ''اس سے معلوم ہوا کہ عموم کی تخصیص قیاس سے بھی صحیح ہے۔'' (نیل الاوطار ۴/ ۸) امام ابن دقیق العید لکھتے ہیں ''جب تخصیص کی وجہ ظاہر ہو تو بلا اختلاف احدے قیاس اور رائے سے بھی عموم کی تخصیص جائز ہے'' (بحوالہ فیض الباری ۲/ ۱۳۷) علامہ جزائری لکھتے ہیں ''تمام علمائے اسلام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ عموم کی تخصیص دلالت عقلی اور قیاس سے بھی جائز ہے۔ (توجیہ النظر ۷۹) لہٰذا ''صلوا کما رایتمونی اصلی'' کے عموم سے بعض مسائل دیگر روایات یا اجماع اور قیاس سے مستثنیٰ کرتے ہیں۔

مرد اور عورت کے درمیان ہاتھ اٹھانے میں فرق:

مرد تکبیر میں دونوں ہاتھ کانوں کی لو تک اٹھائے۔

''عن انس قال قال النبی ﷺ اذا فتح الصلاة کبر ثم رفع یدیه حتی یحاذی بابهامیه اذنیه'' (دار قطنی ۱/ ۳۰۰ رواته کلهم ثقات کذا فی نصب الرایه ۱/ ۳۱۱) ''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ جب نماز شروع کرتے تو تکبیر کہتے اور دونوں ہاتھ اٹھاتے یہاں تک کہ انگوٹھوں کو کانوں کے برابر کرتے۔''

عورت تکبیر تحریمہ میں دونوں ہاتھ کندھوں تک اٹھائے کیونکہ کندھوں تک اٹھانے میں اس کے لیے بہت ستر ہے اس قیاس کے مرفوع اور موقوف روایات بطور شواہد ملاحظہ فرمالیں۔

حضور ﷺ نے وائل بن حجر کو فرمایا:

۱۔ یا وائل بن حجر اذا صلیت فاجعل یدیك حذا اذنیك والمراة تجعل یدیها حذاء ثدیها۔ (طبرانی کبیر ۲۲/ ۲۰) اے وائل! جب تو نماز پڑھو تو اپنے ہاتھ کانوں تک اٹھاؤ اور عورت اپنے دونوں ہاتھ اپنی چھاتی کے برابر اٹھائے۔

علامہ ہیثمی لکھتے ہیں: ''رواہ الطبرانی من طریق میمونة بنت حجر بن عبدالجبار عن عمتها ام یحیی بنت عبدالجبار و علم اعرفها و بقیة رجاله ثقات'' (مجمع الزوائد)

۲۔ حدثنا ابو بکر نا اسماعیل بن عیاش بن عبد ربه بن زیتون قال رائیت ام الدرداء ترفع کفیها حذو منکبیها حین تفتح الصلاة

(مصنف ابن ابی شیبة ۱/ ۲۳۹)

حضرت عبد ربہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ام الدرداء (صحابیہ) کو دیکھا نماز شروع کرتے وقت وہ اپنے ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھاتی تھی۔

۳۔ عن حماد انه یقول فی المراة اذا افتتحت الصلاة ترفع یدیها الی ثدیها۔ (مصنف ابن ابی شیبة ۱/ ۲۳۹)

حضرت حماد کہتے ہیں کہ جب عورت نماز شروع کرتی ہے تو وہ اپنے ہاتھ چھاتی تک اٹھائے۔

۴۔ عن الزهری قال ترفع یدیها حذو منکبیها۔ (مصنف ابن ابی شیبة ۱/ ۲۳۹)

امام زہری کہتے ہیں کہ عورت ہاتھ کندھوں کے برابر اٹھائے۔

۵۔ عن ابن جریج قال قلت العطاء تشیر المراة بیدیها بالتکبیر کالرجل قال لا ترفع یدیها کالرجل واشار فخفض یدیه جدا و جمعها جدا وقال ان للمراة هیئة لیست للرجل وان ترکت ذالك فلا حرج۔

(مصنف ابن ابی شیبة ۱/ ۲۳۹)

ابن جریج کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عطاء سے کہا کیا عورت بھی تکبیر کے وقت اپنے

ہاتھ اسی طرح اٹھائے جس طرح مرد اٹھاتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ وہ اسی طرح اپنے ہاتھ اٹھائے اور پھر انہوں نے اپنے ہاتھوں کو پست کیا اور اکٹھا کیا اور بتلایا کہ اس طرح عورت ہاتھ اٹھائے اور پھر فرمایا کہ عورت کے لیے نماز میں ایسی ہیئت ہے جو مرد کے لیے نہیں اور اگر یہ چھوڑ دے تو کوئی حرج نہیں۔

اسی طرح تمام علما کا اتفاق بھی اس قیاس کی تائید کرتا ہے۔

مرد اور عورت کے درمیان ہاتھ باندھنے میں فرق:

نماز میں ہاتھ کہاں باندھے جائیں؟ اس میں علما کا اختلاف ہے بعض کے نزدیک تحت الصدر ہاتھ باندھنا اولیٰ ہے بعض تحت السرة ہاتھ باندھنے کو افضل کہتے ہیں ائمہ مجتہدین سے مختلف طریقے سے ثابت ہیں امام ترمذی لکھتے ہیں صحابہ وغیرہ کے نزدیک یہ سارے طریقے جائز تھے۔ (ترمذی) حنفیہ کے نزدیک مرد کے لیے تحت السرة ہاتھ باندھنا اولیٰ ہے کیونکہ یہ ابلغ فی التعظیم ہے اور نسبتاً اس کے حدیث اقرب الی الصحۃ ہے۔

عن وائل رایت النبی ﷺ یضع یمینه علی شماله تحت السرة۔ (مصنف ابن ابی شیبة ۱/۳۹۰) حضرت وائل بن حجر فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے نماز میں اپنا دایاں ہاتھ بائیں ہاتھ پر زیر ناف رکھا۔

عورت سینے پر ہاتھ باندھے کیونکہ یہ ان کے لیے استر طریقہ ہے اور یہ قیاس سند اجماع ہے یعنی اس بات پر اجماع ہے کہ عورت سینے پر ہاتھ باندھے جیسے کہ مولانا عبدالحیٔ حنفی لکھتے ہیں۔

واما فی حق النساء فاتفقوا علی ان السنة لهن وضع الیدین علی الصدر (السعایة ۲/۱۵۶) بہر حال علماء کا اتفاق ہے کہ عورتوں کے حق میں سنت یہ ہے کہ وہ ہاتھ نماز میں سینے پر رکھے۔

حضرت مولانا صاحب نے لکھا تھا "زیر ناف ہاتھ رکھنے پر دال حدیث نسبتاً چونکہ اقرب الی الصحۃ تھی۔ (تحریر ۵) جواب میں نورستانی صاحب لکھتے ہیں "**اقرب الی الصحة** نہیں بلکہ **اقرب الی الضعف** ہے کیونکہ امام نووی فرماتے ہیں کہ ضعیف متفق علی تضعیفہ شرح

مسلم ۱/۱۷۳ (المبنی للفاعل ۱۴) جناب نورستانی صاحب نے یہاں بھی خیانت کو شربت صندل سمجھ کر پی لی نووی نے جس حدیث کو ضعیف کہا ہے وہ حضرت علی کی حدیث ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں "**واما حدیث علی انه قال السنة وضع الاکف علی الاکف تحت السرة ضعیف متفق علی تضعیفه" (شرح مسلم ۱/۱۷۳)** یعنی جس روایت کو نووی نے ضعیف کہا ہے وہ علی کی روایت ہے حالانکہ حضرت مولانا صاحب نے لکھا تھا زیر ناف ہاتھ رکھنے پر دال حدیث نسبتاً چونکہ اقرب الی الصحۃ تھی۔ کیوں جناب والا زیر ناف ہاتھ رکھنے پر صرف ایک یہی دال ہے؟ اگر نورستانی ضد و عناد کے گھوڑے سے اتر کر اور تعصب کی عینک اتارے تو انہیں وائل بن حجر کی مذکورہ صحیح حدیث بھی نظر آ جائے گی لیکن کیا کریں کہ انہیں خیانت و بددیانتی کی گھٹی پلائی گئی ہے۔

مرد اور عورت کے درمیان رکوع اور سجدہ میں فرق:

مرد رکوع میں دونوں بازوں کو اپنے پہلوؤں سے دور رکھے۔

عن ابی حمید قال ان رسول اللہ ﷺ رکع فوضع یدیه علی رکبتیه کانه قابض علیها وترید به فنحاهما عن جنبیه۔ (ترمذی ۱/۶۵ وقال حدیث حسن)

حضرت ابو حمید سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے رکوع کیا تو اپنے ہاتھ دونوں گھٹنوں پر اس طرح رکھے گویا آپ ان کو پکڑے ہوئے ہیں اور آپ نے دونوں بازوں کو تان کر اور ان کو اپنے پہلوں سے دور رکھا۔

مرد سجدہ میں بھی دونوں بازوؤں کو اپنے پہلو سے دور رکھے۔

عن عمرو بن الحارث ان رسول اللہ ﷺ کان اذا سجد فرج یدیه عن ابطیه حتی انی لاری بیاض ابطیه۔ (مسلم ج۱ ص ۱۹۴)

حضرت عمرو بن الحارث کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ جب سجدہ کرتے تھے تو اپنے بازوں کو بغلوں سے دور ہٹا کر رکھتے تھے یہاں تک کہ آپ کے بغل مبارک کی سفیدی نظر آتی تھی۔

عورت رکوع اور سجدہ جم کر کرے یعنی رکوع میں بازو اپنے پہلوؤں سے دور نہ کرے اسی طرح سجدہ بھی خوب سمٹ کر کرے کیونکہ اس صورت میں عورت کے لیے بہت ستر ہے اور اس قیاس کے شواہد بھی موجود ہیں۔

عن زید بن ابی حبیب ان النبی ﷺ مر علی امرتین تصلیان فقال اذا سجدتما فضما بعض اللحم الی الارض فان المراۃ فی ذلک لیست کالرجل۔ (ابوداؤد، سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۲۳، سبل السلام ج ۱ ص ۳۲۵، تلخیص الحبیر ج ۱ ص ۲۴۲)

حضرت یزید بن ابی حبیب سے مروی ہے کہ حضور ﷺ دو عورتوں کے پاس سے گزرے جو نماز پڑھ رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: جب تم سجدہ کرو تو اپنے جسم کا کچھ حصہ زمین سے ملا لیا کرو کیونکہ عورت اس میں مرد کی طرح نہیں ہے۔

عن ابن عمر مرفوعا اذا جلست المراۃ فی الصلاۃ وضعت فخذھا علی فخذھا الاخری فاذا سجدت الصقت بطنھا فی فخذیھا کاستر ما یکون لھا وان اللہ تعالی ینظر الیھا الخ۔ (سنن الکبریٰ ج ۲ ص ۲۲۴، کنز العمال ج ۷ ص ۵۴۹)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب عورت نماز میں بیٹھے تو اپنی ایک ران دوسری ران پر رکھے اور جب سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو رانوں سے چپکا لے اس طرح کہ اس کے لیے زیادہ سے زیادہ پردہ ہو جائے۔

نورستانی کی بدحواسی:

سنن الکبریٰ کی یہی روایت اور حضرت ابوسعید خدری کی روایت میں ضعف تھی تو حضرت مولانا صاحب نے لکھا یہ حدیثیں بقول امام بیہقی قابل احتجاج نہ بھی ہوں قابل استشہاد تو ضرور ہیں۔ (تحریر ۶) تو اس کے جواب میں نورستانی لکھتے ہیں استشہاد احتجاج و استدلال کے فرع ہے کیونکہ استشہاد کہتے ہیں "**طلب ما یدل علی استحقاق الدلیل للاستدلال والاحتجاج**" (المبنی للفاعل ۱۷) جناب نورستانی صاحب کا مقصد یہ

ہے کہ جب یہ حدیثیں قابل استدلال نہیں تو استشہاد میں یہ کیسے پیش کی جا سکتی ہیں کیونکہ استشہاد استدلال و احتجاج کا فرع ہے جب اس روایت کا قابل استدلال ہونا باطل ہوا تو قابلِ استشہاد ہونا خود بخود باطل ٹھہرا جناب نورستانی کے اندھے مقلد جب اپنے مقتدیٰ پیرومرشد کے یہ شگوفے دیکھتے ہیں تو خوش ہو کر ان کے دل مطمئن ہو جاتے ہیں لیکن دنیا میں عقل و بصیرت والے بھی رہتے ہیں جو حق و باطل اور رطب و یابس میں امتیاز کر سکتے ہیں جناب استدلال و احتجاج علیحدہ چیز ہے استشہاد علیحدہ چیز ہے۔ استشہاد میں وہ روایت بھی پیش کی جا سکتی ہے جس کی راوی سے احتجاج نہ کیا جا سکتا ہو (تدریب الراوی ج ۱ ص ۲۴۵، التقلید والایضاح ۱۰۸) لیکن استدلال و احتجاج میں یہ نہیں ہو سکتا اور ہمارے مہربان نے استشہاد کی جو تعریف ذکر کی ہے۔ "**طلب ما یدل علی استحقاق الدلیل للاستدلال والاحتجاج**" تو لفظ "الدلیل" میں الف و لام عہدی ہے یعنی اس سے وہ دلیل مراد ہے، جس کے قابل استدلال ہونے کے لیے استشہاداً دوسری دلیل جو پہلی کی تائید کے لیے پیش کی گئی ہے استشہاد کہتے ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ نورستانی کو لفظ "**للاستدلال والاحتجاج**" کو طلب کے ساتھ متعلق کیا ہے اس لیے وہ غلط فہمی میں پڑا ہے حالانکہ ان کا تعلق لفظ استحقاق کے ساتھ ہے کہ اگر ان کو طلب کے ساتھ متعلق کیا جائے تو معنی غلط بنتی ہے **کما لاخفی علی البصیر۔**

حدثنا ابو بکر قال حدثنا ابو الاحوص عن ابی اسحاق عن الحارث عن علی قال اذا سجدت المراۃ فلتحتفر ولتضم فخذیھا۔ (مصنف ابن ابی شیبۃ ج ۱ ص ۲۷۹، بیھقی ج ۱ ص ۲۲۲، مسند الامام زید ۹۵)

حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ جب عورت سجدہ کرے تو خوب سمٹ کر کرے اور اور اپنی دونوں رانوں کو ملائے رکھے۔

حدثنا ابو بکر قال نا ابو عبدالرحمن المقری عن سعید بن ایوب عن یزید بن حبیب عن بکیر بن عبداللہ بن الاشجع عن ابن عباس ان سئل عن

صلاة المراة فقال تجتمع وتحتفر۔ (مصنف ابن ابی شیبة ج۱ ص۲۷۰)

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عورت کی نماز کے بارے میں سوال ہوا تو آپ نے فرمایا کہ وہ اکٹھی ہو کر اور خوب سمٹ کر نماز پڑھے۔

عن ابراهیم قال اذا سجدت المراة فلتزق بطنها بفخذیها ولا ترفع عجیزتها ولا تجافی کما یجافی الرجل (مصنف بن ابی شیبة ج۱ ص۲۷۰)

حضرت ابراہیم نخعی نے کہا جب عورت سجدہ کرے تو اپنے پیٹ کو اپنی رانوں کے ساتھ ملا لے اور اپنے سرینوں کو اوپر نہ اٹھائے اور بازوؤں کو اپنے پہلوؤں سے دور نہ کرے جس طرح مرد کرتے ہیں۔

عن الحسن قال المراة تضهم فی السجود (مصنف ابن ابی شیبة ج۱ ص۲۷۰)

حضرت حسن بصری نے کہا کہ عورت بالکل سمٹ سکڑ کر سجدہ کرے۔

اسی طرح مجاہد رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے کہ مرد کے لیے مکروہ ہے کہ وہ اپنے پیٹ کو اپنی رانوں کے ساتھ ملائے جیسا کہ عورت ملاتی ہے۔ (مصنف ج۱ص۲۷۰)

مذکور فرق کا ثبوت حضرات شافعیہ سے:

امام شافعی خود مرد اور عورت کی نماز میں فرق ذکر کر کے کہتے ہیں۔

"وقد ادب الله تعالی النساء بالاستار وادبهن بذلك رسوله واحب للمراة فی السحود ان تضم بعضها الی بعض وتلصق بطنها بفخذیها وتسجد کاستر ما یکون لها وهکذا احب لها فی الرکوع والجلوس وجمیع الصلاة ان تکون فیها کاستر ما یکون لها۔ (کتاب الام للشافعی ج۱ ص۱۱۵)

اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو یہ ادب سکھلایا ہے کہ پردہ کریں اور یہی ادب اللہ کے رسول ﷺ نے بھی عورتوں کو سکھلایا ہے لہٰذا عورتوں کے لیے سجدہ میں پسندیدہ یہ ہے کہ وہ اپنے اعضاء کو ملا کر رکھیں اور پیٹ کو رانوں سے چپکا لیں اور اس طرح سجدہ کریں کہ ان کے لیے زیادہ

سے زیادہ پردہ ہو جائے اسی طرح ان کے لیے پسندیدہ ہے رکوع میں بھی اور جلسہ میں بھی بلکہ تمام نماز ہی میں کہ وہ اس طرح نماز پڑھیں کہ جس سے ان کے لیے زیادہ سے زیادہ پردہ ہو جائے۔

امام نووی الشافعی نے امام شافعی کا یہی مذہب مجموع شرح المہذب میں ذکر کیا ہے علامہ قرطبی نے بھی شوافع کا یہی مذہب ذکر کیا ہے۔ (تفسیر قرطبی طبع بیروت ج۱ص۲۴۶)

حضرات حنابلہ سے:

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے مرد اور عورت کی نماز میں فرق بیان کیا ہے۔ (المغنی لابن قدامہ ج۱ص۵۶۲) علامہ عبدالرحمٰن نے حنابلہ کا یہی مذہب نقل کیا ہے۔ (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ج۱ص۲۲۵)

حضرات مالکیہ سے:

ابو زید قیروانی المالکی نے "الرسالۃ" میں اس فرق کی صراحت فرمائی ہے۔

گھر کی شہادت:

غیر مقلدین کے اکابر نے بھی اس فرق کی صراحت فرمائی ہے غیر مقلد عالم امیر یمانی نے سبل السلام ج۱ص۳۲۵ پر یہ فرق ذکر کیا ہے وہاں ملاحظہ فرمایئے اسی طرح غیر مقلد عالم عبدالجبار غزنوی مرد اور عورت کی نماز میں فرق احادیث اور مذاہب اربعہ کی روشنی میں بیان کر کے لکھتے ہیں، غرض کہ عورتوں کا انضمام وانخفاض نماز میں احادیث وتعامل جمہور اہل علم از مذاہب اربعہ وغیرہم سے ثابت ہیں اس کا منکر کتب حدیث وتعامل اہل علم سے بے خبر ہے۔ (فتاویٰ غزنویہ فتاویٰ علماء حدیث ج۳ص۱۴۹)

فرمایئے جناب! مرد اور عورت کی نماز میں فرق کے صرف حنفیہ قائل ہیں یا مذاہب اربعہ والے اور غیر مقلدین بھی؟ اشتہار میں یہ لکھنا کہ فقہ حنفی کے ہزاروں مسائل قرآن وسنت

کے خلاف ہیں تو اس بات پر غیر مقلدین کو صرف ضد وعناد اور تعصب نے مجبور کیا ہے۔

مرد اور عورت کے درمیان جلوس میں فرق:

عورت مرد کی طرح نہیں بلکہ خوب سمٹ کر بیٹھیں۔

عن ابن عمر انه سئل كيف كان النساء يصلين على عهد رسول الله ﷺ قال كن يتربعن ثم امرن ان يحتفرن۔ (جامع المسانيد ج۱ ص۴۰۰ هذا اسناد صحيح اعلاء السنن ج۳ ص۲۰)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں عورتیں کیسی نماز پڑھتی تھیں آپ نے فرمایا چہار زانوں بیٹھ کر پھر انہیں حکم دیا گیا کہ وہ خوب سمٹ کر بیٹھا کریں۔

نماز میں کوئی بات پیش آئے تو مرد تسبیح کہے گا اور عورت ایک ہاتھ سے دوسرے ہاتھ کی پشت مارے گی:

عن ابی هريرة عن النبی ﷺ قال التسبيح للرجال والتصفيق للنساء

(بخاری ج۱ ص۱۶۰، مسلم ج۱ ص۱۸۰)

حضور ﷺ نے فرمایا ہے تسبیح مردوں کے لیے ہے اور تصفیق عورتوں کے لیے ہے۔

اعتراض نمبر۲۱:

سوال نمبر۳/ امامت کے شرائط:

اشتہار میں تیسرا سوال یہ کیا ہے کہ حنفی مذہب میں امامت کے شرائط میں ایک شرط یہ بھی ہے کہ جس کی بیوی خوب صورت ہو اس کو امام بناؤ اگر اس میں برابر ہو جس کا سر بڑا ہو اور عضو چھوٹا ہو تو اس کو امام بناؤ۔ (درمختار)

جواب:

غیر مقلدین خیانت جیسے جرم عظیم کو گناہ ہی نہیں سمجھتے درمختار میں بیوی کا خوبصورت ہونا اعضاء کا چھوٹا ہونا امامت کے شرائط میں سے نہیں بلکہ احقیت امام کے لیے صفات بیان کیے ہیں شرط تو وہ ہوتا ہے جس کے فوت ہو جانے سے مشروط بھی فوت ہو جائے حالانکہ اگر امام میں یہ صفات نہ بھی ہوں تو نماز میں کوئی خلل نہیں آتا صرف بہتری کے لیے ان صفات کا ذکر کیا ہے احادیث میں امامت کے لیے جو صفات بیان کی گئیں ہیں اگر ان صفات میں مساوی ہوں تو فقہائے کرام نے احقیت امامت کے لیے چند صفات بیان کیے ہیں ان صفات میں سے غیر مقلدین نے اشتہار مذکور میں دو وصفت نقل کر کے اعتراض کیا ہے کہ انہیں قرآن وسنت سے ثابت کریں ہم نے پہلے بھی عرض کیا ہے کہ غیر مقلدین کا یہ انداز غلط ہے کیونکہ اہل سنت والجماعت کے چار دلائل ہیں، لہذا فقہائے کرام نے احادیث کو مدنظر رکھتے ہوئے قیاس کر کے مذکورہ صفات ذکر کیے یہ صفات قیاس ہی سے نہیں بلکہ احادیث سے بھی ثابت ہیں جیسا کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں۔

"ان سركم ان تقبل صلاتكم فليومكم خياركم فانهم وفدكم فيما بينكم وبين ربكم"

(طبرانی کبیر ج۲۰ ص۳۲۸، دار قطنی، مستدرك حاكم، مرقاة ج۳ ص۱۹۶)

اگر تمہیں اچھا لگتا ہے کہ تمہاری نماز قبول ہو تو چاہیے کہ تمہاری امامت وہ لوگ کریں جو تم میں سے بہتر ہوں کیونکہ امام تمہارے نمائندے ہوتے ہیں تمہارے اور خدا کے درمیان۔

اسی طرح حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما حضرت محمد ﷺ سے روایت کرتے ہیں:

"اجعلوا ائمتكم خياركم فانهم وفدكم فيما بينكم و بين ربكم"

(سنن الكبری ج۳ ص۹۰)

اپنے امام اپنے سے بہترین لوگوں کو بناؤ کیونکہ امام تمہارے نمائندے ہوتے ہیں

تمہارے اور تمہارے خدا کے درمیان۔

قارئین کرام! اس بات سے انکار نہیں کہ حضرات محدثین کرام نے ان دونوں روایتوں کی صحت میں کلام کیا ہے لیکن یہ بات بھی قابل انکار نہیں کہ محدثین نے اس بات پر اتفاق کیا ہے کہ ضعیف حدیث فضائل میں قابلِ حجت ہے۔ (شرح النقایہ ج۱ ص۹، مستدرک ج۱ ص۴۹۰، فتح المغیث ۱۲۰، فتاویٰ لابن تیمیہ ج۱ ص۳۹، فتاویٰ نذیریہ ج۱ ص۲۶۵) ان احادیث سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ امام اسے بنایا جائے جو سب سے بہتر ہو اب بہترین کون ہے؟

احقیت امامت کے لیے پہلی صفت:

حضور ﷺ فرماتے ہیں "خیارکم خیارکم لنساء ھم" (مشکوٰۃ ج۲ ص۲۸۹) تم میں سے بہترین وہ ہے جو اپنی بیویوں کے حق میں بہترین ہو۔ شریعت مطہرہ میں تو کالے گورے خوبصورت اور بدصورت کا تو کوئی امتیاز نہیں ہے لیکن دل غیر اختیاری طور پر خوبصورت بیوی کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور یہ بھی تجربہ شدہ بات ہے کہ جس کی بیوی خوبصورت ہو عام طور پر وہ اپنی بیوی کے حق میں بہتر ہوتا ہے۔ آنحضرت ﷺ بھی فرماتے ہیں کہ مومن بندہ اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کے بعد جو سب سے بہتر چیز اپنے لیے پسند کرتا ہے وہ نیک بخت بیوی ہے۔ "ان امرھا اطاعة وان نظر الیھا سرة"
(مشکوٰۃ ج۲ ص۲۶۸)

اگر اس کو کوئی حکم دیتا ہے تو وہ اس کی تعمیل کرتی ہے جب وہ (شوہر) اس کی طرف دیکھتا ہے تو وہ اس کا دل خوش کرتی ہے۔ ملا علی قاری اس حدیث کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ای جعلته مسرورا بحسن صورتھا و سیرتھا" (مرقاۃ ج۶ ص۲۷۴) یعنی اگر شوہر اس عورت کو دیکھے تو یہ عورت اپنے صورت و سیرت کے حسن سے اسے خوش کرتی ہے۔ اسی طرح جس آدمی کی بیوی خوبصورت ہو وہ عموماً بدنظری، بے حیائی اور فحش کاموں سے محفوظ رہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بیوی کو شوہر کے لیے لباس ٹھہرائی اور آنحضرت ﷺ نے

فرمایا کہ نکاح کرنا نظر کو بہت چھپاتا ہے اور شرم گاہ کو بہت محفوظ رکھتا ہے۔ (بخاری و مسلم و مشکوٰۃ ج۲ ص۲۶۷) یعنی جو شادی شدہ ہو تو ان کا اجنبی عورت کی طرف نظر مائل نہیں ہوتی اور حرام کاری سے بچتا ہے مشفق انسانیت پیغمبر ﷺ اسلام نے بے حیائی اور حرام کاری سے روکنے کا ذریعہ نکاح ٹھہرایا ہے اب آپ خود سوچئے کہ جس کی بیوی خوبصورت ہو تو کیا وہ بطریق اولیٰ حرام کاری سے نہیں رکے گا۔ فقہاء کی ان ساری باتوں پر نظر تھی اس لیے کہا کہ اگر کسی کی بیوی خوبصورت ہو تو اسے امام بنایا جائے گا۔ اور یہ بات کہ امام کی بیوی کیسے معلوم کی جائے تو ہمسایہ اور رشتہ دار لوگوں کو اپنی عورتوں کے ذریعے معلوم ہو جاتا ہے جیسا کہ کوئی آدمی نکاح کرتا ہے تو لڑکی کی حالت اپنی عورتوں سے معلوم کرتا ہے۔

احقیت امامت کے لیے دوسری صفت:

رہی یہ بات کہ امام اسے بنایا جائے جس کا سر بڑا ہو دوسرے اعضاء چھوٹے ہوں اس کا مطلب یہ ہے کہ سر کا بڑا ہونا دوسرے اعضاء کا مناسب ہونا کمال عقل کی دلیل ہے اور یہ بات بھی تجربہ سے ثابت ہے کہ جس کا سر بڑا ہو دوسرے اعضاء چھوٹے ہوں تو وہ نہایت سمجھ دار ہوتا ہے اور چھوٹے سر والا کم عقل والا ہوتا ہے اور اس بات سے بھی کسی کو انکار نہیں کہ عقل مند کم عقل والے سے بہتر ہوتا ہے اور حدیث میں بھی بہتر شخص کو امام بنانے کی ترغیب دی گئی ہے قارئین کرام غور فرمائیے کہ فقہ حنفی کا یہ مسئلہ حدیث کے مخالف ہے یا موافق؟

فقہائے احناف پر عظیم بہتان:

شیر سرحد تاج غیر مقلدین جناب نورستانی صاحب لکھتے ہیں کہ "الاصغر عضوا"، یعنی جس عضو چھوٹا ہو سے مراد آلہ تناسل کا چھوٹا ہو جانا ہے یعنی امام اسے بنایا جائے جس کا سر بڑا اور آلہ تناسل چھوٹا ہو دلیل یہ پیش کی ہے کہ لفظ "عضو" واحد ہے اور سارے بدن میں واحد عضو صرف آلہ تناسل ہی ہے۔ (المبنی للفاعل ۱۹) کفار کی یہی کوشش ہے کہ مسلمانوں کو کیسے بدنام کیا جائے باطل فرقے قادیانی، پرویزی وغیرہ اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ

اہل اسلام کی کتابوں میں لفظی اور معنوی تحریف کریں غلط مطلب بیان کریں، کمی اور زیادتی کریں ان کے آلہ کار غیر مقلدین کی بھی یہی کوشش ہے کہ فقہائے احناف کی کتابوں سے مرجوح اور مرجوح عنہ اقوال اچھال اچھال کر لوگوں میں مفت تقسیم کریں ان کی عبارات کا غلط ترجمہ کر کے اہل باطل کی خوشی اور مسلمانوں کو اپنے دین سے بدظن کریں۔ پتہ نہیں نورستانی اور ان کے ہمنوا "عضو" سے آلہ تناسل کیوں مراد لیتے ہیں۔ بے حیا باش دہر چہ خواہی کن۔ جناب من! آپ کا یہ مطلب جو آپ نے سمجھا ہے شاید آپ کی جماعت والے قبول کر لیں باوجود غیر مقلد ہونے کے آپ کی عقیدت کی وجہ سے آپ کی تقلید کریں یا اور کوئی عقل مند دشمن ان سے یہی مراد لے جو آپ نے لیا ہے مگر ہم تو کہتے ہیں کہ زہر آلود لقمہ ہے جو ناواقف لوگوں کو کھلایا گیا ہے۔

"عضو" سے آلہ تناسل مراد لینا محض بہتان ہے:

چنانچہ علامہ ابن عابدین شامی حنفی نے خود اس بات کی تردید کی ہے کہ عضو سے مراد آلہ تناسل ہے۔

چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

"وفی حاشیة ابن السعود ونقل عن بعضهم فی هذا المقام مالا یلیق ان یذکر فضلا عن ان یکتب وکانه یشیر الی ما قیل ان المراد بالعضو الذکر"

(ردالمحتار ج۱ ص۴۱۲)

ابوالسعود کے حاشیہ میں اس مقام میں بعض سے ایسی بات منقول ہے جو اسی قابل نہیں کہ اسے ذکر کیا جائے چہ جائے کہ لکھا جائے گویا اس طرف اشارہ ہے جو کہا گیا ہے کہ مراد عضو سے آلہ تناسل ہے۔

اور **منحة الخالق** ج۱ ص۳۴۸ پر بھی اس بات کی تردید کی ہے کہ عضو سے مراد آلہ تناسل ہے۔ غور فرمائیے کہ فقہائے احناف یہ کہے کہ عضو سے آلہ تناسل نہیں بلکہ بدن کے

اندام مراد ہیں لیکن ہمارا مہربان اس بات پر ڈھٹ کر کھڑا ہے کہ مراد عضو سے آلہ تناسل ہے من چہ گویم وطنبورِ من چہ گوید والی بات ہے۔ دانش مندوں کا مقولہ ہے "**کل لناء یترشح بما فیه**" ثانیاً بدن میں واحد عضو ناک بھی ہے شیر سرحد کو صرف آلہ تناسل کیوں نظر آیا مشہور ہے کسی بھوکے سے کسی نے پوچھا کہ دو اور دو کتنے ہو گئے کہا چار روٹیاں۔ ثالثاً انسان کے جسم میں جو ایک سے زائد اعضاء ہیں کبھی کبھار بطور جنس واحد کا صیغہ بولا جاتا ہے لیکن مراد واحد نہ ہو جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے "**من رای منکم منکرا فلیغیره بیده**" یہاں پر واحد کا صیغہ ہے لیکن مراد صرف ایک نہیں بلکہ دونوں ہاتھ مراد ہیں بقول نورستانی لفظ ید واحد کا صیغہ ہے تو دونوں ہاتھوں سے برائی کا روکنا حدیث کے خلاف ہوگا اسی طرح حضور ﷺ فرماتے ہیں "**المسلم من سلم المسلمون من لسانه و یده**" یعنی مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہوں یہاں بھی لفظ واحد ہے لیکن نورستانی کے نزدیک یہ معنی بنتا ہے کہ جس کے ایک ہاتھ سے مسلمان محفوظ نہ ہوں تو وہ مسلمان نہیں ہے لیکن اگر دونوں ہاتھ کے ضرر سے محفوظ نہ ہوں تو مسلمان ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے "**جعلت قرة عینی فی الصلاة**" میری آنکھ کی ٹھنڈک نماز میں ہے اب جناب کے نزدیک یہ مطلب ہوگا کہ نماز میں حضور ﷺ کی صرف ایک آنکھ کی ٹھنڈک ہوگی دونوں کی نہیں یہی مطلب جناب نے "اصغر عضوا" سے لیا ہے کہ لفظ عضو واحد کا صیغہ ہے اور بدن میں واحد آلہ تناسل ہے تف ہو ایسی اہل حدیثیت پر لیکن یہ بات یا تو جان بوجھ کر کہہ رہا ہے یا ان میں جہالت بطریق اکمل پائی جاتی ہے۔ رابعاً غیر مقلدین کے مایہ ناز عالم علامہ وحید الزمان احناف کا مذہب بیان کر کے لکھتے ہیں۔

"وقال الاحناف ...... ثم الاکبر راسا والاصغر قدما"

(نزل الابرار ج۲ ص۹۶)

احناف کہتے ہیں ...... پھر امام اسے بنایا جائے جس کا سر بڑا ہو قدم چھوٹے ہوں۔ یعنی عضو سے وہ مراد نہیں جو ان حضرات نے سمجھا ہے بلکہ قدم وغیرہ مراد ہیں۔ خامساً عضو

بدن کے ایسے اندام کو کہتے ہیں جس میں ہڈی ہو اور آلہ تناسل میں تو ہڈی نہیں ہوتی۔ چنانچہ صاحب قاموس لکھتے ہیں۔

① ...... والعضو بالضم والكسر كل لحم وافر بعظمه۔

(القاموس ج ا ص ۱۷۲۰)

عضو ضمہ اور کسرہ کے ساتھ ہر وہ گوشت جو ہڈی سے ملا ہوا ہو۔

② ......وقيل هو كل عظم وافر لحمه وجمعها اعضاء۔

(لسان العرب ج ۵ ص ۶۸)

کہا گیا ہے کہ (عضو) ہر اس ہڈی کو کہتے ہیں جس سے گوشت ملا ہوا ہو اس کا جمع اعضاء ہے۔

③ ......كل عظم وافر من الجسم بلحمه۔ (المنجد عربی ۵۱۲)

جسم کی ہر وہ ہڈی جس سے گوشت ملا ہوا ہو۔

④ ...... ولا يسمى القلب والكبد عضوا الا لنحو تغليب ذكره ابن حجر في شرح العباب۔ (هامش قاموس ج ا ص ۱۷۲۰)

دل اور جگر کو عضو نہیں کہا جاتا یہ (کیونکہ اس میں ہڈی نہیں ہوتی) مگر تـغـلیباً حافظ ابن حجر نے اسے شرح عباب میں ذکر کیا ہے۔

⑤ ...... ہر گوشت جو ہڈی میں جڑا ہوا ہو (مفتاح القرآن ۵۳۶) معلوم ہوا کہ ان حضرات کا عضو سے آلہ تناسل مراد لینا فقہائے احناف پر عظیم بہتان ہے اور یہ "توجیہ القول بما لا يرضى به قائله" اور مدعی سست گواہ چست والی بات ہے۔

اعتراض نمبر ۲۲:

سوال نمبر ۴/ زبان کے ساتھ نیت کرنا:

اشتہار میں چوتھا سوال یہ تھا کہ زبان سے نیت کرنا فرض ہے، واجب سنت ہے یا مستحب؟ قرآن وحدیث سے ثابت کریں؟

جواب:

نیت کہتے ہیں دل کے ارادے کو نورستانی نے بھی احناف کی کتابوں سے نیت کا یہی معنی بیان کیا ہے اب اگر دل کے ارادے کو پختہ کرنے کے واسطے اس پر تلفظ کیا جائے تو اس کا کیا حکم ہے؟ ہمارے نزدیک نہ فرض ہے نہ واجب نہ سنت بلکہ اسے مستحسن کہا گیا ہے یعنی نیت پر تلفظ کرنا کوئی شرعی عمل نہیں کہ اس کا ثبوت آنحضرت ﷺ سے ہو یا صحابہ و تابعین سے بلکہ بعض فقہاء نے دفعہ وسوسہ کے لیے اسے پسند کیا ہے۔ یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ اگر عوام کو تلفظ سے روکا جائے تو دل کے ارادے کا فقدان بھی ان سے ہو جاتا ہے جس کا ضرر تلفظ سے زیادہ ہے لہٰذا جو بات آسان ہو کم ضرر والا ہو تو اسے اختیار کرنی چاہیے مشکل اور ضرر والی بات چھوڑنی چاہیے جیسا کہ حدیث میں آتا ہے۔

"وما خير بين امرين الا اختار ايسرهما ما لم يكن ماثما" (ترمذی ۵۹۶)

جب حضور ﷺ کو دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تھا تو آپ وہ بات اختیار کرتے تھے جس میں آسانی ہوتی تھی جب تک وہ گناہ کی بات نہ ہو۔

"واذا ابتليتم بليتين فاختاروا اهونهما"

جب تم دو مصیبتوں میں مبتلا ہو تو ان میں سے آسان ترین کو اختیار کر لینا چاہیے۔

اور یہ مسئلہ صرف حنفیہ کا نہیں بلکہ حضرات مالکیہ بھی دفعہ وسوسہ کے لیے تلفظ کو مندوب کہتے ہیں۔ (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ج ا ص ۱۹۵)

زبانی نیت کیا بلا ہے:

شیر سرحد لکھتے ہیں کہ تلفظ جب فرض واجب اور سنت نہیں تو یہ کیا بلا ہے۔ (المبنی للفاعل ۲۱)

غیر مقلدین حضرات جب پکے پکے مساجد بناتے ہیں حالانکہ مسجد نبوی تو کچی تھی اب یہ پکے مساجد بنانا نہ فرض نہ واجب ہے نہ سنت تو یہ کیا بلا ہے؟ تو ضرور یہی کہیں گے کہ پکے مساجد بنانے کو ہم عبادت نہیں سمجھتے بلکہ عمارت کی تقویت اور مضبوطی کے لیے ایسا کرتے ہیں تو ہم

بھی کہتے ہیں کہ نیت پر زبان سے تلفظ کرنا صرف دل کے ارادے کی تقویت اور مضبوطی کے لیے ایسا کرتے ہیں۔ ہاں اگر اس کو ضروری سمجھا جائے یا اس کے ساتھ جہر کیا جائے تو بلا شک وریب یہ بدعت بن جاتی ہے بعض فقہاء نے اسی وجہ سے اسے بدعت کہا ہے۔

نیت دل کے ارادے کو کہتے ہیں:

رہا نورستانی کا یہ اعتراض کہ مولانا محمد امین صاحب نے زبان سے الفاظ کہنے کو زبانی نیت کہا اور زبان سے الفاظ بولنے کو تلفظ یا کلام یا قول کہتے ہیں زبانی نیت نہیں بلکہ نیت دل کے ارادے کو کہتے ہیں۔ (المبنی للفاعل ۲۱) یہ بھی جناب کی جہالت ہے کیونکہ نیت پر تلفظ کو زبانی نیت کہنا اسی وجہ سے نہیں کہ نیت دو قسم کی ہے زبانی اور قلبی بلکہ عرفاً یہ اصطلاح مشہور ہی ایسی ہے کیونکہ اس سے تو ادنیٰ درجہ کا طالب علم بھی واقف ہے کہ نیت کا محل دل ہے اور تلفظ کا محل زبان چونکہ زبان دل کی ترجمان ہے "انما جعل اللسان علی الفؤاد دلیلا" اور اپنے دل کا اظہار اکثر زبان ہی سے ہوتا ہے۔ اس لیے اگر زبان پر نیت کے تلفظ کو زبانی نیت سے تعبیر کیا جائے یا محض ارادے کو قلبی نیت کہا جائے تو اس میں کیا حرج ہے لیکن کیا کرے ضد تعصب اور جہالت کے ان لاعلاج مریضوں کا کہ کسی دوا سے بھی ان کی تسلی وتشفی نہیں ہوتی۔

اعتراض نمبر ۲۳:

مدتِ رضاعت:

مدتِ رضاعت قرآن میں دو سال مقرر کی گئی ہے۔ (البقرہ) لیکن امام ابوحنیفہ کے نزدیک مدت اڑھائی سال ہے۔ (ہدایہ ج ۲ ص ۳۵۰)

حافظ صاحب نے اس ایک سطر میں پانچ بددیانتیاں کی ہیں جن کی مثال ہمیں پادری فانڈر کے لٹریچر میں بھی نہیں ملی۔

حافظ جی کو فقہ نہیں آتی: حق تعالیٰ کا قانون ہے کہ بندہ جس نعمت کی ناشکری کرے وہ نعمت خدا اس سے چھین لیتا ہے۔ لامذہب غیر مقلدین نے فقہ کے خلاف زبان طعن دراز کی خدا نے یہ نعمت ان سے چھین لی۔ حافظ صاحب تو کیا۔ ان کے بڑے بڑے علماء اس سے محروم ہیں ان کے بڑے بڑے مدارس میں ہدایہ پڑھانے کے لیے حنفی مدرسین رکھتے ہیں۔

نفسِ مسئلہ:

صاحب ہدایہ نے یہاں دو قسم کی عورتوں کا ذکر فرمایا ہے اور دو قسم کی مدت بیان کر کے دونوں قسموں کو قرآن وحدیث سے ثابت کیا ہے۔

ا...... وہ عورت جو خاوند کے نکاح میں ہے اور بغیر اجرت لیے بچے کو دودھ پلا رہی ہے اس بچے کی مدت رضاعت اڑھائی سال بیان کی ہے اور دلیل میں قرآن پاک کی آیت پیش فرمائی "وحملهٔ و فصاله ثلاثون شهرا" (الاحقاف) اٹھانا بچے کو اور دودھ چھڑانا اس کا تیس ماہ (اڑھائی سال) میں۔ اس آیت میں حمل کے دو معنے ہو سکتے ہیں۔ پیٹ میں اٹھانا یا گود میں اٹھانا اگر یہاں پیٹ میں اٹھانا مراد ہو تو صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ حمل کی زیادہ سے زیادہ مدت بھی اڑھائی سال اور دودھ چھڑانے کی زیادہ سے زیادہ مدت بھی اڑھائی سال ہوئی۔ اگر کوئی شخص یہاں حمل کا معنی پیٹ میں اٹھانے کا لے اور اڑھائی سال دونوں کی مجموعی مدت قرار دے تو وہ بتائے کہ جو بچہ چھ ماہ ماں کے پیٹ میں رہا وہ تو دو سال دودھ پیئے گا، جو ۹ ماہ پیٹ میں رہا وہ پونے دو سال جو ڈیڑھ سال ماں کے پیٹ میں رہا وہ ایک سال دودھ پیئے اور جو دو سال ماں کے پیٹ میں رہے وہ چھ ماہ دودھ پیئے اور بعض کے نزدیک تو حمل چار سال تک بھی رہ سکتا ہے تو ایسے بچے پر تو ایک قطرہ دودھ بھی حرام ہوگا۔ اس لیے آسان مطلب یہ ہے کہ حمل میں گود میں اٹھانا مراد لیا جائے تو آیت کا معنی ہوگا اور گود میں اٹھانا اور دودھ چھڑانا اس کا تیس ماہ یعنی اڑھائی سال میں (تفسیر احکام القرآن ج ا ص ۳۹۱ مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ)

۲.....دوسری وہ عورت ہے جس کو خاوند نے طلاق دے دی ہے اور وہ اب بچے کو اجرت پر دودھ پلا رہی ہے اس میں مرد، عورت اور بچے تینوں کے حقوق کو مدنظر رکھ کر دو سال مدتِ رضاعت کی اجرت لینے کا حق دیا ہے۔ اور اس پر صاحب ہدایہ سورۃ البقرہ والی آیت اور حدیث "لا رضاع بعد الحولین" پیش فرما رہے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان عورتوں کا ذکر فرماتے ہوئے جن کو طلاق مل چکی ہے اور وہ اجرت پر دودھ پلا رہی ہیں' فرماتے ہیں "ولوالدات یرضعن اولادھن حولین کاملین لمن اراد ان یتم الرضاعة وعلی المولود له رزقهن و کسوتهن بالمعروف" (البقرة) اور اجرت پر دودھ پلانے والی مائیں اپنی اولاد کو دودھ پلائیں پورے دو سال اس خاوند کے لیے جو اجرت والی مدت رضاعت کو پورا کرنا چاہے۔ اور والد پر ضروری ہے کہ ان دو سالوں میں اس عورت کو نان ونفقہ دے رواج کے موافق۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں پھر دو سال کے بعد اگر "فان ارادا فصالا" اگر وہ دونوں دودھ چھڑانے کا ارادہ کریں "عن تراض منهما وتشاور" باہمی رضامندی اور مشورہ سے تو "فلا جناح علیهما" ان پر کوئی گناہ نہیں۔ "فان اراده فصالا عن تراض فان ذکر بحرف انعاء بالتراضی ولو کان الرضاع بعده حراما یعلق به لانه لا اثر للتراضی فی ازالة المحرم شرعا" عنایہ علی الهدایہ ص ۳۵۰ حاشیہ نمبر ۱۴) اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما آیت "فان ارادا فصالا" کی تفسیر میں فرماتے ہیں قبل الحولیین اور بعد الحولین۔ (تفسیر ابن جریر بسند حسن ج ۲ ص ۳۰۲) یعنی دو سال سے پہلے چھڑانا چاہیں یا دو سال کے بعد اور حضرت عطاء بھی اس آیت کی تفسیر میں یہی فرماتے ہیں اگر چاہے تو دو سال سے زیادہ پلائے۔ (تفسیر ابن جریر ج ۲ ص ۳۰۲)

اب دیکھیے حافظ صاحب نے دو بد دیانتیاں تو قرآن کے ساتھ کیں اڑھائی سال والی آیت کا سرے سے انکار کر دیا دو سال والی آیت میں ایک بد دیانتی تو یہ کی کہ یہ نہ بتایا وہ مطلقہ عورتوں کے بارے میں ہے جو اجرت پر دودھ پلائیں، دوسری بد دیانتی یہ کی کہ اس کے

بعد آیت "فان ارادا فصالا" کی طرف اشارہ تک بھی نہیں کیا اور تین بد دیانتیاں ہدایہ کے ساتھ کیں۔ صاحبِ ہدایہ نے اڑھائی سال کی دو دلیلیں بیان کی تھیں ایک قرآنی اور ایک عقلی دونوں میں سے کسی کا نام تک نہ لیا اور دو سال والی آیت کا مطلب جو صاحب ہدایہ نے بیان کیا تھا اس کا ذکر تک نہ کیا۔

ان چھ کے علاوہ ساتویں بد دیانتی یہ کی کہ ان کے مذہب میں داڑھی والے بوڑھے کو بھی پستان نوشی کی اجازت ہے۔ (عرف الجادی، نزل الابرار) جو قرآن کی دونوں آیتوں کے خلاف ہے یہاں حافظ صاحب ایسے خاموش ہوئے کہ ان پر گونگے شیطان ہونے کا یقین ہونے لگا ورنہ وہ چیخ اٹھتے کہ کیا قیامت آ گئی ہے کہ حدیث حدیث کا نام لے کر قرآن پاک کی کھلم کھلا مخالفت کی جا رہی ہے اور آٹھویں بد دیانتی یہ کی کہ حنفی مذہب کے مفتیٰ بہ قول کی وضاحت نہ کی۔ احناف کو کسی بات پر ضد نہیں ہے امام صاحب اڑھائی سال کے قائل ہیں اور صاحبین دو سال کے اس لیے احناف ان میں تطبیق اس طرح دیتے ہیں دودھ پلانے میں دو سال کی مدت پر اتفاق ہے کہ دودھ حلال ہے چھ ماہ میں اختلاف ہے جہاں حرام حلال میں تعارض ہو تو اسے چھوڑ دینا چاہیے تو دودھ پلانے میں فتویٰ دو سال پر مناسب ہے تاکہ مشکوک دودھ جو خلافِ تقویٰ ہے اس سے پرہیز ہو جائے دوسری طرف اگر کسی بچے نے عورت کا دودھ دو سال کے بعد اڑھائی سال کے اندر پی لیا تو وہ اس کی رضائی ماں بنے گی یا نہ اڑھائی سال والے فتویٰ پر ماں بنے گی اور دو سال والے قول پر ماں نہیں بنے گی اب اس عورت اور اس کی بیٹیوں سے نکاح جائز ناجائز ہونے کا سوال اٹھے گا تو احتیاط اسی میں ہے کہ اڑھائی سال والے قول پر فتویٰ دے کر حرمت مان لی جائے ایسا نہ ہو کہ ساری عمر حرام میں مبتلا رہے اور یہ بات بھی حدیث کے عین موافق ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: حلال واضح ہے اور حرام واضح ہے اور ان کے دو کے درمیان کچھ متشابہات ہیں' ان سے بچو۔ اب دیکھو کہ حافظ صاحب نے فقہ کے ایک مسئلہ کو قرآن کے خلاف ثابت کرنے کے لیے آٹھ بد دیانتیاں کیں۔ جس کی مثال ماسٹر رام چندر کے ہاں بھی نہیں ملتی اور یہ بات تو صاف سمجھ

میں آ گئی کہ حافظ صاحب کو نہ قرآن آتا ہے اور نہ فقہ آتی ہے وہ جاہل مرکب ہیں۔

اعتراض نمبر ۲۴:

مشرک کا حرمِ پاک میں داخلہ:

سورہ توبہ میں ہے کہ مشرک حرم پاک کے قریب نہ پھٹکیں اور ہدایہ میں ہے کہ اہل ذمہ کے داخلہ میں کوئی مضائقہ نہیں۔

ہم تو پہلے ہی بتا چکے ہیں کہ حافظ صاحب کو نہ قرآن آتا ہے اور نہ ہی فقہ آتی ہے۔ قرآن پاک میں دو آیات ہیں۔

①...... اولئك ما كان لهم ان يدخلوها الا خائفين لهم في الدنيا خزي ولهم في الآخرة عذاب عظيم" (البقرة:۱۴)

ان کو نہیں چاہیے تھا کہ ان مساجد میں داخل ہوتے مگر ڈرتے ہوئے ان کے لیے دنیا میں رسوائی (جزیہ دینے کی) اور آخرت میں عذاب ہے بڑا۔

علامہ آلوسی روح المعانی میں فرماتے ہیں کہ امام صاحب نے اسی آیت سے ثابت کیا ہے کہ اہل ذمہ کا مساجد میں داخل ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں جب کہ وہ مغلوب و مقہور ہوں۔

②...... آنحضرت ﷺ نے ۹ ہجری میں حضرت ابو بکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اعلان کروایا جو خدا کی طرف سے تھا۔ "يايها الذين آمنوا انما المشركون نجس فلا يقربوا المسجد الحرام بعد عامهم هذا وان خفتم عيلة فسوف يغنيكم الله" (التوبة:٤)

اے ایمان والو! مشرک (اعتقاداً) نرے مشرک ہیں (اور چونکہ اعتقادی ناپاکوں کی کوئی عبادت قبول نہیں اس لیے وہ حج کے لیے) مسجد حرام کے قریب بھی نہ پھٹکیں اس سال کے بعد (سال کا لفظ اس لیے فرمایا کہ حج کے لیے آنا سال کے بعد ہی ہوتا ہے) اور اگر تمہیں اے مسلمانو! مفلسی کا اندیشہ ہو (کیونکہ حج کے موقع پر کافر تاجر بھی سامان لاتے اور اسی تجارت سے روزی کا سامان بنتا) تو اس کی پرواہ نہ کرو کہ اگر وہ حج کے لیے نہ آئیں گے تو

تجارت ختم ہو جائے گی جو اقتصادیات کی جان ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں غنی فرما دیں گے۔ چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جب یہ آیت سنائی تو حج کے اتنے بڑے مجمع میں یہی اعلان فرمایا "الا لا يحج بعد عامنا هذا مشرك" (روح المعانی ج ۱۰ ص ۷۷) کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لیے نہ آئے۔

معلوم ہوا کہ اس آیت کا مقصد حج عمرہ سے مشرکین کو روکنا ہے۔ آیت کا یہی مطلب صراحۃً ہدایہ میں مذکور ہے فرماتے ہیں والآية محمولة على الحضور استيلاء واستعلاء او طائفين عراة كما كانت عادتهم في الجاهلية" (هدايه ج ۴ ص ۲۷۴) یعنی اس آیت سورہ التوبہ کا مطلب یہ ہے کہ وہ غلبہ و بلندی کے ساتھ اتراتے ہوئے حرم میں داخل نہ ہوں یا حج کے لیے ننگے طواف کرتے ہوئے داخل نہ ہوں۔ جیسا کہ جاہلیت میں ان کی عادت تھی۔ دیکھیے احناف نے اس آیت کا انکار نہیں کیا بلکہ اس کا وہی مطلب بیان کیا جو آیت کے سیاق و سباق سے ظاہر ہے اور جس کا اعلان حضرت علی رضی اللہ عنہ نے نزول آیت کے وقت مجمع حج میں فرمایا تھا۔

رسول اقدس ﷺ کا طرز عمل:

اس آیت سورہ توبہ کے نازل ہونے کے بعد وفد ثقیف حاضر ہوا اور آنحضرت ﷺ نے انہیں مسجد میں ٹھہرایا۔ (ابوداؤد، کتاب الخراج، باب: خبر الطائف ج ۲ ص ۷۲) طبرانی میں ہے کہ "فضرب لهم قبة في المسجد" ان کے لیے مسجد میں قبہ لگایا گیا۔

(نصب الرایہ ج ۴ ص ۲۷۰)

اور مراسیل ابی داؤد میں حضرت امام حسن بصری سے روایت ہے کہ جب اس وفد کو حضور ﷺ نے مسجد میں ٹھہرایا تو آپ ﷺ سے کہا گیا آپ ان کو مسجد میں اتار رہے ہیں حالانکہ وہ مشرک ہیں تو آپ نے فرمایا زمین نجس نہیں ہوتی ہے بے شک ابن آدم نجس ہوتا ہے۔ (نصب الرایہ ج ۴ ص ۲۷۰)

اس حدیث سے بھی پتہ چلا کہ مشرک کی نجاست دخول مسجد سے مانع نہیں ہے۔

آیت کی تفسیر نبی اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے:

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس سال کے بعد کوئی مشرک مسجد حرام کے قریب نہ جائے ہاں مگر کوئی غلام یا لونڈی جو کسی حاجت کے لیے جائیں۔(احکام القرآن ج۳ص۸۹)

صحابی سے تفسیر:

حضرت جابر بن عبداللہ صحابی فرماتے ہیں بے شک مشرک نجس ہیں وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے قریب نہ جائیں مگر کوئی غلام یا اہل ذمہ میں سے۔(تفسیر ابن جریر ج۱۰ص۷۶)

تابعی سے تفسیر:

حضرت قتادہ تابعی اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں اس سال کے بعد کوئی مشرک مسجد حرام کے پاس نہ جائے مگر کوئی مشرک جو کسی مسلمان کا غلام ہو یا جزیہ دینے والا ذمی ہو۔ (تفسیر ابن جریر ج۱۰ص۷۶)

دورِ فاروقی میں نصرانی کا حرم میں داخلہ:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ خلافت میں ایک عیسائی بغرض تجارت آیا تو اس سے عشر لیا گیا وہ دوبارہ آیا تو پھر اس سے عشر کا مطالبہ کیا گیا اس نے عشر دینے سے انکار کیا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گیا جو اس وقت مکہ مکرمہ حرم پاک میں تھے اور خطبہ میں فرمارہے تھے "ان اللہ جعل البیت مثابة للناس" اس عیسائی نے کہا: امیر المؤمنین! زیاد بن حدیر مجھ سے بار بار عشر مانگتے ہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ عشر سال میں تیرے مال پر صرف ایک دفعہ ہے۔(کتاب الخراج امام ابو یوسف ص۱۶۲)

اب اگر امام صاحب نے فرمادیا کہ "لا باس بان یدخل اهل الذمة المسجد

الحرام" (هدایه ج۴ ص ۴۷۲) تو یہ قرآن کی آیت "یدخلوها خائفین" کے موافق ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل کے موافق ہے، اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی رضی اللہ عنہ، تابعی فرماتے ہیں کہ یہ داخلہ آیت توبہ کے خلاف نہیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں مجمع عام میں نصرانی حرم پاک میں داخل ہوا کسی ایک شخص نے بھی اٹھ کر آیت "انما المشرکون نجس فلا یقربوا المسجد الحرام" پڑھ کر نہ سنائی۔ معلوم ہوگیا کہ ان سب صحابہ وتابعین کے نزدیک بھی کسی ذمی کا وقتی طور پر مسجد حرام میں داخلہ کسی آیت یا حدیث کے خلاف نہ تھا۔

الغرض حافظ صاحب نے اس اعتراض میں کئی بددیانتیاں کیں۔

۱.....آیت "یدخلوها خائفین" کا انکار کرنا پڑا۔

۲.....التوبہ کی آدھی آیت کا ترجمہ کیا باقی چھوڑ دیا تاکہ سیاق وسباق کا پتہ نہ چلے۔

۳.....سورہ توبہ کی آیت کی تفسیر میں ذمی کو داخل کرکے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی مخالفت کی۔

۴.....اس آیت کے ساتھ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے جو اعلان فرمایا تھا اس کو چھپایا۔

۵.....صاحب ہدایہ نے مسئلہ کی دلیل میں وفد ثقیف والی حدیث بیان کی تھی اس کا نام تک نہ لیا۔

۶.....صاحبِ ہدایہ نے آیت التوبہ کا جو صحیح محل بیان فرمایا تھا اس کا ذکر تک نہ کیا۔

ڈیڑھ سطر میں ۶ بدعنوانیاں ہیں جن میں نہ قرآن کو معاف کیا، نہ صاحبِ قرآن کو، نہ فقہ کو۔ اس کی مثال قادیانی لٹریچر میں ملنی بھی محال ہے۔ حافظ صاحب فقہ کے بغض میں وہ بے ایمانیاں کرتے ہیں کہ قادیانی ریکارڈ بھی توڑ ڈالا۔ "قل موتوا بغیظکم"

اعتراض نمبر۲۵:

کافر کو عبادت کے لیے مکان کرایہ پر دینا:

قال ومن آجر بیتاً لیتخذ فیه بیت نار او کنیسة او بیعة او یباع فیه الخمر

بالسواد فلا بأس به وقالا لا ينبغي ان يكريه بشيء من ذلك لانه اعانة على المعصية وله ان الاجارة ترد على منفقة البيت ولهذا يجب عجز والتسليم والا معصية فيه و انما المعصية بفعل المستاجر وهو مختار فيه فقطع نسبته عنه وانما قيده بالسواد لانهم لا يمكنون من اتخاذ البيع والكنائس واظهار بيع الخمور والخنازير في الامصار لظهور شعائر الاسلام فيها قالوا هذا في سواد الكوفة لان غالب اهلها اهل الذمة فاما في سوادنا فاعلام الاسلام ظاهرة فيها فلا يمكنون فيها ايضا وهو الاصح۔ (ہدایہ ج۴ص۴۷۰)

صاحبِ ہدایہ نے تین صورتیں مسئلہ کی ذکر فرمائی ہیں۔

①......ایک مسلمان کا مکان کسی شہر میں ہے جہاں شعائرِ اسلام یعنی جمعہ، جماعت عید، اقامتِ حدود جاری ہیں وہاں کسی مسلمان کو وہ مکان ایسے لوگوں کو کرائے پر دینے کی اجازت نہیں۔ اس لیے نہیں کہ یہ ان کے ساتھ تعاون ہے بلکہ اس لیے اس میں شعائر اسلام کا استخفاف ہے۔

②......کسی مسلمان کا مکان ایسے گاؤں میں ہے، جس میں مسلمان بھی آباد ہیں اور جمعہ، جماعت وغیرہ شعائر اسلام ادا ہوتے ہیں۔ وہاں بھی مکان ان کو کرائے پر دینا جائز نہیں کیونکہ شعائر اسلام ظاہر ہیں۔

③......کسی مسلمان کا مکان ایسے گاؤں میں ہے جہاں غالب اکثریت اہلِ ذمہ کی ہے اور شعائر اسلام کا ظہور نہیں جمعہ یا جماعت بھی نہیں ہوتی ایسے گاؤں میں جہاں غالب اکثریت اہل ذمہ کی ہے اور شعائر اسلام کا ظہور نہیں۔ ایسے گاؤں میں وہ پہلے ہی غالب ہیں اس لیے ان کو کرائے پر مکان دینے میں نہ تو شعائر اسلام کا استخفاف ہے اور نہ ہی تعاون ہے پس کوئی وجہ حرمت کی نہیں۔

عدم تعاون کی دلیل صاحب ہدایہ نے یہ ذکر کی ہے کہ کرایہ پر تو مکان اس لیے دیا جاتا ہے کہ کرائے پر لینے والا اس مکان سے منفعت حاصل کرے۔ اگر مکان خالی ہی رہے تو بھی

کرایہ اس کے ذمہ واجب ہوتا ہے۔ معلوم ہوا کہ کرائے پر دینے کا عمل یہاں تک ہی ہے۔ اس کے بعد جو گناہ ہے وہ کرایہ پر لینے والے کا ہے، جس میں وہ مختار ہے۔ مکان والے کی طرف سے کوئی زبردستی نہیں۔ اس لیے اس گناہ میں مکان والے کا کوئی تعاون نہیں۔ یہ ایسا ہی ہے کہ ایک شخص نے لونڈی فروخت کی خریدار نے بغیر استبراء اس سے صحبت کی تو اس میں بیچنے والے کو کوئی گناہ نہیں یا کسی نے غلام فروخت کیا۔ خریدار نے اس غلام سے اغلام بازی کی تو اس گناہ میں بیچنے والا ہرگز شریک نہیں۔ حافظ صاحب یہ تو ظاہر ہے کہ کوئی مسلمان کسی کافر کو رہائش کے لیے مکان دے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں مگر وہ کافر اس مکان میں اپنے طرز پر عبادت بھی کرے گا۔ آتش پرست آگ کی پوجا کرے گا، صلیب پرست صلیب کی، بت پرست بت کی۔ تو کیا آپ کرایہ پر دینے والوں کو اس کا معاون سمجھیں گے۔ کسی کرایہ دار نے کرایہ کے مکان میں زنا کیا، شراب پی یا قتل ناحق کیا تو کیا مالک مکان پر آپ حدود جاری کرائیں گے۔

آپ نے جو قرآن کی آیت پیش کی نہ اس کا ترجمہ اس مسئلہ کا رد، نہ اس کا شانِ نزول، یہ مسئلہ نہ کسی حدیث صحیح سے یہ ثابت کہ دوسرے کے فعل مختار میں مالک مکان معاون ہوتا ہے۔ محض بے موقع آیت پڑھی اور مفت کا گناہ کمایا۔ معلوم ہوگیا کہ آپ کو نہ قرآن آتا ہے نہ فقہ۔

نہ ہوئے علم سے واقف نہ دین حق کو پہچانا
پہن کر جبہ و شملہ لگے کہلانے مولانا

اعتراض نمبر ۲۶:

شیرہ انگور (مثلث): جس کا دوتہائی جل جائے ایک تہائی باقی رہ جائے۔

قرآن پاک میں یہ پڑھا ہے کہ ملائے اعلیٰ کی میٹنگ ہوتی ہے تو شیطان پوری میٹنگ سے ایک آدھ بات اچک لیتا ہے پھر اس کے ساتھ بفرمانِ رسول ﷺ جھوٹ ملا کر پھیلاتا

ہے۔ یہی طرزِ عمل فقہ کے ساتھ لامذہبوں کا ہے۔ ہدایہ میں مسئلہ یہ ہے کہ شیرۂ انگور کو اگر اتنا پکایا جائے کہ اس میں شدت آ جائے تو امام ابو حنیفہ اور امام ابو یوسف کے نزدیک حلال ہے۔ ہاں اگر شراب کو اتنا پکایا جائے کہ اس کی دو تہائی جل جائے اور ایک تہائی باقی رہ جائے تو وہ ہرگز حلال نہیں۔ (ہدایہ ج ۴ ص ۴۹۴، ۴۹۵) یہ مسئلہ اس وقت ہے جب کوئی ضرورت شدہ مثلاً (ایک شخص اتنا کمزور ہو گیا ہے کہ وہ فرض عبادت بھی ادا نہیں کر سکتا اور اس کے پینے سے اس میں طاقت آئی ہے اور وہ عبادت کر سکتا ہے تو) عبادت پر طاقت حاصل کرنے کے لیے پی سکتا ہے ورنہ اگر لہو وطرب مقصود ہو تو بالاتفاق حلال نہیں۔

(ہدایہ ج ۴ ص ۴۹۴)

نوٹ:

یہ مثلث بھی اس وقت تک پینا جائز ہے جب تک نشہ نہ آئے۔ اگر نشہ آ جائے تو پھر یہ بھی حرام ہے۔

حافظ صاحب نے پہلے تو ہدایہ کی عبارت کا ترجمہ غلط کیا اشتد کا ترجمہ نشہ کیا جو غلط ہے۔ اگر حافظ صاحب کے نزدیک یہ ترجمہ صحیح ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ جو نبیذ پیتے تھے۔ اس کے بارہ لفظ ہے مکان اسد النبیذ (طحاوی ج ۲ ص ۳۵۹)

کیا یہاں بھی وہ یہی ترجمہ کریں گے کہ بہت نشہ آور نبیذ پیتے تھے۔

(۲) امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک لہو وطرب کے لیے حرام ہے اس کا ذکر تک حافظ نے نہ کیا اور ضرورت کے حکم کو حکم عام بنا کر پیش کر دیا جیسے بوقت ضرورت شدیدہ مردار کھانے کا جواز قرآن میں ہے۔ اب کوئی اس کو عام حکم بنا کر پیش کرے تو کتنا بڑا جھوٹ ہے۔

(۳) اس مسئلہ کے خلاف کوئی صریح حدیث حافظ صاحب پیش نہیں کر سکے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہو کہ شیرۂ انگور کو پکایا جائے اگر دو ثلث جل جائے ایک ثلث رہ جائے تو بھی بوقت ضرورت حرام ہے۔ ایسی کوئی حدیث ہو تو حافظ صاحب پیش کریں۔

(۴) حضرت عمر، حضرت ابو عبیدہ بن الجراح اور حضرت معاذ رضی اللہ عنہم طلاء مثلث کو جائز کہتے تھے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۸)

(۵) حضرت براء بن عازب اور حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہما تو نصف جل جانے کے بعد بھی پی لیتے۔ (صحیح بخاری ج ۲ ص ۸۳۸)

(۶) حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ الخمر شراب میں مچھلی ڈال کر دھوپ میں رکھ دیتے پھر فرماتے کہ مچھلی نے شراب کو ذبح کر دیا ہے۔ (بخاری ج ۲ ص ۸۲۶)

(۷) حضرت محمود بن لبید فرماتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ملک شام تشریف لے گئے وہاں کے لوگوں نے شکایت کی کہ ہمارے علاقہ میں ایک وبا ہے جو فلاں چیز پینے کے بغیر نہیں جاتی۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ شہد استعمال کرو انہوں نے کہا شہد سے ٹھیک نہیں ہوتی تو انہوں نے اس کو پکایا یہاں تک کہ دو تہائی جل گیا اور ایک تہائی باقی رہا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو چکھا، فرمایا: یہ تو طلاء کی مثل ہے۔ پھر ان کو پینے کی اجازت دی۔

(موطا امام مالک ص ۳۵۸)

دیکھیے بوقت ضرورت مثلث کے پینے کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اجازت دے دی اور اس قسم کی مشروبات کا پینا حضرت عمر، حضرت علی، حضرت ابو عبیدہ بن جراح، حضرت معاذ، حضرت براء رضی اللہ عنہم وغیرہ جلیل القدر صحابہ سے ثابت ہے کیا حافظ صاحب معاذ اللہ اب احناف کی ضد میں ان صحابہ کو منکرِ حدیث اور شرابی کہیں گے۔ (معاذ اللہ)

اعتراض نمبر ۲۷:

اجرت دے کر زنا کرے تو حد نہیں (حد اور تعزیر کا فرق):

حافظ صاحب نے یہ مسئلہ اجمالاً نقل کر دیا ہے نہ اس کو مسئلہ کی سمجھ ہے اور نہ ہی دوسرے لامذہبوں کو وہ یہ مسئلہ بیان کر کے کبھی تو کہا کرتے ہیں کہ یہ فعل احناف کے ہاں گناہ نہیں بالکل جائز ہے۔ کبھی کہا کرتے ہیں کہ حد نہ ہونے کا مطلب ہے کہ ان پر کسی قسم کی سزا نہیں۔

حالانکہ یہ محض فریب ہے۔

اسلام میں جو کام گناہ کبیرہ ہیں ان پر شرعی سزا دی جاتی ہے۔ اس سزا کی دو قسمیں ہیں۔ ایک حد دوسری تعزیر۔ حد وہ سزا ہے جو نص قطعی یا اجماعِ قطعی سے مقرر ہو اس میں کمی بیشی کا اختیار کسی کو نہیں یہ حدود قیاس واجتہاد سے ثابت نہیں ہوتیں اور بعض شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں۔

دوسری قسم کی سزا تعزیر ہے جو ہر اس گناہ پر لگائی جاتی ہے جس میں شرعی حد ثابت نہ ہو یا شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہو جائے۔ چنانچہ لکھا ہے۔ "کل مرتکب معصیة لاحد فیها فیها التعزیر" (درمختار ج۳ ص۱۸۲) ہر وہ گناہ جس میں حد نہ ہو۔ (لاحد) ان میں تعزیر ہے۔ "من ارتکب جریمة لیس فیه حد مقرر" (ہدایہ ج۲ ص۵۱۶) جس شخص نے ایسے گناہ کا ارتکاب کیا جس میں حد مقرر نہیں تو تعزیر لگائی جائے گی۔

تعزیر کی سزا قید سے بھی دی جاسکتی ہے کوڑوں سے بھی مثلاً ۷۹ کوڑے یا ۹۹ کوڑے اور قتل سے بھی "ویکون التعزیر بالقتل" (درمختار ج۳ ص۱۷۹)

یہ تعزیر کوئی معمولی سزا نہیں بلکہ تعزیر کے کوڑے زنا کی حد کے کوڑوں سے بھی زیادہ سختی سے لگائے جاتے ہیں۔ (درمختار ج۲ ص۱۸۱، ۱۸۲) معلوم ہوا کہ حد نہ ہونے کا یہ مطلب لینا کہ کوئی گناہ نہیں یا کوئی سزا نہیں ایک بہت بڑا فریب ہے۔ اگر اب بھی لامذہب ضد کریں تو ہم ان کو یہ لفظ حدیث کی کتابوں میں دکھاتے ہیں وہاں بھی یہی ترجمہ کریں "عن ابن عباس من اتی بهیمة فلا حد علیه" (ترمذی ج۱ ص۲۲۹، ابن ماجہ ص۱۸۷)

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا جس نے کسی چوپائے سے بدفعلی کی تھی آپ نے اس پر حد نہیں لگائی۔ (کتاب الآثار محمد ص۹۲)

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی کو لایا گیا جس نے کسی چوپائے سے بدفعلی کی تھی انہوں نے حد نہیں لگائی۔ (المبسوط للسرخسی ج۹ ص۱۰۲)

کیا اب آپ ایک اشتہار شائع کریں گے کہ (معاذ اللہ)۔ حضرت عمر، حضرت علی،

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ (ترمذی اور ابن ماجہ) کے نزدیک اگر کوئی شخص کسی گدھی، گھوڑی، بلی، کتیا، گیدڑی، خنزیری، بکری اور بھیڑ وغیرہ سے بدفعلی کرے تو کوئی حد نہیں اور یہ کام بالکل جائز ہے کسی قسم کا گناہ نہیں نہ ہی کسی قسم کی سزا ہے۔ ورنہ فقہ میں موجود لفظ "حد نہیں" سے عوام کو گمراہ نہ کریں۔

امام طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدود میں قیاس کو دخل نہیں۔ مثلاً مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور شراب چاروں حرام ہیں۔ مگر حد صرف شراب پر ہے۔ مردار، خون اور خنزیر کا گوشت کھانے پر حد نہیں۔ اسی طرح کسی کو زنا کی تہمت لگانا حرام ہے۔ اس پر ۸۰ کوڑے حد ہے اور وہ مردود الشہادة بھی ہے۔ اور فاسق بھی اور کسی مسلمان کو کافر کہنا اس سے بھی بڑا گناہ ہے مگر اس پر حد شرعی مقرر نہیں۔ (طحاوی ج۲ ص۹۸)

اب مردار کھانے، خون پینے، خنزیر کھانے' کسی کو کافر کہنے پر کسی حدیث صحیح صریح غیر معارض سے حد ثابت کریں کہ کتنے کوڑے ہے اگر ثابت نہ کرسکیں اور قیامت تک نہیں کر سکیں گے تو مردار کھانا شروع کردیں، خون پینا اور خنزیر کھانا شروع کردیں۔ اپنی جماعت کو کافر کہنا شروع کردیں اگر یہ پسند نہ ہو تو فقہ کی کتاب میں حد نہ ہونے کا لفظ دیکھ کر لوگوں کو مغالطے نہ دیں۔

لامذہب غیر مقلدو بتاؤ سود کھانے والے، شراب پینے والے، پاخانہ کھانے والے نذر لغیر اللہ دینے اور کھانے والے پر حدیث صحیح سے کتنے کوڑے حد ثابت ہے اگر حد ثابت نہ کرسکو تو ان پر عمل کر کے دکھاؤ۔

لامذہبو بتاؤ! غیر اللہ کو پکارنے، قبروں، تعزیوں کو سجدہ کرنے والوں، کسی بزرگ کے مزار کا حج وطواف کرنے والوں، عید میلاد النبی کے جلوس نکالنے والوں، تیجا، ساتواں، چالیسواں کرنے والوں وغیرہ پر حدیث صحیح میں کتنے کوڑے حد ثابت ہے۔ اگر ثابت نہ کرسکو تو ان کاموں کو کرنا شروع کردو۔ لوگوں کو کہو کہ نہ یہ گناہ ہیں نہ ان پر کوئی سزا ہے کیونکہ ثابت نہیں۔

حافظ جی بتائیے! اپنی بیوی جب حیض کی حالت میں ہو یا نفاس میں مبتلا ہو یا احرام باندھ کر حج کر رہی ہو یا اس نے رمضان کا فرض روزہ کھایا ہوا ہو یا فرض نماز ادا کر رہی ہو اس سے صحبت کرنا حلال ہے یا حرام اگر حرام ہے تو اس پر مرد پر کتنے کوڑے حد شرعی مقرر ہے۔ ذرا احادیث صحیحہ سے ثابت کر دیں۔ یا ان سب کے جواز کا فتویٰ دیں۔

حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہے:

احادیثِ نبویہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام اور اجماع امت سے یہ بات ثابت ہے کہ حدود شبہات سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ ائمہ اربعہ میں تو اس میں کوئی اختلاف نہیں۔ شوکانی صاحب غیر مقلد بھی لکھتے ہیں "ويسقط بالشبهات المحتملة" (درر بهيه) نواب صدیق حسن صاحب غیر مقلد اس جملہ کی شرح میں فرماتے ہیں۔ "لحديث ابى هريرة قال قال رسول الله ﷺ ادرؤا الحدود من المسلمين مااستطعتم فان كان له مخرج فخلوا سبيله فان الامام ان يخطى فى العقوبة"

وقد رواه الترمذى ص ٢٢٤ ايضا من حديث الزهرى عن عروة عن عائشة وقد اعل بالوقف واخرج ابن ماجة ص١٨٥ من حديث ابى هريرة مرفوعا بلفظ اوقعوا الحدود ما وجدتم لها مدفعا وقد روى من حديث على مرفوعا ادرؤا الحدود بالشبهات وروى نحوهٗ عن عمر و ابن مسعود باسناد صحيح وفى الباب من الروايات ما يعفد بعفه بعضا و محا يويد ذالك قوله ﷺ لو كنت راجما احدا بغير بينة لرحمتها يعنى امراة بعجلانى كما فى الصحيحين من حديث ابن عباس۔ (الروضة الندية ص٣٥٥)

ہم نے لامذہبیوں سے پوچھا زنا موجب حد کی شرعی تعریف اور شبہ کی شرعی تعریف قرآن کی صریح آیت یا صحیح صریح غیر معارض حدیث سے کرو لیکن سارے لامذہب مولوی صم بکم بنے بیٹھے تھے۔ وہ قرآن وحدیث سے یہ تعریفیں نہ دکھا سکے پھر ہم نے کہا کہ جو تعریفیں

فقہاء نے لکھی ہیں ان کا غلط ہونا صحیح صریح احادیث سے ثابت کر دو لیکن یہاں بھی وہ کوئی حدیث پیش نہ کر سکے۔ لوگ حیران تھے کہ رات دن حدیث کی گردان کرنے والے مطلوبہ احادیث میں سے ایک بھی حدیث پیش نہ کر سکے اور ان کی جہالت کا پردہ فاش ہو گیا۔

اعتراض نمبر ۲۸:

حنفیوں کی کتاب منیۃ المصلی میں لکھا ہے کہ خنزیر کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے اور اس میں نماز بھی جائز ہے۔

جواب:

اصل مسئلہ: مذہب حنفی کی ظاہر الروایت یہی ہے کہ خنزیر اور اس کے تمام اجزاء نجس عین ہیں۔ (منیۃ المصلی ص ٦٦) خنزیر کے تمام اجزا پیشاب اور پاخانے کی طرح ناپاک ہیں۔ (منیۃ المصلی ص٦٤) اصحاب ثلاثہ (امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد رحمہم اللہ) سے ظاہر روایت یہی ہے کہ خنزیر نجس العین ہے اس کی کھال دباغت سے پاک نہیں ہوتی۔ (منیۃ المصلی ص٦٤) یہی مذہب حنفی ہے اسی پر پوری دنیا میں احناف کا عمل ہے۔

اصل عبارت:

جس عبارت کا اس غیر مقلد نے حوالہ دیا ہے۔ پوری عبارت مع شرح منیہ یہ ہے۔
"وذكر فى نوادر ابى الوفا قال يعقوب يعنى ابا يوسف لو صلى فى جلد خنزير مدبوغ جاز و قد اساء نباء على انهٗ يطهر بالدباغ عنده فى غير ظاهر الرواية وقد تقدم وقال ابو حنيفة ومحمد لا تجوز صلاة فيه ولا يطهر بالدباغة وقد مر ان هذا هو ظاهر الرواية عن ابى يوسف ايضًا (كبيرى ص ١٩٥، متن منية المصلى ص٩٠، خلية المحلى شرح منية المصلى) میں بھی اس روایت کو شاذہ کہا ہے۔ (برمنیۃ ص٦٤ حاشیہ نمبر ٧)

فریب نمبر ۱:

مذہب حنفی جو ظاہر الروایت ہے جس پر ہر جگہ عمل ہے اس کے خلاف شاذ روایت بیان کی یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ گمراہ لوگ قرآن پاک کے متعلق وسوسہ ڈالنے کے لیے شاذ قرأتوں سے تحریف قرآن ثابت کر کے عوام اہل اسلام کے دلوں میں وسوسہ ڈالا کرتے ہیں۔

فریب نمبر ۲:

قد اساء کالفظ بیان ہی نہیں کیا۔

فریب نمبر ۳:

نہ یہ بتایا کہ روایت نوادر کی ہے۔

فریب نمبر ۴:

آپ کے مذہب میں تو خنزیر سارا بلا دباغت پاک ہے۔ مصلیٰ بنائیے۔ مشک بنائیے۔

(بدور الاہلہ ص ۱۶، عرف الجادی ص ۱۰)

اعتراض نمبر ۲۹:

منیۃ المصلی کی شرح میں لکھا ہے کہ اگر آدھا بچہ باہر اور آدھا اندر ہو تو اس وقت بھی عورت پر نماز معاف نہیں ہوتی۔

جواب:

غیر مقلد نے پوری عبارت نقل نہیں کی۔ پہلے ہم پوری عبارت نقل کرتے ہیں۔ شارح منیۃ المصلی نقل کرتے ہیں:

"وفی الذخیرة امرأة خرج رأس ولدها وخافت فوت الوقت توضأت ان قدرت والا تيممت وجعلت رأس ولدها فی تدر او حضيرة وصلت قاعدة

بركوع وسجود فان لم تستطعهما تؤمی ایماء ای تصلی بحسب طاقتها ولا تفوت الصلاة عن وقتها لانها لم تصر نفساء بخروج الولد مالم تر الدم بعد خروج كله والدم الذی تراه فی حالة الولادة قبل خروج الولد استحاضة لا تمنع الصلاة فكانت مكلفة بقدر وسعها فلا يجوز لها تفويت الصلاة عن وقتها الا ان عجزت بالكلية كما فی سائر المرضىٰ۔ (ص ۲۶۴، منية المصلی ص ۱۱۵، ۱۱۶ حاشيه نمبر ۱)

جواب:

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے۔

(ا) بچہ کی پیدائش کے بعد جو خون عورت کو آتا ہے وہ نفاس ہے اس میں نماز معاف ہے۔

(ب) بچے کا تھوڑا حصہ نکلتے وقت جو خون عورت کو آتا ہے وہ استحاضہ ہے اس میں نماز معاف نہیں۔

(ج) بعض عورتوں کو دو دن ایسے گزر جاتے ہیں کہ نفاس نہیں آیا، استحاضہ آتا رہا بچہ بھی پورا پیدا نہیں ہوا۔

(د) ان وقتوں کی نمازوں کا کیا حکم ہے۔ ظاہر ہے کہ نفاس سے قبل نماز معاف نہیں ہوتی۔ اس لیے جو باقی بیماروں کا حکم ہے وہی اس عورت کا ہے۔ اگر وضو کر سکتی ہے تو بہتر ورنہ تیمم کر لے۔ اگر بیٹھ کر رکوع سجدہ سے پڑھ سکتی ہے تو بہتر ورنہ اشارہ سے پڑھ لے۔ اگر اتنا بھی نہیں کر سکتی تو باقی مریضوں کی طرح وہ معذور ہے۔

اگر لامذہب اس مسئلہ کے خلاف ایک صریح آیت یا صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش کر دے تو ہم صراحۃ لکھ دیں گے کہ یہ مسئلہ قرآن یا حدیث کے خلاف ہے اور لامذہب قیامت تک ایسی حدیث پیش نہیں کر سکے گا۔

ہم تو صاف کہہ دیں گے کہ جب یہ مسئلہ نہ قرآن کے خلاف ہے نہ حدیث صحیح کے لیکن اس کے مقدمات اجماعاً مسلم ہیں تو اس کو ماننا ضروری ہوا۔

اعتراض نمبر ۳۰:

رطوبت فرج پاک ہے۔

جواب:

احناف کے ہاں اس مسئلہ میں تفصیل ہے۔

① ...... عورت کو پیشاب کی جگہ آگے کی کھال کے اندر پانی پہنچانا غسل میں فرض ہے۔ اگر پانی نہ پہنچے تو غسل نہ ہوگا۔ (بہشتی زیور ج ا ص ۷۱) یہ جگہ فرج خارج اور فرج داخل کی درمیانی جگہ ہے جہاں غسل کے وقت پانی پہنچانا فرض ہے باقی بدن کی طرح اس جگہ بھی پسینہ وغیرہ آتا ہے۔ اس کا حکم بدن کے بیرونی پسینے کا ہی ہے یہ پاک ہے۔ ورنہ عورت کو ہر وضو کے وقت استنجاء کا حکم ہوتا۔ (ردالمحتار ج ا ص ۱۱۲، ۲۰۸) اس کے پاک ہونے میں اتفاق ہے۔

② ...... وہ رطوبت جو ماوراباطن الفرج سے آئے فَاِنَّہٗ نَجَسٌ قَطْعًا (رد المحتار ج ا ص ۲۰۸) یہ بالاتفاق نجس ہے لیکوریا وغیرہ۔

③ ...... فرج داخل باہر سے بند ہے اور اندر سے جوف دار ہے تو حرارتِ عزیزی جو تمام جسم میں دائر سائر ہے۔ رطوبت بدنیہ کو بخارات بنا کر مساماتِ جلدیہ سے باہر نکالتی رہتی ہے۔ اس جوف میں وہ پسینہ سا جمع ہو کر مبدل بہ رطوبت ہو جاتا ہے۔ اگر اس رطوبت میں خون یا منی یا مذی مرد یا عورت کی شامل ہو جائے تو بالاتفاق نجس ہے۔ (رد المحتار ص ۲۳۳)

④ ...... اگر اس رطوبت میں منی وغیرہ کی ملاوٹ نہ ہو تو اس کے پاک ناپاک ہونے میں اختلاف ہے۔ امام صاحب کے نزدیک پاک ہے اور صاحبین کے نزدیک نجس ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں "وھو الاحتیاط" یعنی احتیاط صاحبین کے قول میں ہے اور تاتارخانیہ

میں اس اختلاف کو مدنظر رکھتے ہوئے لکھا ہے کہ انڈا اگر پانی میں گر جائے تو اس پانی سے وضو کرنا مکروہ ہے کیونکہ اس انڈے پر فرج کی رطوبت لگی ہوتی ہے۔ اور اس کراہت کے قول کو مختار قرار دیا ہے۔ (رد المحتار ج ا ص ۲۳۳) اب دیکھیے ان کا اپنا مذہب بالاتفاق پاک ہونے کا ہے مگر ہمارے ہاں احتیاط اس کے نجس کہنے میں ہے اور قولِ مختار کراہت کا ہے۔

الحاصل رطوبت جلد بھی پسینہ بالاتفاق پاک ہے۔ رطوبت رحم بالاتفاق ناپاک ہے اور رطوبتِ فرج مختلف فیہ ہے۔ احتیاط قول بالکراہت میں ہے۔

مسلک اہلِ حدیث ملاحظہ فرمائیں۔

① علامہ وحید الزماں غیر مقلد لکھتے ہیں۔ عورت کے فرج کی بھی رطوبت پاک ہے۔ (تیسر الباری شرح صحیح بخاری ج ا ص ۲۰۷ حاشیہ نمبر ۳)

② کنز الحقائق ص ۱۶۔

③ نزل الابرار ج ا ص ۴۹۔

④ عرف الجادی ص ۱۰۔

⑤ فقہ محمدیہ ج ا ص ۶۴۔

اعتراض نمبر ۳۱:

حنفی مذہب میں اگر کتے کو ذبح کر لیا جائے تو اس کا گوشت اور کھال پاک ہو جاتے ہیں۔

جواب:

نواب صدیق حسن خان نے تو پوری تفصیل سے لکھا ہے کہ کتے کے گوشت، ہڈی، خون، بال، پسینہ میں سے کسی کی نجاست ثابت نہیں۔ (بدور الاہلہ ص ۱۶)

پہلا سوال تو یہ ہے کہ آپ کے مذہب میں تو بلا ذبح ہی کھال اور گوشت بلکہ سب کچھ پاک ہے۔ اس کی حدیث پیش کرو اور دوسری حدیث یہ پیش کرو کہ جب بلا ذبح پاک ہے تو بعد ذبح کیوں ناپاک ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ چیزیں دو قسم کی ہیں ایک نجس العین جیسے پاخانہ،

پیشاب خنزیر وغیرہ یہ نہ دھونے سے پاک ہوں نہ دباغت سے نہ ذبح سے۔ دوسری وہ ہیں جو خود نجس العین نہیں لیکن کسی نجس العین کے لگنے سے ناپاک ہوں جیسے کپڑے پر پاخانہ لگ جائے تو یہ دھونے سے پاک ہوجائے گا اب حرام جانور کے گوشت کی مثال تو پہلی نجاست کی ہے اس لیے اگرچہ اس میں اختلاف ہے مگر اصح قول ناپاکی کا ہے۔ چنانچہ علامہ حلبی فرماتے ہیں "وفی طهارة لحمه بها" (غنية المستملی ص ۱۴۵) اور کھال کی مثال دوسری قسم کی نجاست کی ہے۔ یہ خود حالت حیات میں پاک تھی۔ ناپاک کپڑے کی طرح اس میں نجس رطوبات سرایت کرگئیں تو جب دباغت سے وہ نجس رطوبات زائل ہوگئیں تو کھال صاف ہوگئی۔ ایما اهاب دبغ فقد طهر الحدیث اور جو چیز دباغت سے پاک ہوجاتی ہے وہ زکوٰۃ سے بھی پاک ہوجاتی ہے۔ الا ما ذکیتم اسی لیے شارح منیہ فرماتے ہیں "فی الحاصل فی طهارة جلد ما لایوکل بالذکاة اختلافا والاصح الطهارة" (غنية المستملی ص ۱۴۵)

باقی رہی گوشت کی بات تو احناف کے ہاں اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ صحیح قول جس پر ہمارا فتویٰ ہے وہ یہ ہے کہ گوشت پاک نہیں ہوتا۔ جیسا کہ البحر الرائق ج ا ص ۱۰۶ میں ہے۔ وصحیح فی الاسرار والکفایة والتبیین نجاسة۔ صاحب اسرار وصاحب کفایہ اور صاحب تبین نے (مذکورہ گوشت) کی نجاست کو صحیح قرار دیا ہے۔

اگر ان مسائل کے خلاف غیر مقلد کوئی صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش کریں تو ہم ضد نہیں کریں گے مگر یہ ان کے بس کی بات نہیں۔

اعتراض نمبر ۳۲:

حنفی مذہب میں ہے کہ اجرت دے کر زنا کرنے پر حد نہیں۔

جواب:

غیر مقلد نے اس عبارت میں کئی بے ایمانیاں کی ہیں۔

① ... حد نہ ہونے کا مطلب یہ بتایا کہ جائز ہے کوئی گناہ یا سزا نہیں۔

② ...... ہم نے مطالبہ کیا کہ صریح آیت یا صریح غیر معارض ایک ہی حدیث پیش کرو جس میں یہ ہو کہ اجرت لے کر زنا پر حد ہے مگر وہ بالکل پیش نہ کرسکے۔

③ ...... قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں "فما استمتعتم به منهن فاتوهن اجورهن" ان عورتوں سے جتنا نفع تم نے اٹھایا ہے ان کی اجرت ان کو دے دو یہاں قرآن میں اللہ تعالیٰ نے مہر کو اجرت قرار دیا۔ مہر اور اجرت آپ میں ایک دوسرے سے مشابہت رکھتے ہیں اس لیے اس آیت سے لفظِ اجرت میں مہر کا شبہ پیدا ہوگیا۔ اور حدیث کے موافق شبہ سے حد ساقط ہوگئی اس کو قرآن وحدیث پر عمل کہتے ہیں تم نے نہ قرآن کو مانا اور نہ حدیث کو۔ عالمگیری میں صراحت ہے کہ شبہ کی وجہ سے حد ساقط ہوتی ہے۔

(عالمگیری ج ۲ ص ۱۴۹)

④ ...... لیکن حد ساقط ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ ان کو بدکاری کی چھٹی دی جائے گی اور اس پر کوئی سزا نہ دی جائے گی بلکہ "ویوجعان عقوبة ویحبسان حتی یتوبا" (عالمگیری ج ا ص ۱۴۹) ان کو ایسی دکھ کی مار دی جائے گی کہ دوسروں کو عبرت ہو اور اس مار کے بعد ان کو قید کردیا جائے گا۔ جب تک ان کی توبہ کا یقین نہ ہو۔ کیا کسی لامذہب میں یہ جرأت ہے کہ وہ اپنی کسی معتبر کتاب میں متعہ کی یہ سزا دکھائے۔ آپ کے ہاں تو انکار بھی جائز نہیں۔

اور پھر اس لامذہب نے یہ بھی نہ بتایا کہ یہ مسئلہ فقہ کا متفق علیہ نہیں بلکہ خود امام صاحب سے ایک قول حد کے واجب ہونے کا ہے۔ "والحق وجوب الحد کالمستاجرة للعذمة فتح درمختار ج ۳ ص ۱۵۷، ای کما هو قولهما" (رد المحتار ج ۳ ص ۱۵۷) امام صاحب بھی ایک قول میں صاحبین کی طرح فرماتے ہیں حق یہی ہے کہ حد واجب ہے۔ الحاصل ہمارے مذہب میں یہ فعل زنا ہی ہے اور گناہ کبیرہ ہے اختلاف صرف

اس میں ہے کہ زنا موجب حد ہے یا شبہ کی وجہ سے موجب تعزیر۔ امام صاحب سے دونوں اقوال موجود ہیں جب کہ لا مذہبوں کے ہاں نہ زنا نہ گناہ۔ نہ تعزیر نہ انکار۔

اعتراض نمبر ۳۳:

حنفی مذہب میں ماں بیٹی اور دیگر محرمات سے اگر نکاح کر کے وطی کرے تو اس پر حد نہیں۔

جواب:

۱...... یہ محض جھوٹ ہے ہماری فقہ کی کتابوں میں صراحت ہے کہ ماں، بہن، بیٹی وغیرہ محرمات ابدیہ ہیں ان سے ہرگز نکاح جائز نہیں۔ (ہدایہ وغیرہ)

۲...... ان سے نکاح کرنا تو کجا اگر کوئی شخص صرف یہ کہے کہ ماں بیٹی سے نکاح جائز ہے وہ کافر ہے، مرتد ہے، واجب القتل ہے۔ (فتح القدیر ج ۵ ص ۴۲)

۳...... فقہ میں تو صاف لکھا ہے کہ ایسے شخص کو عبرت ناک سزا دی جائے۔

(عالمگیری ص ۱۴۸)

۴...... ہدایہ ج ۲ ص ۵۱۶ میں ہے ایسے شخص پر سزا واجب ہے اور وہ تعزیر ہے۔

۵...... فتح القدیر شرح ہدایہ ج ۵ ص ۴۰ میں ہے "ویعاقب عقوبة هی اشد ما یکون من التعزیر سیاسة لا حدا"

۶...... درمختار ج ۳ ص ۱۷۹ میں ہے۔ یہ تعزیر قتل تک بھی ہو سکتی ہے۔ جیسے کوئی مرد ایسی عورت کے ساتھ پایا گیا جو اس کے لیے حلال نہیں تھی۔

اس لیے یہ جھوٹ ہے کہ فقہ حنفی میں اس جرم کی سزا نہیں ہے۔

۷...... پھر کہنے لگے ہاں فقہ کے اعتبار سے نکاح تو جائز نہیں سزا بھی ہے مگر فقہ نے اس کو گناہ نہیں کہا۔ بلکہ یہ زنا سے بڑا گناہ ہے۔ (طحاوی ج ۲ ص ۹۶)

اب ان عقل کے اندھوں سے کوئی پوچھے کہ اگر یہ گناہ نہیں تو یہ سزائے قتل کس نیکی کی ہے؟ اور فقہ میں صاف صاف تصریح ہے انه ارتکب جریمة۔ (ہدایہ ج ۱ ص ۵۱۶) یعنی اس

نے گناہ کا ارتکاب کیا ہے اتنے جھوٹ بولنے کے بعد آخر کہا کہ فقہ میں لکھا ہے کہ "حد نہیں"۔

۸...... احناف نے کہا کہ حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ "البینة علی المدعی" دلیل مدعی کے ذمہ ہوتی ہے آپ حد کے مدعی ہیں۔ ہم حد کا انکار کرتے ہیں آپ کا فرض ہے کہ ایک ہی حدیث صحیح صریح غیر معارض ایسی پیش فرمائیں جس میں آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہو کہ جو شخص محرماتِ ابدیہ سے نکاح کر کے صحبت کرلے اگر وہ کنوارہ ہو تو سو کوڑے مارے جائیں اگر شادی شدہ ہو تو سنگسار کیا جائے۔ ہم بغیر کسی ضد کے مان لیں گے کہ فقہ کا یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے لیکن وہ کوئی ایسی حدیث پیش نہیں کر سکے نہ کر سکیں گے۔

۹...... آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں کسی نے ماں سے نکاح کیا آپ ﷺ نے اس کو قتل کر کے اس کا مال لوٹ لینے کا حکم دیا۔ (رواہ الخمسہ) ہاں ترمذی، ابن ماجہ میں اخذ مال کا ذکر نہیں۔ (منتقی الاخبار) ظاہر ہے کہ یہ زنا کی حد نہیں، نہ کوڑے نہ سنگسار اس فعل کی تعزیر ہے۔

۱۰...... ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جو محرمات میں سے کسی سے صحبت کرے اس کو قتل کر دو۔ (ابن ماجہ) اب یہ بھی پمفلٹ شائع کرو کہ حضور ﷺ نے حد کیوں نہ بتائی۔ نہ لگائی تعزیر کیوں بتائی اور لگوائی۔ افسوس عامل بالحدیث ہونے کا دعویٰ اور احادیث کا انکار۔

۱۱...... لا مذہب غیر مقلدین کے پاس سوائے قیاس کے اس مسئلہ میں کچھ نہیں وہ کہتے ہیں کہ جب یہ نکاح باطل ہے تو کالعدم ہے اس پر وہ کوئی حدیث پیش نہیں کر سکتے۔ لیکن امام صاحب فرماتے ہیں کہ نکاح باطل بھی شبہ بن جاتا ہے اگر قیاس تو نہیں مانتا لیکن حدیث میں ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس ایک آدمی لایا گیا جس نے ایک عورت سے اس کی عدت میں نکاح کیا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر حد جاری نہ فرمائی بلکہ تعزیر لگوائی۔ (ابن ابی شیبہ)

ظاہر ہے یہ نکاح شرعی نہ تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ کی موجودگی میں حد ساقط کر دی اور تعزیر لگائی۔ اجماع صحابہ سے ثابت ہوا کہ نکاح حرام بھی شبہ بن جاتا ہے۔ اور اجماع امت سے ثابت ہے کہ شبہ سے حد ساقط ہو جاتی ہے۔ حافظ صاحب اس کو حدیث پر عمل کرنا کہتے ہیں۔ اور یہ ہے احادیث کا فہم آپ کا عمل بالحدیث کا دعویٰ ایسا ہی باطل ہے جیسے منکرین

حدیث کا عمل بالقرآن کا دعویٰ باطل ہے۔

۱۲...... حافظ صاحب اس اعتراض کے جواب میں مولانا عبدالحیٔ صاحب لکھنوی نے مستقل رسالہ لکھا ہے "القول الجازم فی سقوطه الحد من نکاح المحارم" جس کے جواب سے آج تک تمہاری جماعت عاجز ہے۔ اور تمہارے بڑے بڑے علماء نذیر حسین دہلوی، صدیق حسن بھوپالی، وحید الزمان، شمس الحق عظیم آبادی، عبدالرحمٰن مبارک پوری، ثناء اللہ امرتسری، عبداللہ روپڑی اس قرض کو سر پر لے کر فوت ہو گئے ہیں۔

۱۳...... حافظ صاحب آپ کے مذہب کے موافق کسی لڑکے نے اپنی بہن سے نکاح کیا اور صحبت کی آپ کوڑے لگا کر چھوڑ دیں گے۔ وہ پھر دوسری بہنوں سے پھر ماں سے پھر پھوپھی سے پھر خالہ سے باری باری نکاح کرتا رہے گا اور کوڑے کھاتا رہے گا اس کے برعکس حنفی قاضی اسے پہلی مرتبہ قتل کروا دے گا تعزیراً تاکہ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ تو بتایئے سزا ہماری سخت ہوئی یا آپ کی۔ معاشرہ ہماری سزا سے، گندگی سے بچے گا یا آپ کی سزا سے دیکھا فقہ پر اعتراض کرنے کے لیے کتنے جھوٹ بولنے پڑتے ہیں، کتنی خیانتیں کرنی پڑتی ہیں، کتنی حدیثوں کا انکار کرنا پڑتا ہے۔

اعتراض نمبر ۳۴:

حنفیوں کے نزدیک قرآن دیکھ کر نماز میں پڑھنا جائز نہیں اس سے نماز ٹوٹ جاتی ہے مگر نماز میں عورت کی شرم گاہ کو دیکھتے رہنا جائز ہے اس سے نماز نہیں ٹوٹتی۔ ساری فقہ قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔

جواب:

اس اعتراض میں دو مسئلے ذکر کیے گئے ہیں۔ ہم دونوں کو الگ الگ بیان کرتے ہیں تاکہ مسئلہ آسانی سے سمجھ آ جائے۔

پہلا مسئلہ:

نماز میں قرآن دیکھ کر پڑھنا ہمارے ہاں نماز میں قراۃ یعنی قرآن پڑھنا تو فرض ہے اگر مقدارِ فرض قرأت بھی نہ پڑھی تو نماز باطل ہے ہاں قرآن ہاتھ میں لے کر پڑھنے میں اس کا اٹھانا۔ اس کے اوراق کو الٹ پلٹ کرنا۔ مستقل اسی پر نظر جمائے رکھنا ایسے افعال ہیں جو نماز سے تعلق نہیں رکھتے اور نہ آنحضرت ﷺ سے ثابت ہیں پھر قرآن سے تعلیم حاصل کرنا یہ بھی تعلیم و تعلم ہوا قرأت تو نہ ہوئی یہ سب باتیں عمل کثیر ہیں اور ایسا عمل کثیر جو افعالِ نماز سے تعلق رکھتا ہو اس سے نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ (ہدایہ عالمگیری) تاہم ہمیں کوئی ضد نہیں اگر آپ کسی صحیح صریح غیر معارض حدیث سے ثابت کر دیں کہ قرآن اٹھانے۔ ورق الٹنے۔ اس سے تعلیم حاصل کرنے سے عمل کثیر نہیں بنتا اور نماز فاسد نہیں ہوتی تو ہم تسلیم کر لیں گے کہ ہمارا یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے لیکن حدیث کا نام لے کر لوگوں کو گمراہ کرنے والے آج تک ایک حدیث بھی پیش نہیں کر سکے۔ اور نہ ہی قیامت تک کر سکیں گے ان شاء اللہ العزیز۔

امام ترمذی نے حضرت رفاع بن رافع اور ابوداؤد و نسائی نے حضرت عبداللہ بن ابی اوفی سے حدیث روایت کی ہے ایک شخص کو اتنا قرآن بھی یاد نہ تھا جتنا نماز میں فرض ہے تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا تم قرآن کی بجائے حمد و ثنا پڑھ لیا کرو۔ ظاہر ہے کہ قرأت نماز میں فرض ہے۔ اس شخص کو اتنا قرآن زبانی یاد نہ تھا اگر دیکھ کر پڑھنے سے نماز جائز ہوتی تو آپ ﷺ اس سے پوچھتے کہ دیکھ کر پڑھ سکتے ہو یا نہیں اور دیکھ کر اتنا پڑھ لینا حفظ سے آسان ہے۔ آپ ﷺ نے اس کو دیکھ کر پڑھنے کی اجازت نہیں دی جس سے معلوم ہوا کہ دیکھ پر پڑھنا جائز نہیں۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں "نهانا امیر المؤمنین عمر ان نؤم الناس فی المصحف" (کنز العمال ج ۴ ص ۲۴۶) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ہمیں منع فرمایا کہ ہم امام بن کر قرآن پاک دیکھ کر نمازیں پڑھیں تو احناف کا یہ مسئلہ حدیث رسول ﷺ، فرمانِ خلیفہ راشد اور قیاس شرعی کہ یہ عمل کثیر ہے اور عملِ کثیر مفسد نماز ہے کے مطابق ہے۔

دوسرا مسئلہ:

نماز میں عورت کو دیکھنا فقہ حنفی میں کہیں یہ نہیں لکھا کہ نماز پڑھتے ہوئے عورت کی شرم گاہ کو دیکھنا جائز ہے۔

۱......احادیث میں ایک اختلاف یہ ہے۔ عورت نمازی کے سامنے آئے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ (مسلم ج ۱ ص ۱۹۷)

۲......حائضہ عورت سامنے آئے تو نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ (ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ)

۳......عورت آگے لیٹی بھی ہو تو نماز نہیں ٹوٹتی۔ (بخاری ج ۱ ص ۵۶، مسلم ج ۱ ص ۱۹۷)

یہ چاروں حدیثیں صحیح ہیں اور آپس میں متعارض ہیں۔ علمائے احناف ان میں یہ تطبیق بیان کرتے ہیں کہ نماز نہیں ٹوٹتی البتہ نماز کا خشوع باطل ہو جاتا ہے۔ (شروح حدیث)

جب احناف کے نزدیک عورت کپڑے پہن کر بھی سامنے سے گزر جائے تو نماز کا خشوع باطل ہو جاتا ہے تو پھر احناف پر یہ بہتان باندھنا کہ ان کے نزدیک نماز میں عورت کی شرم گاہ کو دیکھنا جائز ہے کب جائز ہوسکتا ہے بلکہ احناف کے نزدیک تو عورت کپڑے پہنے ہوئے بھی مرد کے دائیں بائیں جماعت میں شریک ہو جائے تو مرد کی نماز فاسد ہو جاتی ہے۔ "اخبرنا ابو حنیفة عن حماد عن ابراهیم قال اذا صلت المراة الی جانب الرجل و کان فی صلاة واحدة فسدت صلاته قال به ناخذ و هو قول ابی حنیفة و کتاب الآثار امام محمد ص ۲۷) بلکہ حنفی فقہ میں تو یہ صراحت ہے "ولو صلی الی وجه انسان یکره" (عالمگیری ج ۱ ص ۱۰۸) یعنی نماز میں کسی انسان مرد یا عورت کے چہرے کی طرف توجہ رکھنا بھی مکروہ ہے تو شرم گاہ کی طرف دیکھنا کیسے جائز ہے۔

ہاں ایک بات ہے اچانک نظر پڑ جانا جیسا کہ ابوداؤد کی حدیث میں آتا ہے کہ عمرو بن سلمہ جب نماز پڑھاتے تھے ان کے چوتڑ ننگے ہوتے تھے۔ عورتوں کی نماز میں نظر امام صاحب

کے چوتڑ پر پڑتی تھی۔ انہوں نے نماز کے بعد کہا کہ امام صاحب کے چوتڑ تو ہم سے چھپالو۔ اب یہ حدیث میں کہیں نہیں آتا کہ ان عورتوں کو دوبارہ نماز پڑھنے کا حکم دیا گیا تھا۔ نہ ہی محدثین اور شراح حدیث نے اس حدیث پر یہ باب باندھا ہے کہ نماز میں شرم گاہ پر نظر پڑنے سے نماز ٹوٹ جاتی ہے۔ تو وہ پیش فرمائیں کہ ہم ہرگز ضد نہیں کریں گے۔ ہم تسلیم کریں گے کہ واقعی یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے لیکن نہ ایسی حدیث ابھی تک پیش کر سکے نہ ہی قیامت تک پیش کر سکیں گے۔ احادیث میں آتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی زوجہ طاہرہ استراحت میں ہوتی تھیں آپ ﷺ جب سجدے میں جاتے تو ان کے پاؤں چھو دیتے وہ پاؤں سمیٹ لیتیں۔ ظاہر ہے کہ جب ہاتھ لگنے سے نماز نہیں ٹوٹتی تو نظر پڑنا تو اس سے بھی تھوڑا عمل ہے یاد رکھیں نماز کا نہ ٹوٹنا اور بات ہے دیکھیے آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ مسلمان کی نماز، کتے، گدھے، عورت اور دوسرے جانوروں کی وجہ سے نہیں ٹوٹتی۔ (طحاوی) اب کتے کے سامنے سے گذرنے سے نماز نہ ٹوٹنا اور بات ہے اس سے یہ مسئلہ نکالنا کہ نمازی از خود کتے کو آگے باندھ کر نماز پڑھے تو جائز ہے۔ یہ اور بات ہے۔ نمازی کے سامنے سے عورت کا گزر جانا اور اس سے نماز نہ ٹوٹنا اور از خود عورت کو سامنے بٹھانا اور لٹالینا اور نماز میں اس کو دیکھتے رہنا یہ اور بات ہے۔ بہر حال نماز نہ ٹوٹنے سے اس فعل کا اختیار و ارادہ سے جائز سمجھنا بالکل غلط ہے اب دیکھئے قرآن پاک دیکھ کر پڑھنے کی حضور ﷺ نے اجازت نہیں دی مگر نماز پڑھتے ہوئے بیوی کے پاؤں کو چھو دینے میں کوئی حرج نہیں سمجھا۔

اعتراض نمبر ۳۵:

حنفیوں کے نزدیک نجاست چاٹنا جائز ہے:

جواب:

حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے نجاست کا چاٹنا تو کجا جس پانی وغیرہ میں نجاست تھوڑی سی پڑ

جائے کہ نجاست کا رنگ نہ بو، نہ مزہ کچھ بھی ظاہر نہ ہو پھر بھی اس پانی کا پینا حرام ہے۔ اس میں احناف کا کوئی اختلاف نہیں بلکہ بہشتی گوہر میں لکھا ہے کہ ایسے ناپاک پانی کا استعمال جس کے تینوں وصف یعنی مزہ، اور بو اور رنگ نجاست کی وجہ سے بدل گئے ہوں۔ کسی طرح درست نہیں نہ جانوروں کو پلانا درست ہے نہ مٹی وغیرہ میں ڈال کر گارا بنانا جائز ہے۔ (بہشتی گوہر ج ۱۱ ص ۵ بحوالہ درمختار ج ۱ ص ۲۰۷) تو جب نجس پانی جانور کو پلانا ہمارے مذہب میں جائز نہیں تو انسان کو چاٹنے کی اجازت کیسے ہو سکتی ہے۔

چنانچہ بہشتی زیور میں صاف لکھا ہے کہ نجاست چاٹنا منع ہے۔ (بہشتی زیور ج ۲ ص ۵) دراصل اختلاف بعض چیزوں کے پاک ناپاک ہونے میں ہے ان مسائل کی تفصیل یہ لوگ بیان نہیں کرتے اور غلط نتائج نکالتے ہیں۔

۱۔ مثلاً بعض جاہل عورتوں کی عادت ہوتی ہے کہ کپڑا سی رہی تھیں انگلی میں سوئی لگ گئی اور تھوڑا سا خون نکل آیا۔ وہ بجائے اس پر پانی ڈالنے کے اس کو دو تین مرتبہ چاٹ کر تھوک دیتی ہیں۔ اب اس کا مسئلہ بتانا تو فقہ یہ کہتی ہے کہ اس نے جو چاٹا یہ گناہ ہے اور پہلی دفعہ چاٹنے سے منہ بھی ناپاک ہو گیا مگر بار بار تھوکنے سے جب خون کا کوئی نشان باقی نہ رہا تو انگلی اور منہ پاک سمجھے جائیں گے اس مسئلے کے خلاف اگر وہ صحیح صریح غیر معارض حدیث پیش کر دیں تو ہم ان کی علمی قابلیت مان لیں گے یعنی فقہ کہتی ہے کہ چاٹنا منع ہے وہ حدیث سنائے کہ چاٹنا جائز ہے۔ فقہ کہتی ہے کہ خون کا نشان نہ رہے تو جگہ پاک ہے وہ حدیث دکھائیں کہ خون کا نشان مٹ جانے کے بعد بھی جگہ ناپاک ہے لیکن ان کا مسئلہ تو یہ ہے کہ خون پاک ہے انگلی کو لگا انگلی بھی پاک رہی منہ کو لگا منہ بھی پاک رہا۔

ایک اہل سنت والجماعت اور ایک غیر مقلد دونوں گنا چوستے جا رہے تھے دونوں کے منہ سے خون نکل آیا۔ حنفی گنا چھوڑ کر تھوکنے لگا، پانی وغیرہ پاس نہ تھا۔ غیر مقلد نے پوچھا کیا بات اس نے کہا بھئی خون نکل آیا جس کی وجہ سے منہ ناپاک ہو گیا ہے اس نے کہا ہمارے مذہب میں تو خون پاک ہے تھوکا دونوں نے حنفی ناپاک سمجھ کر تھوکتا رہا غیر مقلد پاک سمجھ کر۔

جب نشان مٹ گیا تو حنفی نے گنا چوسنا شروع کر دیا کیونکہ چاٹنے اور تھوکنے سے منہ پاک ہو گیا تھا۔ غیر مقلد سے کہا یہ مسئلہ غلط ہے تو حنفی نے کہا اس کے خلاف حدیث سنا دو۔

ایک حنفی اور غیر مقلد سفر میں تھے دونوں کے پاک ایک ایک چھوٹی بالٹی پانی کی تھی۔ آگے ایک شرابی ملا جس کے ہونٹوں کو شراب لگی ہوئی تھی۔ یہ شراب حنفی کے نزدیک پیشاب کی طرح نجس تھی اور غیر مقلد کے نزدیک پاک تھی۔ اب اختلاف یہ ہوا کہ وہ اگر مٹکے کو منہ لگا کر پانی پیئے تو باقی پانی نجس ہے اور غیر مقلد کے نزدیک باقی بچا ہوا پانی پاک ہے اب وہ شرابی اگر شراب ہونٹوں سے چاٹ چاٹ کر تھوکنا شروع کر دے تو حنفی مذہب میں یہ چاٹنا گناہ ہے اور غیر مقلد کے ہاں چاٹنا گناہ نہیں کیونکہ وہ پاک چیز چاٹ رہا ہے ہاں اگر چاٹنے سے شراب کا اثر بالکل زائل ہو جائے تو حنفی کے نزدیک اب اس کا منہ پاک ہو گیا ہے اور غیر مقلد کے نزدیک تو پہلے شراب آلودہ بھی پاک ہی تھا۔

ایک بلی نے چوہے کا شکار کیا اور اس کے منہ کو لگا ہوا ہے اب غیر مقلدوں کے مذہب میں چونکہ خون پاک ہے اس لیے اس کا خون آلودہ منہ بھی پاک ہے اس بلی نے غیر مقلد کے مٹکے میں منہ ڈال دیا تو اس کے نزدیک وہ پانی پاک ہے مگر حنفی فقہ کی رو سے وہ پانی ناپاک ہے اب وہ بلی بیٹھی اپنا منہ چاٹ چاٹ کر صاف کرتی رہی جب خون کا اثر بالکل ختم ہو گیا تو اب اس کا جھوٹا نجس نہیں مکروہ ہو گیا کیونکہ اس نے چاٹ کر اپنا منہ صاف کر لیا ہے۔

بہرحال حنفی فقہ میں نجاست کا چاٹنا ہرگز جائز نہیں ہاں بعض چیزیں ہمارے مذہب میں نجس ہیں جیسے شراب، خون، قے لیکن غیر مقلدوں کے ہاں پاک ہیں اس لیے ہمارے فقہاء نے یہ فرق بتایا ہے کہ جب منہ آلودہ ہو تو نجس ہے اور اگر پانی نہیں ملا اور قے والے نے دو تین مرتبہ ہونٹ چاٹ کر تھوک دیا یا شراب والے نے دو تین مرتبہ چاٹ کر تھوک دیا یا جس کے دانتوں سے خون نکلا تھا اس نے چاٹ کر تھوک دیا تو چاٹنا تو منع تھا اس کا گناہ الگ رہا البتہ خون، قے، یا شراب کا اثر ختم ہونے سے منہ کی پاکی کا حکم ہو گا اس کے برعکس غیر مقلدوں کے ہاں جب خون، قے، شراب منہ کو لگی ہوئی تھی۔ اس وقت بھی منہ پاک تھا۔

جب چاٹا تو بھی پاک چیزوں کو چاٹا۔ یہ وہ مسائل ہیں جن کو غلط انداز میں بیان کر کے کہا جاتا ہے کہ ان کے ہاں نجاست چاٹنا جائز ہے جو بالکل جھوٹ ہے۔

اعتراض نمبر ۳۶:

درمختار میں ہے لَا حَرَمَ لِلْمَدِيْنَةِ عِنْدَنَا حالانکہ بخاری میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میں نے مدینہ کو حرم بنایا۔

جواب:

امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر ائمہ احناف مدینہ شریف کے حرم ہونے کی مطلقاً نفی نہیں کرتے بلکہ ان کے نزدیک حرم مدینہ شریف کا وہ حکم نہیں ہے جو حرم مکہ شریف کا حکم ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے جو ارشاد فرمایا ہے اِنِّیْ حَرَّمْتُ الْمَدِيْنَةَ حَرَامًا۔ اس حرمت سے مراد تعظیم و تکریم ہے کہ میں مدینہ شریف کو عظمت و شرافت بخشی ہے۔ مدینہ شریف حرمت کے اس معنی کے لحاظ سے حرم ہے مگر جو حرم مکہ شریف کے احکام ہیں کہ وہاں شکار کی ممانعت ہے اور درخت کاٹنے منع ہیں اور جو ایسا کرے اس پر جزا لازم آتی ہے ایسے احکام کے لحاظ سے مدنیہ شریف حرم نہیں ہے۔ احناف کے دلائل مندرجہ ذیل ہیں:

عَنْ اَنَسٍ رضی اللہ عنہ قَالَ قَدِمَ النَّبِیُّ ﷺ الْمَدِيْنَةَ وَاَمَرَ بِبِنَاءِ الْمَسْجِدِ فَقَالَ يَا بَنِیْ نَجَّارٍ ثَامِنُوْنِیْ فَقَالُوْا لَا نَطْلُبُ ثَمَنَهٗ اِلَّا اِلَى اللّٰهِ فَاَمَرَ بِقُبُوْرِ الْمُشْرِكِيْنَ فَنُبِشَتْ ثُمَّ بِالْخَرِبِ فَسُوِّيَتْ وَبِالنَّخْلِ فَقُطِعَ فَصَفُّوا النَّخْلَ قِبْلَةَ الْمَسْجِدِ۔

(بخاری ج ۱ ص ۲۵۱، نور محمد اصح المطابع)

حضرت انس رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی اکرم ﷺ مدینہ شریف تشریف لائے اور مسجد بنانے کا حکم فرمایا۔ پس آپ ﷺ نے فرمایا: اے بنی نجار! میرے ساتھ بیع کرو۔ پس انہوں نے جواب دیا کہ ہم اس کا عوض اللہ تعالیٰ سے لیں گے۔ پھر سید عالم ﷺ نے مشرکین کی قبور کے بارے میں حکم فرمایا پس انہیں اکھاڑ دیا گیا۔ پھر آپ نے خراب زمین کو ہموار

کرنے کا حکم فرمایا پس اسے ہموار کر دیا گیا اور آپ نے کھجور کے درختوں کے بارے میں حکم فرمایا۔ پس انہیں کاٹا گیا اور مسجد کی جانب قبلہ میں جمع کر دیا گیا۔

اس حدیث شریف سے مدینہ شریف کی کھجوروں کا کاٹا جانا ثابت ہے۔ اگر مدینہ شریف مکہ شریف جیسا حرم ہوتا تو اس کی کھجوریں نہ کاٹی جاتیں۔

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے ایک چھوٹے بھائی تھے جنہیں ابو عمیر کہا جاتا تھا۔ ان کے پاس ایک بلبل تھا۔

فَكَانَ اِذَا جَاءَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ فَرَاٰهُ قَالَ يَا اَبَا عُمَيْرٍ مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ۔

(بخاری ج ۲ ص ۹۱۵، قدیمی کتب خانہ کراچی)

جب وہ ابو عمیر سید عالم ﷺ کے پاس آتے آپ انہیں دیکھتے تو فرماتے اے ابو عمیر! چھوٹے بلبل کا کیا حال ہے۔

اگر مدینہ شریف، مکہ شریف جیسا حرم ہوتا تو اس کا پرندہ پکڑ کر بند رکھنے کی اجازت ابو عمیر کو نہ دی جاتی۔

۳۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے تین طرق کے ساتھ حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کے مدینہ شریف میں شکار کرنے والی حدیث روایت کی ہے۔ جیسا کہ (عمدۃ القاری، شرح بخاری ج ۱۰ ص ۲۳۰) میں ہے۔

"اگر مدینہ شریف کا مکہ شریف جیسا حرم ہوتا تو رسول اللہ ﷺ ضرور حضرت سلمہ کو منع فرماتے کیونکہ حضرت سلمہ شکار کے احوال سید عالم ﷺ سے آ کر ذکر کرتے تھے۔"

۴۔ مسلم شریف میں حضرت عامر بن سعید رضی اللہ عنہ سے روایت کہ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ شریف کے بارے میں ارشاد فرمایا:

لَا تُخْبَطُ فِيْهَا شَجَرَةٌ اِلَّا لِعَلْفٍ (مشکوٰۃ ۲۳۹، قدیمی کتب خانہ کراچی)

کہ مدینہ شریف میں کوئی درخت نہ کاٹا جائے مگر چارے کے لیے۔

اگر مدینہ شریف حرم مکہ شریف جیسا ہوتا تو کسی حال میں بھی اس کا درخت کاٹنا جائز نہ

ہوتا۔ خواہ چارے کے لیے ہو خواہ اس سے علاوہ ہو۔

لہٰذا ثابت ہوا کہ نبی اکرم ﷺ نے مدینہ شریف کی جو حرمت بیان کی ہے، وہ تعظیم و تکریم کے لحاظ سے ہے نہ کہ حرم کے باقی احکام کے لحاظ سے۔ چنانچہ احناف جو کہتے ہیں کہ "لَا حَرَمَ لِلْمَدِیْنَةِ عِنْدَنَا" یہ حدیث شریف کے منافی نہیں ہے۔ اس لیے کہ حدیث شریف میں جس لحاظ سے مدینہ شریف کو حرم قرار دیا گیا ہے۔ "لَا حَرَمَ لِلْمَدِیْنَةِ عِنْدَنَا" میں اس لحاظ سے مدینہ شریف کے حرم ہونے کی نفی نہیں کی گئی۔ بلکہ تعظیم و تکریم کے لحاظ سے احناف بھی مدینہ شریف کو حرم مانتے ہیں۔

حضرت سفیان ثوری رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی مذہب ہے۔ تورپشتی کا کہنا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بہت کم لوگ مدینہ شریف میں شکار کو حرام سمجھتے ہیں اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم طیور مدینہ شریف کے شکار پر انکار نہیں کرتے تھے۔ (اشعۃ اللمعات ج ۲ ص ۴۱۲، کتب خانہ مجیدیہ، ملتان)

اعتراض نمبر ۳۷:

ہدایہ میں ہے کہ نکاح شغار جائز ہے۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

۱۔ لَا شِغَارَ فِی الْاِسْلَامِ۔

۲۔ نَهٰی رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ عَنِ الشِّغَارِ۔

جواب:

جواب سے پہلے تمہیداً شغار کا لغوی اور اصطلاحی معنی سمجھنا چاہیے۔ لغوی طور پر شغار مبادلہ اور خالی ہونے کو کہا جاتا ہے جیسے کہا جاتا ہے "بَلْدَةٌ شَاغِرَةٌ" یعنی خالی شہر۔

(دستور العلماء ج ۲ ص ۲۱۹)

اصطلاحی طور پر شغار ایک نکاح کا نام ہے جو کہ عہد جاہلیت میں پایا جاتا تھا۔ اس کے الفاظ یہ ہیں کہ ایک آدمی دوسرے سے کہے کہ تم اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح میرے ساتھ کرو میں اپنی

بیٹی یا بہن کا نکاح تمہارے ساتھ کروں گا۔ اس شرط پر کہ ان میں سے ہر ایک کا مہر دوسرے کی بضع ہے۔ (صحاح ج ۲ ص ۷۰۰) چونکہ ایسے نکاح کو مہر سے خالی کر دیا جاتا ہے اس لیے اس نکاح کو نکاح شغار کہتے ہیں۔

جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ جس چیز کی حدیث شریف میں نفی کی گئی ہے اور جس سے منع کیا گیا ہے، احناف اسے ثابت نہیں کرتے اور جسے احناف ثابت کرتے ہیں اس کی حدیث شریف میں نفی نہیں ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ "نکاح فاسد" شروط سے باطل نہیں ہوتا اور "مہر" نکاح میں شرط ہے۔ اس کے فساد سے نکاح فاسد نہیں ہوتا۔ جیسے دیکھیے اگر کوئی نکاح کرتا ہے اور حق مہر میں وہ مال رکھتا ہے جو مسلمان کے لیے مالِ متقوم نہیں ہے مثلاً خون تو اس صورت میں نکاح کی شرط فاسد ہے مگر نکاح بالاتفاق صحیح ہے۔ یہ تو تھا کہ مہر مال غیر متقوم کو بنایا گیا ہے بلکہ نکاح تو تب بھی فاسد نہیں ہوتا جب سرے سے مہر معین ہی نہ کیا جائے اور ان صورتوں میں مہر مثلی لازم آتا ہے۔ ایسے ہی نکاح شغار میں ایک ایسی چیز کو مہر بنایا گیا جو مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ جیسا کہ خون صلاحیت نہیں رکھتا تو نکاح ہو جائے گا اور مہر مثلی لازم آئے گا۔

قابلِ توجہ بات یہ ہے کہ حدیث شریف میں جس کی نفی ہے وہ شغار ہے اور یہ بات شغار کے مفہوم میں داخل ہے کہ درحقیقی مہر سے خالی ہوتا ہے اور بضع کو ہی حق مہر بنایا جاتا ہے۔

احناف اس صورت مسئلہ کے سرے سے قائل ہی نہیں ہیں۔ ہمارے نزدیک نہ یہ ہے کہ حق مہر سے خلو ہوا اور نہ ہی یہ کہ بضع کو مہر بنایا جائے۔ بلکہ ہم تو اس صورت میں مہر مثلی واجب کر کے نکاح کو مہر سے خالی رہنے دیتے ہیں۔ اور نہ ہی بضع کو مہر بناتے ہیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں جس کی نفی ہے ہم نے اس کا اثبات نہیں کیا بلکہ ہم نے بھی اس کی نفی کی ہے کہ بضع کو مہر نہیں بننے دیا۔

اصل حدیث شریف میں اس ہیئت کی نفی ہے جو جاہلیت میں تھی کہ جانبین سے بضع ہی کو

مہر سمجھا جاتا تھا اور کسی مال کو حق مہر نہ بنایا جاتا۔ ہم نے جب مہر مثلی واجب کیا تو اس سے نکاح مہر سے خالی نہیں رہا اور مہر بھی وہ چیز بنی جو مال متقوم ہے اور اس میں مہر بننے کی صلاحیت ہے۔

مزید برآں یہ بات واضح رہے کہ:

''کسی حدیث میں بھی یہ نہیں کہا گیا کہ نکاحِ شغار بالکل باطل ہے اور غیر صحیح ہے کہ اس پر کوئی حکم شرعی مرتب نہیں ہوتا اور مہر لازم نہیں آتا۔''

بلکہ حدیث شریف سے نکاحِ شغار کا ممنوع ہونا ثابت ہے اور یہ نکاح کرنے والے کا گناہ گار ہونا ثابت ہے اس کے احناف بھی قائل ہیں۔

اور یہ ضروری نہیں ہے کہ جو فعل بھی شرعاً ممنوع ہو، وہ بالکل باطل ہو اور اس پر کوئی حکم مرتب نہ ہو۔ دیکھئے جمعہ کی اذان کے وقت خرید وفروخت کی ممانعت ہے لیکن اگر کسی نے اس ممنوع فعل کا ارتکاب کیا وہ گناہ گار تو ہوگا مگر یہ معاملہ کلیۃً باطل نہیں ہوگا۔ عقد بیع منعقد ہو جائے گا مبیع پر مشتری کا ملک ثابت ہو جائے گا۔ اس عقد پر بیع وشرا کے احکام مرتب ہوں گے۔

ایسے ہی نکاح شغار میں فعل اگرچہ ممنوع ہے کرنے والے گناہ گار بھی ہوں گے مگر جہاں تک نفس عقد کا تعلق ہے وہ ثابت ہو جائے گا۔ باطل نہیں ہوگا۔ اس پر شرعی احکام مرتب ہوں گے۔ نکاح صحیح ثابت ہوگا اور مہر مثلی واجب ہو جائے گا۔

اعتراض نمبر ۳۸:

چار فرائض کی آخری دو رکعتوں کے بارے میں ہدایہ میں لکھا ہے:

اِنْ شَاءَ سَکَتَ وَاِنْ شَاءَ قَرَءَ وَاِنْ شَاءَ سَبَّحَ۔

''اگر چاہے تو نمازی ان میں خاموش ہو جائے اگر چاہے تو قرات کرے اور اگر چاہے تو تسبیح کرے۔''

حالانکہ حدیث شریف میں رسول اکرم ﷺ کے بارے میں ہے:

''کَانَ یَقْرَءُ فِی الظُّھْرِ فِی الْاُوْلَیَیْنِ بِاُمِّ الْکِتَابِ وَسُوْرَتَیْنِ وَفِی الرَّکْعَتَیْنِ الْاُخْرَیَیْنِ بِاُمِّ الْکِتَابِ۔'' (بخاری ومسلم)

''آپ ﷺ ظہر کی پہلی دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ اور ساتھ کوئی دوسری سورہ پڑھتے تھے اور آخری دو رکعتوں میں سورہ فاتحہ پڑھتے تھے۔''

نیز حضرت جابر رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ظہر وعصر کی پہلی دو رکعتوں میں فاتحہ اور ساتھ کوئی سورت اور آخری دونوں رکعتوں میں فاتحہ پڑھتا ہوں۔ (عبدالرزاق)

جواب:

چار رکعت فرضوں کی آخری دو رکعتوں میں اگرچہ سید عالم ﷺ سے سورہ فاتحہ ثابت ہے مگر اس کی حیثیت وہ نہیں ہے جو کہ پہلی دو رکعتوں میں ہے چنانچہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

''یَقْرَءُ فِی الْاُوْلَیَیْنِ وَیُسَبِّحُ فِی الْاُخْرَیَیْنِ''

(مصنف ابن ابی شیبۃ ج ا ص ۳۷۲، مطبع عزیزیہ حیدرآباد ہند)

''پہلی دو رکعتوں میں قرات کی جائے اور آخری دو رکعتوں میں تسبیح کی جائے۔''

ایسے ہی حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت علی رضی اللہ عنہما دونوں سے مروی ہے:

''قَالَا اِقْرَءْ فِی الْاُوْلَیَیْنِ وَسَبِّحْ فِی الْاُخْرَیَیْنِ''

(مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۳۷۲)

''ان دونوں حضرات نے فرمایا پہلی دو رکعتوں میں قرات کرو اور آخری دو رکعتوں میں تسبیح پڑھو۔''

مصنف ابن ابی شیبہ میں تو پورا ایک باب ''بَابُ مَنْ کَانَ یَقُوْلُ یُسَبِّحُ فِی الْاُخْرَیَیْنِ وَلَا یَقْرَءُ'' اس بارے میں ہے۔ جس میں ایسے آثار کو مع الاسناد جمع کیا گیا ہے۔ چنانچہ اگر

کسی کو اعتراض ہے تو یہ حضرت علی المرتضیٰ اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر اعتراض ہوگا۔ فقہ حنفی پر نہیں۔ اور ان حضرات پر اعتراض کرنا صحیح نہیں ہے۔ اس لیے کہ وہ سید عالم ﷺ کے افعال کو قریب سے دیکھنے والے اور محفوظ کرنے والے اور ان پر عمل پیرا ہونے والے تھے۔

باقی جہاں تک مذہب حنفی ہے، اس میں احادیث اور تمام آثار کا لحاظ رکھتے ہوئے آخری دو رکعتوں میں فاتحہ پڑھنے کو سنت قرار دیا گیا ہے اور اس کے سنت ہونے کو صحیح قرار دیا اور یہی ظاہر الروایۃ ہے۔ جس طرح کہ **طحطاوی علی مراقی الفلاح** ص ۱۴۷ میں ہے۔

اور فقہ حنفی کا یہ اصول ہے جب ظاہر الروایۃ اور غیر ظاہر الروایۃ میں تعارض آجائے تو ترجیح ظاہر الروایۃ کے مسئلہ کو ہوتی ہے۔ لہٰذا فقہ حنفی میں بھی ترجیح آخری دو رکعت میں فاتحہ کے سنت ہونے کو ہے اور ہدایہ کی عبارت جو کہ غیر ظاہر الروایۃ ہے اس کی وجہ حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے اقوال ہیں۔

اعتراض نمبر ۳۹:

اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ ﷺ قَالَ مَنْ صَامَ رَمَضَانَ ثُمَّ اَتْبَعَہٗ سِتًّا مِّنْ شَوَّالٍ کَانَ کَصِیَامِ الدَّھْرِ۔ (مسلم)

''رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے رمضان شریف کے روزے رکھے ان کے بعد شوال کے چھ روزے رکھے اس کا یہ عمل صیام دہر کی طرح ہے۔''

اور فتاویٰ عالمگیری میں یہ ہے کہ شوال کے چھ روزے امام ابوحنیفہ کے نزدیک مکروہ ہیں خواہ متفرق رکھے یا مسلسل رکھے۔

جواب:

مذہب حنفی میں شوال کے چھ روزے مکروہ نہیں ہیں۔ فتاویٰ عالمگیری ہی میں کراہت والے قول کے بعد لکھا ہے:

''وَالْاَصَحُّ اَنَّہٗ لَا بَاْسَ بِہٖ کَذَا فِیْ مُحِیْطِ السَّرْخَسِیْ۔

(فتاویٰ عالمگیری ج ۱ ص ۲۰۱، نورانی کتب خانہ پشاور)

''اصح یہ ہے کہ ان روزوں میں کوئی حرج نہیں ہے۔''

کراہت کی وجہ یہ ہے کہ کہیں لوگ انہیں کثرت مداومت کی وجہ سے رمضان کے روزوں کے ساتھ لازم نہ سمجھ لیں۔ کیونکہ عوام جو یہ روزے رکھتے ہیں بعض عید الفطر کو کہنا شروع کر دیتے ہیں ہماری آج عید نہیں ہماری عید ابھی مزید چھ روزوں کے بعد ہے۔ اگر اس اعتقاد کا خطرہ نہ ہو تو امام صاحب کے نزدیک بھی ان میں کوئی حرج نہیں کیونکہ ان میں حدیث وارد ہوتی ہے جیسا کہ حضرت ملا علی قاری رحمہ اللہ نے وضاحت کی ہے۔

(مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۲۹۳)

امام مالک رحمہ اللہ کا بھی ان روزوں کے بارے میں یہی موقف ہے۔

(نووی، شرح مسلم ج ۱ ص ۳۶۹)

اعتراض نمبر ۴۰:

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ مَعَ الْغُلَامِ عَقِیْقَۃٌ فَاَھْرِیْقُوْا عَنْہُ دَمًا وَاَمِیْطُوْا عَنْہُ الْاَذٰی (بخاری)

''رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ لڑکے کے ساتھ عقیقہ ہے پس اس کی طرف سے خون بہاؤ اور اس سے الائش دور کرو۔''

نیز آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْغُلَامُ مُرْتَھَنٌ بِعَقِیْقَتِہٖ یُذْبَحُ عَنْہُ یَوْمَ السَّابِعِ وَیُسَمّٰی وَیُحْلَقُ رَاْسُہٗ (ترمذی)

''کہ بچہ اپنے عقیقے کے ساتھ رہن گیا ہے۔ ساتویں دن اس کی طرف سے ذبح کیا جائے اور اس کا نام رکھا جائے اور اس کے سر کا حلق کیا جائے۔''

ادھر احناف کی عقیقے کے بارے میں رائے یہ ہے:

۱۔امام محمد نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا ہے:

"لَا يُعَقُّ عَنِ الْغُلَامِ وَلَا عَنِ الْجَارِيَةِ" (جامع صغیر ص۵۳۴)

"بچے کی طرف سے عقیقہ کیا جائے اور نہ بچی کی طرف سے۔"

۲۔علامہ کاسانی کہتے ہیں:

"امام محمد نے جامع صغیر میں ذکر کیا ہے لڑکے کا عقیقہ کیا جائے نہ لڑکی کا۔"

اس عبارت میں عقیقہ کے مکروہ ہونے کی طرف اشارہ ہے کیونکہ عقیقہ کرنے میں فضیلت تھی اور جب فضیلت منسوخ ہوگئی تو اس کا مکروہ ہونا باقی رہ گیا۔ (بدائع)

۳۔فتاویٰ عالمگیری میں بھی اپنے مذہب کے مختلف اقوال نقل کر کے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ سنت نہیں۔

جواب:

۱۔جامع صغیر میں حضرت امام اعظم ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے عقیقہ نہ کرنے کے بارے میں جو روایت کیا گیا ہے اس سے مراد عہد جاہلیت کا عقیقہ ہے کہ اس طرح عقیقہ نہ کیا جائے۔ یک گونہ عقیقہ واقعی طور پر عہد جاہلیت میں بھی تھا۔

چنانچہ سنن ابی داؤد میں حضرت ابو بریدہ رضی اللہ عنہ سے عہد جاہلیت کے عقیقے اور اسلامی عقیقے کے درمیان فرق مروی ہے۔ وہ کہتے ہیں:

"كُنَّا فِي الْجَاهِلِيَّةِ إِذَا وُلِدَ لِأَحَدِنَا غُلَامٌ ذَبَحَ شَاةً وَلَطَخَ رَأْسَهُ بِدَمِهَا فَلَمَّا جَاءَ اللّٰهُ بِالْإِسْلَامِ كُنَّا نَذْبَحُ شَاةً وَنَحْلِقُ رَأْسَهُ وَنَلْطَخُهُ بِزَعْفَرَانَ"

(سنن ابی داؤد ج۲ ص۳۷)

"زمانہ جاہلیت میں جب ہم میں سے کسی کے ہاں لڑکا پیدا ہوتا تو وہ بکری ذبح کرتا اور بچے کے سر پر بکری کا خون بھی لگا دیتا۔ پس جب ہمیں اللہ تعالیٰ نے اسلام عطا فرمایا تو ہم بکری ذبح کرتے اور بچے کے سر کا حلق کرتے اور اس کے سر پر زعفران لگا دیتے۔"

حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ نے جو لا یعق فرمایا ہے اس سے مراد زمانہ جاہلیت کا عقیقہ ہے۔ آپ نے اسلامی عقیقے سے منع نہیں کیا۔ بیہقی میں ہے رسول اللہ ﷺ سے عقیقہ کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"لَا أُحِبُّ الْعُقُوقَ" (۹/۳۰۰) "میں عقوق کو پسند نہیں کرتا"

بیہقی کہتے ہیں گویا کہ آپ نے یہ نام مکروہ سمجھا۔ امام صاحب کے نزدیک بھی کراہت سے یہی مراد ہے۔

۲۔علامہ کاسانی عقیقے کے ہرگز منکر نہیں ہیں۔ ان کے نزدیک عقیقہ جائز ہے اور مباح ہے۔ ہاں اس کو سنت موکدہ اعتقاد کرنا ان کے نزدیک مکروہ ہے۔ کیونکہ ان کے سامنے رسول اکرم ﷺ کی حدیث مبارکہ ہے جس کا انہوں نے ذکر بھی کیا:

"مَنْ شَاءَ فَلْيُعَقِّ عَنِ الْغُلَامِ شَاتَيْنِ وَعَنِ الْجَارِيَةِ شَاةً"

"جو چاہے لڑکے کی طرف سے دو بکریوں اور لڑکی کی طرف سے ایک بکری کے ذبح سے عقیقہ کرے۔"

اور سنن ابی داؤد شریف میں ہے:

"فَأَحَبَّ أَنْ يَنْسُكَ عَنْهُ" (۲/۳۶، ایسے سنن بیہقی ۹/۳۰۰) میں ہے۔

علامہ کاسانی فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے عقیقے کو والد کی مشیت پر معلق کیا ہے اور یہ تعلیق اباحت کی علامت ہے۔ (بدائع الصنائع ۵/۶۹، ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

علامہ کاسانی جو خود عقیقے کو مباح ثابت کر رہے ہیں تو اسے مکروہ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ ہاں اس کے سنت موکدہ یا واجب ہونے کا اعتقاد ان کے نزدیک مکروہ ہے۔ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ نے جس عقیقے کو مکروہ کہا وہ بھی جاہلیت کا عقیقہ ہے۔

۳۔مذکورہ بالا احادیث جن میں والد کی مشیت پر عقیقہ معلق کیا گیا ہے کی وجہ ہی سے فتاویٰ عالمگیری میں عقیقے کو مباح اور جائز قرار دیا گیا ہے۔ سنت موکدہ یا واجب قرار نہیں دیا گیا۔

عقیقے سے متعلق احادیث میں غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اس میں بتدریج تبدیلی ہوئی اور نسخ

رونما ہوا۔ حضرت ابو بریدہ کی روایت میں اگر چہ بچے کے سر پر خون لگانے کو عہد جاہلیت کا عمل قرار دیا گیا لیکن اسلام کے آتے ہی اسے ختم نہیں کیا گیا تھا بلکہ حدیث شریف میں ہے:

"یُذْبَحُ عَنْهُ یَوْمَ السَّابِعِ وَیُحْلَقُ رَاْسُهٗ وَیُدْمٰی"

(سنن ابی داؤد ۲/ ۳۶، مطبع مجتبائی پاکستان)

"ساتویں دن بچے کی طرف سے ذبح کیا جائے اس کے سر کا حلق کیا جائے اور اس کے سر کا خون آلود کیا جائے"

پھر حکم ہوا:

"اَهْرِیْقُوْا عَنْهُ دَمًا" (سنن ابی داؤد ۲/ ۳۶، مطبع مجتبائی پاکستان)

"بچے کی طرف سے جانور ذبح کرتے ہوئے خون بہاؤ"

یہاں اس کا سر خون آلود کرنے کو ختم کر دیا گیا ہے لیکن صیغہ امر سے تاکید سمجھ آ رہی تھی۔

پھر حکم ہوا:

"مَنْ وُلِدَ لَهٗ وَلَدٌ فَاَحَبَّ اَنْ یَّنْسُكَ عَنْهُ فَلْیَنْسُكْ"

(سنن بیہقی ۹/ ۳۰۰، دار صادر، بیروت)

"جس کے ہاں بچہ پیدا ہو پس وہ بچے کی طرف سے جانور ذبح کرنا چاہے تو اسے ذبح کر لینا چاہیے۔"

تو اب وجوب والی بات بھی ختم ہوگئی اور عقیقے کی اباحت باقی رہ گئی۔

اعتراض نمبر ۱۴۱:

شرح وقایہ میں ہے "وَصَحَّ النِّكَاحُ بِخَمْرٍ وَّ خِنْزِیْرٍ" کہ شراب اور خنزیر کو حق مہر رکھ کر نکاح صحیح ہے۔

جواب:

پہلے نمبر پر یہاں یہ بات ذہن نشین کرنی چاہیے کہ فقہائے کرام کا اس جزئیے سے مقصد

ہرگز یہ ترغیب دینا نہیں ہے کہ شراب اور خنزیر کو حق مہر معین کر کے نکاح کیا جائے۔ بلکہ ان کا مقصد یہ ہے کہ اگر ایسی صورت پیش آ جائے تو پھر اس بارے میں یہ حکم ہے۔ اب یہ سمجھئے کہ اس نکاح کو صحیح کیوں قرار دیا گیا ہے۔

جب زوج زوجہ نے شراب یا خنزیر کو قبول کرنے کی شرط پر نکاح کیا تو انہوں نے نکاح کے لیے ایک ایسی شرط لگائی جو کہ فاسد ہے اور نکاح فاسد شرط سے فاسد نہیں ہوتا کیونکہ یہ بیع کی طرح نہیں ہے۔ بیع فاسد شرط کی بنا پر فاسد ہو جاتی ہے اور عقد نکاح عقد بیع کی طرح نہیں ہے۔ جبکہ نکاح میں مہر کا ذکر نہ کرنے اور اسے معین نہ کرنے سے فاسد نہیں ہوتا اور عقد بیع اور عقد نکاح میں یہ فرق اس لیے کہ بیع میں شرط فاسد کی وجہ سے سود بن جاتا ہے اور سود نص قرآنی سے حرام ہے جب کہ عقد نکاح میں سود کا کوئی تصور نہیں ہے۔ لہٰذا رکن نکاح میں شرط فاسد کی کوئی تاثیر نہیں ہوگی اور نکاح صحیح باقی رہے گا۔

درحقیقت فقہاء نے اس صورت میں شراب و خنزیر سے نکاح کو جائز قرار نہیں دیا بلکہ مہر مثلی سے نکاح کو صحیح قرار دیا ہے۔ کیونکہ یہ صورت ایسی ہے کہ گویا کہ جانبین نے کوئی مہر معین کیا ہی نہیں ہے۔ اس لیے کہ تعیین مہر کی شرط ہے کہ وہ مسلمان کے لیے مال متقوم ہو اور جب خمر و خنزیر مسلمان کے لیے مالِ متقوم ہی نہیں تو تعیین مہر کی شرط ہی نہیں پائی گئی اور مہر معین نہ ہوا اور جب نکاح کیا جائے اور اس میں مہر معین نہ کیا جائے تو وہاں مہر مثلی لازم آتا ہے۔ (یعنی اس کے والد کے خاندان کی اس کی مثل عورتوں کا جتنا حق مہر ہوتا ہے) لہٰذا خمر و خنزیر کو حق مہر بنانے کی صورت میں گویا کہ مہر معین ہی نہیں کیا گیا۔ ایسی صورت میں مہر مثلی لازم آتا ہے۔ لہٰذا خمر و خنزیر والی صورت میں مہر مثلی لازم آئے گا۔ اعتراض تب تھا جب خمر و خنزیر کو حق مہر بناتے ہم انہیں مہر کیا بنائیں ہم اس صورت میں مہر کی تعیین بھی نہیں سمجھتے۔ لہٰذا یہ محض دھوکہ دہی ہے کہ احناف خمر و خنزیر کو حق مہر بنا کر نکاح کو جائز سمجھتے ہیں۔ اور جب نکاح مہر کا ذکر کرنے اور تعیین کرنے کے بغیر بھی ہو جاتا ہے بلکہ مہر کی نفی کی شرط پر بھی ہو جاتا ہے کہ زوج زوجہ نکاح کریں اس شرط پر کہ زوج حق مہر نہیں دے گا تو مذکورہ صورت میں بطریق اولیٰ ہو جانا چاہیے۔

اعتراض نمبر۴۲:

قرآن مجید میں ہے:

"اَلسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا" "چور مرد اور چور عورت کے ہاتھ کاٹو۔"

اور قدوری میں ہے:

"لَا قَطْعَ عَلٰى نَبَّاشٍ" "کفن چور کا ہاتھ نہیں کاٹا جائے گا"

جواب:

جو بھی کسی کا مال ناجائز طریقے سے لے لے، ضروری نہیں کہ اس کو سارق کہا جائے۔ جس نے امانت میں خیانت کی، اس نے بھی غیر کا مال ناجائز طریقے سے حاصل کیا ہے مگر اسے سارق کہا جاتا ہے اور نہ ہی اس کا ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ جو سود سے دوسرے کا مال حاصل کرے اس نے غیر کا مال ناجائز طریقے سے حاصل کیا ہے مگر اس کا ہاتھ نہیں کاٹا جاتا۔

رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"لَيْسَ عَلٰى خَائِنٍ وَّلَا مُنْتَهِبٍ وَلَا مُخْتَلِسٍ قَطْعٌ"

(مشکوٰۃ ص۳۱۳، قدیمی کتب خانہ کراچی، ترمذی، نسائی)

"خیانت کرنے والے پر، لٹیرا پن سے مال لینے والے پر اور جھپٹا مار کے مال لینے والے پر قطع نہیں ہے۔"

نیز رسول اکرم ﷺ کا فرمان ہے:

"لَا قَطْعَ فِيْ ثَمَرٍ مُّعَلَّقٍ وَّلَا فِيْ حَرِيْسَةِ جَبَلٍ" (مشکوٰۃ ص۳۱۳)

"لٹکتے پھل کی چوری پر اور پہاڑ کی محفوظ چیز کی چوری پر ہاتھ کاٹنا نہیں ہے"

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ مطلقاً کسی کا مال ناجائز طریقے سے حاصل کرنے والا سارق نہیں ہے کہ اس پر حدِ سرقہ لگا کر اس کا ہاتھ کاٹ دیا جائے۔ اگرچہ ان صورتوں میں گناہ گار ہوگا اور اس کے لیے کوئی دوسری سزا معین کی جاسکتی ہے۔

لہٰذا احادیث وآثار کی روشنی میں ہمیں سرقہ کی ایسی تعریف کرنا پڑے گی جو جامع مانع ہو اور اس لحاظ سے جو سارق ہو اس پر حد شرعی لگائی جائے۔ تو سرقہ یہ ہے کہ کوئی عاقل بالغ آدمی دس درہم یا ان کی قیمت کو پہنچنے والی چیز کو ایسے محفوظ مقام سے چوری کرے جس میں شبہ نہ ہو۔

اب دیکھیے کفن چور کفن کی چوری کرتا ہے لیکن وہاں ملک میں شبہ ہے اس لیے کہ وہ نہ میت کا ملک حقیقی ہے اور نہ ورثاء کا اور شبہ کی بنا پر حدود اٹھ جاتی ہیں۔ نیز اہل مدینہ نباش (کفن چور) کو سارق نہیں کہتے تھے۔ بلکہ ان کی لغت میں کفن چور کو مختفی کہا جاتا تھا اور مختفی کے بارے میں سید عالم ﷺ کا فرمان ہے:

"لَا قَطْعَ عَلَى الْمُخْتَفِيْ" (نصب الرایہ ۳/۳۶۷، دار نشر الکتب الاسلامیہ)

"کہ کفن چور پر قطع نہیں ہے۔"

لہٰذا مذہب حنفی قرآن وحدیث کے عین مطابق ہے۔ یہی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا:

"لَيْسَ عَلَى النَّبَّاشِ قَطْعٌ" (فتح القدیر ۵/۱۳۷، مکتبہ حقانیہ پاکستان)

"کفن چور پر قطع ید نہیں ہے۔"

اور کفن چور کا ہاتھ کاٹنے کے بارے میں جو حدیث بیان کی جاتی ہے وہ حدیث منکر ہے۔ بیہقی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اس کی سند میں بشر بن حازم ہے جو کہ مجہول ہے۔

مجموعہ رسائل

حضرۃ مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ

مکتوب گرامی در تقلید شخصی

سبیل الرشاد

ہدایۃ المعتدی فی قراءۃ المقتدی

اوثق العریٰ فی تحقیق الجمعۃ فی القریٰ

القطوف الدانیہ فی تحقیق الجماعت الثانیہ

ردّ الطغیان فی اوقاف القرآن

الرأی النجیح فی عدد رکعاتِ تراویح

الحق الصریح فی اثبات التراویح

ایک اہم فتویٰ

ملنے کا پتہ
مکتبہ فاروقیہ
۸ گوبند گڑھ
گوجرانوالہ

درمختار پراعتراضات

کا

محققانہ جواب

فقہ حنفی کی معروف کتاب

’’درمختار پر اعتراضات‘‘

کا محققانہ جواب

مکرمی جناب رانا عبدالرؤف صاحب ایڈووکیٹ!

اللہ تعالیٰ ہم سب کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آپ کے پیش کردہ سوالات کے بارے میں عرض ہے کہ بعض اوقات اپنی فہم کے ناقص ہونے کی وجہ سے اعتراض پیدا ہوا ہے۔ اس میں کتاب یا صاحب کتاب کا قصور نہیں ہوتا جب تک کسی فن میں مہارت نہ ہو۔ اس وقت تک اس فن کی غلطی نکالنا اپنی کوتاہ فہمی پر شہادت دینا ہے، پھر جو کسی فن سے دشمنی رکھنے والا ہو اس کی نکالی ہوئی غلطی ذہنی بغض کی عکاس ہوتی ہے۔ عربی میں ایک شاعر کہتا ہے۔

عین الرضا عن کل عیب کلیلة

ولکن عین السخط تبدی المساویا

’’یعنی رضامندی کی نظر ہر عیب کے ادراک سے کمزور ہوتی ہے لیکن ناراضگی کی نظر تمام برائیوں کو ظاہر کر دیتی ہے۔‘‘

لیکن یہاں معاملہ اس سے بھی بڑھ کر ہے کہ فقہ دشمنی کی وجہ سے نظر خوبیوں کو بھی عیب بنا رہی ہے۔ سوامی دیانند نے قرآن پاک پر ۱۵۹/ اعتراضات کیے تھے۔ مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری فرماتے ہیں:...... ’’اس بات کا اظہار کچھ ضروری نہیں کہ سوامی جی کے سوالات عموماً غلط فہمی پر مبنی ہیں اس لیے کہ حق کو قبول کرنے سے ہمیشہ غلط فہمی ہی مانع ہوا کرتی ہے۔‘‘ (حق پرکاش ص۲) نیز فرماتے ہیں:...... ’’ہم نے اس جواب میں کسی سماجی مصنف کو مخاطب نہیں کیا۔ کیونکہ ہم جانتے ہیں کہ جس قدر اسلام سے دوری ہوئی ہے وہ صرف سوامی

دیانند کی غلط فہمی سے ہوئی۔‘‘ (حق پرکاش صفحہ۳) تو جس طرح قرآن دشمنی اور غلط فہمی نے قرآن پر اعتراضات کی راہ کھول دی ہے اگر فقہ دشمن فقہ پر اعتراضات کر دے تو کوئی عجیب بات نہیں۔

اعتراض نمبر ۱:

لا عند وطی بهيمة یعنی جانور کے ساتھ بدفعلی کرنے سے نہ تو غسل لازم آتا ہے اور نہ وضو ٹوٹتا ہے جب تک انزال نہ ہو۔ (تحفۂ حنفیہ ج ۱ ص ۴۲۵) اس مسئلہ کے ثبوت کے لیے داؤد ارشد صاحب نے درمختار ج ۱ صفحہ ۱۶۶، بحر الرائق ج ۱ صفحہ ۵۹، مظاہر حق ج ۱ صفحہ ۱۵۰ اور حلبی کبیر صفحہ ۴۲ کا حوالہ دے کر اس کا حنفیہ کے ہاں متفق علیہ اور مفتیٰ بہ ہونا ظاہر کیا ہے۔ (تحفہ حنفیہ ص ۴۲۶) اور پھر اس کو حیاسوز کہا ہے۔ (تحفہ حنفیہ ص ۴۲۵) نیز لکھا ہے کہ کیا خوب ہے کہ چارپائے سے بدفعلی کی کس مہذب انداز میں رخصت دی جا رہی ہے۔

(تحفہ حنفیہ ص ۴۲۶)

نوٹ:

داؤد ارشد صاحب نے یہ اور اس کے بعد والے مسئلے ذکر کر کے صرف فقہ حنفی سے اظہار بغض نہیں کیا بلکہ مولانا محمد اسماعیل صاحب محمدی حفظہ اللہ کے اس دعویٰ کو سچا کر دیا ہے کہ نام نہاد اہل حدیث مدینہ میں لکھی جانے والی کتاب بلکہ باشارہ نبوی لکھی جانے والی تصنیف پر اعتراض کر کے مدینہ بلکہ صاحب مدینہ ﷺ کی عظمت و شرف کے منکر ہوئے ہیں، کیونکہ ان مسائل کے آخر میں فرماتے ہیں: ’’ثابت ہوا کہ یہ مدینہ میں بیٹھ کر کوک شاستری لکھی گئی جس سے اسلام کی خدمت نہیں کی گئی بلکہ اسلامی تعلیم کو مسخ کرنے کی سعی لاحاصل کی گئی ہے۔‘‘ (تحفہ حنفیہ ج ۱ ص ۴۲۷) باقی داؤد ارشد نے جو چند مسائل میں اہل مدینہ سے حنفیوں کا اختلاف نقل کیا ہے وہ بے سود ہے کیونکہ کوئی حنفی فقہ مالکیہ کو کوک شاستر یا اسلامی تعلیم کو مسخ کرنے والا نہیں کہتا بلکہ ہمارے ہاں تو ان کو ایک یقینی اور دوسرے اجر کا احتمال ہے تو ہمارا ان سے

اجتہادی اختلاف ہے۔ غیر مقلدین کا عنادی اختلاف ہے کیونکہ وہ اجتہاد کو کارِ ابلیس اور تقلید کو شرک کہتے ہیں۔

وضاحتِ مسئلہ:

مذکورہ بالا مسئلہ کو غیر مقلدین کا حیا سوز کہنا یہ ایک بے محل بات ہے کیونکہ نہ ہی صاحبِ درمختار نے اس کے حیادار ہونے کا دعویٰ کیا ہے نہ کسی اور حنفی نے بلکہ صاحبِ درمختار نے تو اس کو گناہ کبیرہ قرار دے کر اس کا ارتکاب کرنے والے پر تعزیر کی سزا مقرر کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: "**بل یعزر و تذبح ثم تحرق ویکرہ الانتفاع بھا حیا و میتا مجتبیٰ وفی النہر الظاہر انہ یطالب ندبا لقولھم تضمن بالقیمة**" (در مختار ج۴ ص۲۶) یعنی جانور سے بدکاری کرنے والے پر تعزیر لگائی جائے گی۔ (نیز یہ بھی فرماتے ہیں) کہ تعزیر کبھی قتل کے ساتھ بھی ہوتی ہے۔ (ج۴ ص۶۲) اور اس جانور کے ساتھ زندگی اور موت کی حالت میں نفع حاصل کرنا مکروہ ہے۔ اور شامی نے لکھا ہے کہ اگر غیر کے جانور سے یہ فعل کرے تو مستحب ہے کہ مالک کو اس جانور کی قیمت ادا کرے، پھر اس جانور کو ذبح کر کے جلا دے۔ معلوم ہوا کہ فقہ حنفی تو آدمی اور جانور کیا اس فعل کے ذکر کو بھی برداشت نہیں کرتی۔

نوٹ:

داؤد صاحب نے بحر الرائق کا بھی اس مسئلہ میں حوالہ دیا ہے، حالانکہ بحر الرائق میں لکھا ہے کہ طبیعت سلیمہ اس فعل سے نفرت کرتی ہے اور اس برائی پر ابھارنے والی انتہائی بداخلاقی یا مغلوب الشہوت ہونا ہے اور اس کے بعد لکھا ہے کہ اس فعل کے ارتکاب کرنے والے کو تعزیر اسی دلیل سے لگائی جائے گی۔ جس کو ہم نے (مسئلہ لواطت میں) بیان کر دیا ہے اور جو یہ بات ذکر کی جاتی ہے کہ جانور ذبح کر کے جلا دیا جائے یہ اس فعل کے تذکرہ کو ختم کرنے کے لیے ہے اور یہ واجب نہیں۔ فقہاء نے کہا ہے کہ اگر ماکول اللحم جانور نہ ہو تو اس کو ذبح کر

کے جلا دیا جائے اور اگر ماکول اللحم ہو تو اس کو ذبح کر دیا جائے۔ اور امام صاحب کے نزدیک اس کا کھانا جائز ہے اور صاحبین کے نزدیک اس کو بھی جلا دیا جائے۔ یہ حکم اس وقت ہے جب جانور بدفعلی کرنے والے کا ہو اور اگر اس کے غیر کا ہو تو قاضی خان میں ہے کہ اس کے مالک کو اختیار ہے کہ یہ جانور اس برائی کرنے والے کو قیمتاً دے دے اور تبیین الحقائق میں ہے کہ اس کے مالک سے مطالبہ کیا جائے گا کہ یہ جانور قیمت لے کر اس شخص کو دے دے، پھر اس کو ذبح کر دیا جائے۔ فقہاء نے اسی طرح ذکر کیا ہے اور ایسا حکم سماع سے ہی تعلق رکھتا ہے اس لیے اس کو سماع پر محمول کیا جائے گا۔ (بحر الرائق ج۵ ص۱۸) اگر داؤد صاحب فقہ کی پوری عبارت نقل کر دیتے ہیں تو نہ ان کو یہ کہنے کی گنجائش رہتی کہ فقہ میں حیا سوز مسائل ہیں اور نہ یہ کہنے کی گنجائش تھی کہ فقہ میں چوپائے سے بدفعلی کی اجازت دی جا رہی ہے۔

مسئلہ نقض وضوو غسل:

باقی وضو یا غسل کے ٹوٹنے کا بے حیائی سے تو تعلق نہیں۔ دیکھیے پیشاب، پاخانہ، نیند وغیرہ نواقض وضو بے حیائی کے کام نہیں لیکن ان سے وضو ٹوٹ جائے گا اور اگر کوئی شخص وضو کر کے ماں باپ کی نافرمانی کرے یا لوگوں کو فحش گالیاں نکالے، مجمع میں ننگا ہو کر ناچنا شروع کر دے، اپنے اساتذہ اور اولیاء اللہ کی توہین کرے تو یہ سب بے حیائی اور برائی کے کام ہیں لیکن ان سے وضو نہیں ٹوٹے گا۔ غیر مقلدین میں سے کسی نے ان کو ناقض نہیں لکھا اور نہ قرآن وسنت سے ان کا ناقض ہونا ثابت کر سکتے ہیں تو اس کا مفہوم یہی ہوگا کہ غیر مقلدین نے ان برائیوں کا دروازہ کھول رکھا ہے یا ان کے مسائل حیا سوز ہیں۔ اسی طرح وجوب غسل کا تعلق غسل کو توڑنے والی چیزوں کے ساتھ ہے۔ حیا و عدم حیاء کے ساتھ اس کا تعلق نہیں۔ مثلاً بیوی سے ہم بستری، حیض، نفاس یہ کوئی گناہ اور بے حیائی کی چیزیں نہیں ہیں اور نہ ان سے غسل واجب ہوتا ہے مگر کسی کو ناحق قتل کرنا، چوری کرنا، ڈاکہ ڈالنا، شراب پینا، سود

دینا اور رشوت لینا یقیناً گناہ کبیرہ ہیں، مگر ان سے غسل واجب ہونا، کسی کا قول نہیں تو کوئی آدمی یہ شور مچائے کہ دیکھو ان گناہوں کا یہ دروازہ کھولنا ہے، یہ غلط بات ہے۔

مسلکِ غیر مقلدین:

غیر مقلدین کا یہ عام نعرہ ہوتا ہے کہ اہل حدیث کے دو اصول اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول۔

ابو یحییٰ خان نوشہروی بھی فرماتے ہیں۔

اصل دیں آمد کلام اللہ معظم داشتن
پس حدیث مصطفیٰ برجاں مسلم داشتن

"یعنی اصل دین کلام اللہ کو معظم رکھنا، پھر حدیث مصطفیٰ ﷺ کو جان پر مسلم رکھنا ہے۔" (نقوش ابو الوفا ص ٣٤)

نیز مولوی صادق صاحب سیالکوٹی فرماتے ہیں: "مسئلہ اور فتویٰ صرف وہی قابلِ عمل ہے جو قرآن وحدیث کے ساتھ مدلل ہو۔" (صلاۃ الرسول ص ٤٦) بلکہ خود داؤد ارشد صاحب فرماتے ہیں: "یہ بات یاد رکھیے کہ ہمارے نزدیک احکام شرعیہ میں قرآن وحدیث ہی کافی ہے۔" (تحفہ حنفیہ ص ١٦٨) اپنے اس مسلمہ اصول کے مطابق کوئی غیر مقلد قرآنِ پاک یا حدیث مرفوع سے یہ ثابت کر دے کہ "وطی بہیمہ بلا انزال" سے وضو یا غسل واجب ہو جاتا ہے اور اس کے معارض بھی کوئی حدیث نہ ہو تو ہم مان جائیں گے کہ یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے مگر ایسی کوئی روایت غیر مقلدین پیش نہیں کر سکتے جس میں جانور کی صراحت ہو۔ ایک غیر مقلد کہنے لگا کہ بخاری اور مسلم کے حوالہ سے محمد جونا گڑھی نے لکھا ہے کہ حدیث میں وان لم ینزل آیا ہے۔ میں نے کہا کہ بخاری کی طرف اس روایت کی نسبت غلط ہے۔ مسلم میں یہ روایت موجود ہے مگر اس میں اور بخاری میں غسل واجب ہونے کی روایات بھی ہیں اور امام بخاری کا مسلک بھی عدم وجوب غسل ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں "والغسل

احوط" یعنی غسل احتیاطی چیز ہے نہ کہ وجوبی۔ (بخاری ص ٤٣) علامہ وحید الزماں فرماتے ہیں یہاں ایک اور مذہب ہے جس کی طرف صحابہ کرام کا ایک گروہ گیا ہے اور اس کو ہمارے بعض اصحاب نے پسند کیا ہے جیسے امام بخاری وہ یہ ہے کہ غسل صرف دخول سے واجب نہیں ہوتا جب کہ انزال نہ ہو۔ "انما الماء من الماء" کی حدیث پر عمل کرتے ہوئے۔ (نزل الابرار ج ٢ ص ٢٣)

نوٹ:

وان لم ینزل والی روایت عورت سے ہم بستری کے متعلق ہے جانور کا وہاں کوئی ذکر نہیں، جانور کو عورت پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اور قیاس تو بہر حال غیر مقلدین کے ہاں کارِ ابلیس ہے اس لیے اس قیاس سے شیطان کا تمغہ ملنے کے سوا کچھ حاصل نہ ہوا۔ وحید الزماں غیر مقلد لکھتا ہے۔ اور اسی طرح (غسل واجب نہیں ہوتا) جب کہ جانور کی فرج میں یا آدمی یا جانور کی دبر میں ادخال کرے۔ (نزل الابرار من فقہ النبی المختار، ج ١ ص ٢٣)

فائدہ:

داؤد ارشد نے بحر الرائق کی اس عبارت میں تسلیم کر لیا ہے کہ حنفی مسئلہ کی بنیاد حدیث ہے۔ چنانچہ داؤد ارشد نقل کرتے ہیں: "فقال علماء نا ان الموجب للغسل هو انزال المنى كما افاده الحديث الاول" یعنی ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ غسل اس وقت فرض ہوتا ہے جب منی خارج ہو (بدوں انزال غسل واجب نہیں ہوتا) جیسا کہ پہلی حدیث کا مفاد ہے۔ (البحر الرائق ج ١ ص ٥٩، تحفہ حنفیہ ص ٤٢٥) جب یہ مسئلہ حدیث سے ثابت ہے تو مذکورہ بالا سارا اعتراض حدیث پر ہوگا جو منکرین حدیث کا شیوہ ہے نہ کہ اہلِ حدیث کا۔

اعتراض نمبر ٢:

مدینہ سے اظہار نفرت کے لیے دوسرا مسئلہ داؤد ارشد نے در مختار سے یہ نقل کیا ہے "وافاد

"کلامه طهارة جلد کلب وفیل وهو المعتمد" یعنی صاحب تنویر کے کلام کا مفاد یہ ہے کہ ہاتھی اور کتے کی کھال پاک ہے، اس کی شرح میں ابن عابدین فرماتے ہیں کہ اس وجہ سے کہ کتا نجس العین نہیں، تصحیح کے لحاظ سے یہی اصح ہے۔ (رد المحتار ج۱ ص ۲۰۴)
اس پر تبصرہ کرتے ہوئے داؤد ارشد لکھتے ہیں مطلع صاف ہے کہ اگر جھنگوی صاحب کتے کی کھال کی جیکٹ بنوائیں یا ٹوپی خواہ ڈول یا جائے نماز یا دسترخوان یا اپنی کتب پر جلدیں بندھوائیں، سب جائز ہے بلکہ اگر اس کھال کا مصلّی بھی بنالیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے۔

(تحفہ حنفیہ ص ۴۲۶)

جواب:

اس حوالہ سے صرف مدینہ کی تصنیف سے اظہارِ بغض کیا ہے اور اس کے خلاف کوئی حدیث ذکر نہیں کی جب کہ شامی نے اسی حاشیہ میں بیہقی کے حوالے سے ہاتھی کے بارے میں یہ حدیث ذکر کی تھی کہ "انه ﷺ كان يمتشط بمشط من عاج" کہ نبی اقدس ﷺ ہاتھی کے دانت سے بنی ہوئی کنگھی سے بالوں میں کنگھی کرتے تھے اور علامہ جوہری وغیرہ نے عاج کی تفسیر ہاتھی کی ہڈی کے ساتھ کی ہے۔ مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے: "**قال سمعت رسول الله ﷺ یقول اذا دبغ الاهاب فقد طهر**" (مسلم ص ۱۵۹)

فائدہ:

اس روایت میں مطلق چمڑے کے دباغت سے پاک ہونے کا ذکر ہے۔ امام صاحب نے خنزیر کے چمڑے کو فَاِنَّهٗ رِجْسٌ کی وجہ سے نجس العین ہونے کی بنا پر اور انسان کے چمڑے کو احترام کی وجہ سے مستثنیٰ کیا۔ امام نووی اس مسئلہ کو اجتہادی قرار دے کر سات مذاہب نقل کر کے فرماتے ہیں کہ ان مذہب والوں سے ہر گروہ نے احادیث وغیرہ سے استدلال کیا ہے۔ معلوم ہوا امام نووی متوفی ۶۷۶ کے زمانہ تک اس مسئلہ کو حدیث کے

مخالف نہیں کہا جاتا تھا بلکہ مبنی بر حدیث قرار دیا جاتا تھا۔ آج کل غیر مقلدین نے اس پر اعتراضات شروع کیے ہیں جب کہ پرانے غیر مقلدین نے بھی اس کو نبی اقدس ﷺ کی فقہ قرار دیا تھا۔ علامہ وحید الزماں غیر مقلد فرماتے ہیں جس چمڑے کو بھی دباغت دی جائے وہ پاک ہو جاتا ہے۔ ہمارے بعض اصحاب نے خنزیر اور آدمی کے چمڑے کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اور صحیح عدم استثناء ہے۔ (نزل الابرار ص ۲۹) نیز فرماتے ہیں کہ مچھلی کا خون پاک ہے، اسی طرح کتا اور اس کا لعاب ہمارے محققین اصحاب کے نزدیک۔ (نزل الابرار ص ۳۰) نیز فرماتے ہیں کہ اس چمڑے کا جائے نماز اور ڈول بنالیا جائے گا اور اگر وہ پانی میں گر گیا اور پانی میں تغیر پیدا نہ ہو تو پانی ناپاک نہیں اگرچہ کتے کا منہ پانی کو پہنچ جائے۔ اسی طرح کپڑا کتے کے چھینٹوں سے ناپاک نہیں ہوگا اور نہ ہی اس کے کاٹنے سے ناپاک ہوگا اور نہ ہی جوڑ ناپاک ہوگا۔ اگرچہ اس کو اس کا لعاب بھی لگ جائے اور اس کو اٹھا کر نماز پڑھنے والے کی نماز فاسد نہ ہوگی۔ (نزل الابرار ج۱ ص ۳۰)

نوٹ:

جب یہ نبی اکرم ﷺ کی فقہ ہے تو مولانا جھنگوی پر کسے ہوئے تمام الفاظ حضور ﷺ تک پہنچیں گے۔

فائدہ:

بعض غیر مقلدین ابوداؤد شریف کی اس روایت سے استدلال کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے درندوں کی چمڑی کو پہننے اور ان پر سوار ہونے سے روکا ہے۔

(ابوداؤد ج۲ ص ۵۷۰)

جواب:

یہ حدیث اپنے ظاہر کے اعتبار سے بالاتفاق متروک ہے کیونکہ صحاح ستہ کے راوی امام زہری تمام مرداروں کی چمڑیوں سے بغیر دباغت کے بھی نفع حاصل کرنے کو جائز قرار دیتے ہیں۔ امام ابوحنیفہ دباغت کے بعد خنزیر کے علاوہ باقی تمام درندوں کی چمڑیوں کو پاک قرار

دیتے ہیں۔ امام مالک اپنی ظاہر روایت میں بغیر دباغت کے خشک اور تر مقامات میں تمام چمڑیوں کے استعمال کو جائز قرار دیتے ہیں اور امام شافعی کتے، خنزیر اور ان سے پیدا ہونے والے جانوروں کے علاوہ تمام درندوں کی چمڑیوں کو دباغت کے بعد پاک قرار دیتے ہیں۔ (رحمة للامة ص۸) نیز ابوداؤد کی اسی روایت میں ہے کہ راوی نے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ یہ ساری چمڑیاں آپ کے گھر میں استعمال ہوتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ یہ روایت یا عدم دباغت پر محمول ہے یا متکبرانہ لباس پر محمول ہے۔

اعتراض نمبر ۳:

ثم الاحسن زوجة یعنی امامت کی ابتدائی شرائط میں اگر برابری ہو تو اسے امام بنایا جائے جس کی بیوی خوبصورت ہو۔ ثم الاکبر راسا والاصغر عضوا یعنی اگر ان تمام شرائط میں برابر ہوں تو امام وہ بنے جس کا سر بڑا اور عضو چھوٹا ہو۔ پھر عضو کی وضاحت کرتے ہوئے شارح فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ذکر ہے۔ (در المختار مع رد المحتار ج۱ ص۵۵۸) اس پر تبصرہ کرتے ہوئے داؤد ارشد لکھتے ہیں الغرض بقول مصنف درالمختار حنفیہ کا یہ موقف ہے کہ امامت میں مقدم وہ ہوگا جس کی بیوی خوبصورت، سر بڑا اور ذکر چھوٹا ہو، اگر پیمائش کے پیمانہ کی تعدیل بھی بتا دیتے تو مسئلہ پوری طرح واضح ہو جاتا۔ (تحفہ حنفیہ ص۴۲۶، ۴۲۷)

جواب:

صاحب درمختار نے امامت کا حق دار سب سے پہلے احکام نماز کو زیادہ جاننے والے کو اور اگر احکام صلاۃ کے علم میں سب برابر ہوں تو پھر نمبر دو اچھی تلاوت والے کو، پھر نمبر تین شبہات سے زیادہ بچنے والے کو اگر اس میں بھی برابر ہوں تو پھر معمر کو، پھر اچھے اخلاق والے کو، پھر زیادہ تہجد پڑھنے والے کو، پھر خاندانی خوبیوں والے کو، پھر نسبی شرافت رکھنے والے کو، پھر اچھی آواز والے کو، اگر ان تمام خصلتوں میں برابر ہوں تو پھر خوبصورت بیوی کی وجہ سے یہ شخص اجنبی عورتوں سے تعلق نہیں رکھے گا اور زیادہ پاک دامن ہوگا اور علامہ شامی نے

یہ بھی لکھا ہے کہ یہ بات ساتھیوں یا رشتہ داروں یا پڑوسیوں کے ذریعے معلوم ہو سکتی ہے۔ اس سے مراد یہ ہرگز نہیں کہ ہر آدمی اپنی بیوی کی صفات بیان کرے تاکہ اس کی بیوی کا خوبصورت ہونا معلوم ہو۔ غیر مقلدوں کو اگر اس پر اعتراض ہے تو اپنی خوبصورت بیویوں کو طلاق دے دیں اور یہ بات نزل الابرار میں وحید الزماں نے ثم الاحسن زوجة کے الفاظ سے صفحہ ۹۶ میں ذکر کی ہے۔ تو ہم یہ اعتراض عطائے تو بلقائے تو کہہ کر غیر مقلدین کو واپس کرتے ہیں اس کے بعد زیادہ مال دار، پھر زیادہ مرتبہ والے، پھر زیادہ صاف کپڑے والے کو امامت کا زیادہ حق دار قرار دیا ہے۔ اگر ان تمام صفات میں برابر ہوں تو پھر نزل الابرار کے قول کے مطابق بڑے سر اور چھوٹے قدموں والا زیادہ حق دار ہے جس کی بنا اس مشہور پنجابی مثل پر ہے۔ ''سر وڈے سرداراں دے، پیر وڈے گنواراں دے'' یعنی سر کا بڑا ہونا سرداری کی علامت اور پاؤں کا بڑا ہونا گنوارپن کی علامت ہے۔ لیکن درمختار میں قدما کی جگہ الاصغر عضوا کے لفظ ہیں۔ عضو کا معنی جوڑ ہے۔ علامہ شامی فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ انسان کے اعضاء متناسب ہوں، اس کے لیے سر کا بڑا ہونا اور دوسرے اعضاء کا چھوٹا ہونا یا اس کے ترکیب مزاج کے خلل کی دلیل ہے جس کو عدم اعتدال عقل لازم ہے۔ تو خلاصہ یہ نکلا کہ امام متعدل عقل والا ہونا چاہیے۔ غیر مقلدین کو اگر یہ چیز اچھی نہیں لگتی تو ان کو پاگل امام مبارک ہوں۔ داؤد ارشد نے درمختار کی شرح کے جس صفحہ کا حوالہ دے کر یہ لکھا ہے کہ شارح فرماتے ہیں کہ مراد اس سے ذکر ہے یہ علامہ شامی پر جھوٹ ہے۔ علامہ شامی نے حاشیہ ابوسعود سے اس کی تردید نقل کی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں کہ حاشیہ ابوسعود میں ہے کہ بعض لوگوں سے اس مقام میں وہ بات نقل کی گئی ہے جو ذکر کے لائق نہیں چہ جائے کہ اس کو کتاب میں لکھا جائے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ گویا ابوسعود اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں جو بیان کی جاتی ہے کہ عضو سے مراد ذکر ہے۔ (شامی ص۵۵۸) تو شارح درمختار تو اس بات کی تردید کر رہے ہیں لیکن غیر مقلد نے اس تردید کی ہوئی بات کو شارح شامی کی طرف بحوالہ صفحہ منسوب کر دیا۔

نوٹ:

انسان کے اندر تین سو ساٹھ جوڑ ہیں۔ معلوم نہیں داؤ دار شد تین سو انسٹھ جوڑ کو چھوڑ کر اسی ایک عضو سے کیسے چمٹ گئے۔

فائدہ:

اگر اس عضو سے عضو مخصوص ہی مراد لیا جائے تو اصغرہ عضوا کا مجازی معنی مراد ہوگا۔

مجازی معنی مراد ہوگا یعنی اجنبی عورتوں کے پیچھے پھرنے والا نہ ہو۔ اپنی شرم گاہ کو اپنے کنٹرول میں رکھنے والا، پھر جیسے لمبا ہاتھ سخاوت سے اور چھوٹا ہاتھ کنجوسی سے کنایہ ہوتا ہے۔

اب بھی اس کے مرادی معنی پاک دامن ہونے کا کیا جائے گا۔

اعتراض نمبر۴:

لو خاف الزنا یرجی ان لاوبال علیه یعنی اگر زنا کا اندیشہ ہو تو مشت زنی کرے تو کوئی وبال نہ ہوگا۔ ابن عابدین فرماتے ہیں کہ اگر زنا سے بچاؤ کا یقین ہو تو مشت زنی کرنی واجب ہے۔ (تحفہ حنفیہ ص ۴۲۷)

جواب:

یہاں دو حالتوں کا ذکر ہے۔ ایک حالت اختیاری، اس میں اس فعل کو مکروہ تحریمی لکھا ہے اور ناکح الید ملعون والی حدیث پیش کر کے اس فعل کے مرتکب کو لعنتی لکھا ہے۔ پھر درمختار میں لکھا ہے کہ ہر ایسے گناہ کا مرتکب جس میں حد نہ ہو تو اس میں تعزیر واجب ہے۔ (درمختار ج ۴ ص ۶۶) لہٰذا فقہ حنفی کے مطابق تو نوجوان تعزیر کے خوف سے اس فعل سے احتراز کریں گے۔ اور حالتِ اضطراری پر غیر مقلد نے اعتراض کیا ہے اور اس میں بھی شامی کا یہ قول کرنا کہ فالرجاء ان لا یعاقب کہ اس حالت میں بھی عذاب سے بچنے کی امید ہے۔ دلالت کرتا ہے کہ یہ فعل ہر حالت میں ناپسندیدہ ہے، بلکہ شامی نے تو اپنی بیوی سے استمناء

کرانے کو بھی والذین هم لفروجهم حافظون کے خلاف قرار دیا ہے کیونکہ اس آیت کریمہ میں بیوی اور لونڈی کے علاوہ قضائے شہوت کو حرام قرار دیا ہے۔ صاحب درمختار نے یہ بھی نقل کیا ہے کہ الاستمناء حرام فیه تعزیر ولو مکن امراته او امته من العبس بذکره فانزل کره یعنی مشت زنی حرام ہے اور اس میں تعزیر ہے اور اگر کسی نے یہ فعل بیوی یا لونڈی سے کرا کے انزال کیا تو وہ بھی مکروہ ہے۔ (درمختار ج ۴ ص ۲۷)

مسلک غیر مقلدین:

غیر مقلد نے اپنی حالت اختیاری مسئلہ پر پردہ ڈالنے کے لیے ہماری حالت اضطراری کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ نواب نور الحسن لکھتے ہیں کہ خلاصہ کلام یہ کہ ہتھیلی یا جمادات میں سے کسی چیز کے ساتھ منی نکالنا ضرورت کے وقت مباح ہے، خاص کر جب یہ کام کرنے والا فتنہ یا معصیت میں واقع ہونے کا خوف کرنے والا ہو کہ جس کی اقل حالت نظر بازی ہے کہ اس وقت مستحب ہے بلکہ کبھی واجب ہو جاتی ہے جب کہ گناہ کا چھوڑنا بغیر اس حالت کے ممکن نہ ہو اور مشت زنی کے معن کے بارے میں جو احادیث وارد ہوئی ہیں وہ ثابت اور صحیح نہیں بلکہ بعض اہل علم نے اس مشت زنی کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اپنی گھر والیوں سے غائب ہونے کے وقت نقل کیا ہے اور اس جیسے کام میں کوئی حرج نہیں بلکہ بدن کے دوسرے موذی فضلات (پیشاب و پاخانہ از ناقل) کے نکالنے کی طرح ہے اور اس کا حرام جگہ میں رکھنا ہے۔ (عرف الجادی ص ۲۰۷) نیز لکھتے ہیں اس کام کا برا ہونا ان وداعیوں سے زیادہ برا نہیں ہے کہ ان کے ساتھ قے وغیرہ کا اثر ہوتا ہے۔ تو مشت زنی کرنے والے پر تعزیر یا حد کا حکم لگانا مسلمان کے معصوم ہونے کے ساتھ اور اس کی تکلیف کے حرام ہونے کے ساتھ بلا دلیل ہے۔ (عرف الجادی ص ۲۰۷، ۲۰۸)

نوٹ:

اس کتاب کا پورا نام (عرف الجادی من جنان ہدی الہادی) ہے یعنی ہادی کامل ﷺ کی

ہدایت کے باغ کے زعفران کی خوشبو۔

تبصرہ:

داؤد ارشد نے ہماری اضطراری حالت پر اعتراض کیا تھا۔ نور الحسن نے عام حالات میں نوجوانوں کو ہتھیلی سے اور عورتوں کو جمادات وغیرہ سے صرف اباحت نہیں بلکہ استحباب اور وجوب تک نوبت پہنچا دی۔ نظر بازی کوئی حالت اضطراری نہیں، اس میں اس فعل کو واجب قرار دینا بلکہ عمل صحابہ کہہ کر نوجوان بچوں اور بچیوں کو مزید اطمینان دلانا اور یہ کہنا کہ یہ پیشاب وپاخانے کے موذی فضلات کے نکالنے کی طرح ہے اس میں کوئی حرج نہیں اور قے جیسی دوا کے استعمال سے یہ فعل برا نہیں پھر فقہاء کے تعزیری حکم کو عصمت مسلم کے خلاف اور ایذاء مسلم کی حرمت میں داخل کر کے نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو کس قدر اس فعل کی رغبت دلائی ہے۔

تم خود ہی اپنی اداؤں پر ذرا غور کرو
ہم عرض کریں گے تو شکایت ہوگی

اعتراض نمبر ۵:

او جامع فی ما دون الفرج ولم ینزل یعنی اگر روزے کی حالت میں شرم گاہ کے علاوہ مجامعت کرے اور انزال نہ ہو تو روزہ نہیں ٹوٹتا۔ (درمختار ج۲ ص ۳۹۸)

جواب:

غیر مقلد نے حسب عادت اس مسئلہ کے خلاف کوئی قرآن کی آیت یا حدیث پیش نہیں کی اور نہ ہی قیامت تک پیش کر سکتے ہیں۔ ہمارے ہاں اگر اجنبیہ سے ایسا فعل کیا تو علامہ شامی نے اس پر تعزیر نقل کی ہے۔ (شامی ج۴ ص ۶۸) اور درمختار میں ہے ویکون التعزیر بالقتل کہ تعزیر میں آدمی کو قتل کیا جاسکتا ہے۔

مسلک غیر مقلدین:

ولو جامع امراتہ فی ما دون الفرج ولم ینزل لم یفسد (نزل الابرار ج۱

ص ۲۲۹) غیر مقلدین کی اس مسئلہ میں صرف فراخ دلی نہیں بلکہ نبی اقدس ﷺ کی فقہ کے عنوان سے اس کو ذکر کرنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس مسئلہ کا منکر نبی مختار ﷺ کی فقہ کا منکر ہے۔

اعتراض نمبر ۶:

لو ادخل ذکرہ فی بھیمۃ او میتۃ یعنی اگر کوئی شخص چوپائے جانور (گائے، بھینس، بکری) کے ساتھ بدفعلی کرے تو روزہ نہیں بگڑتا۔ (درمختار ج۲ ص ۳۹۹) نیز اس مسئلہ کو (مظاہر حق ج۲) سے بھی نقل کیا ہے۔

جواب:

علامہ شامی نے اس مسئلہ کے حاشیہ میں لکھا ہے یہ ایسی فرج ہے جو عادتاً زندہ عورت کی طرح قابل شہوت نہیں اس لیے اس کو عام جامعت پر قیاس کرنا صحیح نہیں اور خاص جزئیہ کے بارے میں کوئی غیر مقلد صحیح صریح روایت پیش نہیں کر سکتا، جس میں اس حالت میں روزہ رکھنے کا ذکر ہو۔

فائدہ:

درمختار میں من غیر انزال کے الفاظ تھے۔ داؤد ارشد نے ان کو حذف کر دیا کیونکہ اس سے معلوم ہوتا تھا کہ انزال کی حالت میں بہر حال روزہ ٹوٹ جائے گا۔ غیر مقلدین مفسدات صوم صحیح صریح حدیث سے پوری تعداد میں کبھی بھی گنوا نہیں سکتے اگر جرأت ہو تو تمام مفسدات صلاۃ کے لیے صحیح صریح روایت پیش کرے۔

اعتراض نمبر ۷:

یباح اسقاط الولا قبل اربعۃ شھر یعنی چار مہینے سے پہلے حمل کو گرادینا مباح ہے۔
(درمختار بحوالہ تحفہ حنفیہ ص ۴۲۷)

جواب:

درمختار میں ہے کہ ویکرہ ان تسقی لاسقاط حملها وجاز لعذر حیث لایتصور (درمختار ج۶ ص۴۲۹) اس میں بچے کی صورت بننے کے بعد ہر حالت میں اسقاط کو ناجائز قرار دیا ہے اور صورت بننے سے پہلے دو حالتوں کا ذکر کیا ہے۔ ① حالت اختیاری ② حالت اضطراری۔ حالتِ اختیاری میں اسقاط کی دوائی پینے کو مکروہ قرار دیا ہے اور حالتِ اضطراری میں ایسی دوائی کو جائز لکھا ہے۔ علامہ شامی نے اس کی وضاحت لکھی ہے کہ عذر کی حالت مثلاً یہ ہے کہ کوئی عورت بچے کو دودھ پلاتی ہو اور حاملہ ہو جائے اور اس کا دودھ منقطع ہو جائے، بچے کا باپ کوئی دودھ پلانے والی کرایہ پر نہ رکھ سکتا ہو اور بچے کی ہلاکت کا خطرہ ہو تو اس صورت میں چار مہینے سے پہلے چونکہ روح نہیں پھونکی جاتی اسقاط کو جائز قرار دیا ہے اور بغیر عذر کے اس کو گناہ لکھا ہے۔ روح پھونکنے کے بعد اسقاط سے قتل کا گناہ ہوگا۔

(شامی ج۶ ص۴۲۹)

نوٹ:

غیر مقلد کسی صحیح صریح حدیث سے مذکورہ مسئلہ کی بالتفصیل تردید کر دیں تو ہم مان جائیں گے کہ یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے۔

مسلک غیر مقلدین:

علامہ وحید الزماں لکھتے ہیں: ویکرہ ان تسقی ید سقاط حملها وجاذ لعذر او خوف هلاك (نزل الابرار ج۳ ص۱۲۴) ہمارے ہاں تو چار ماہ کے بعد عذر کی وجہ سے بھی اسقاط کی اجازت نہیں تھی، مگر غیر مقلد نے مطلقاً عذر کی بنا پر جواز اسقاط کی رخصت دی ہے جو جان دار بچے کے اسقاط کو بھی اپنے عموم کی وجہ سے شامل ہے۔ اب غیر مقلد ہی فیصلہ کریں کہ کنڈوم سسٹم کو کن کی حمایت حاصل ہے۔

الجھا ہے پاؤں یار کا زلف دراز میں ‌ ‌ ‌ ‌ یوں آپ اپنے دام میں صیاد آ گیا

اعتراض نمبر ۸:

ومواضع تربصه عشرون یعنی بیس صورتوں میں مرد کو بھی (عورت کی طرح) عدت گزارنی پڑے گی۔ (درالمختار مع الشامی ج۳ ص۵۰۳) داؤد ارشد صاحب اس پر تبصرہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ پندرہویں صدی کے مقلدو ذرا بتلاؤ تو سہی کہ مرد کو بھی حیض آتا ہے جس سے اس کی عدت کا اندازہ ہوگا یا مرد کو حمل ہو جاتا ہے جو عدت کا کہہ رہے ہو۔

(تحفہ حنفیہ ص۴۲۸)

جواب:

درمختار میں عدت کے لغوی شرعی اور اصطلاحی تین معنی ذکر کیے ہیں۔ شرعی معنی متربص یلزم المرأة اور الرجل عند وجود سببه یعنی شرعاً عورت نکاح کے انتظار کے لیے کچھ مدت ٹھہرنا جو اپنے سبب کے پائے جانے کے وقت عورت یا مرد کو لازم ہو اس انتظار کے لیے نہ حیض کی ضرورت ہے نہ حمل کی، پھر علامہ شامی نے اس کی پوری تشریح کی ہے کہ ایک آدمی اپنی بیوی کے مطلقہ ہونے کے بعد بیوی کی بہن یا پھوپھی یا خالہ یا بھتیجی یا بھانجی سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو اس کو بیوی کی عدت گزرنے کا انتظار ضروری ہے جیسا کہ بیوی کو دوسری جگہ نکاح کے لیے عدت گزارنی ضروری ہے۔ اب اس انتظار کے لیے آدمی کو نہ حیض آنے کی ضرورت ہے کہ حمل کی عورت کی عدت سے اس کی عدت ختم ہو جائے گی۔ پھر آگے اصطلاح فقہاء میں عدت کی تعریف کو عورت کے ساتھ خاص قرار دیا ہے اس میں مرد شامل نہیں۔ داؤد ارشد نے یہاں شرعی اور اصطلاحی معنی میں گڑبڑ کر کے یہ اعتراض کیا ہے۔ اسی طرح مطلقہ ثلاثہ کا پہلا خاوند اگر اس سے نکاح دوبارہ کرنا چاہتا ہے تو جب تک دوسرے خاوند کے دخول کے بعد اس کی طلاق یا وفات کی عدت نہ گزارے اس وقت تک نکاح جائز نہیں تو یہ بھی انتظار خاوند اس کی عدت ہے جو غیر مقلدین کے ہاں بھی مسلم ہے تو کیا اس میں غیر مقلدین کو حیض یا حمل شروع ہو جاتا ہے؟

اعتراض نمبر۹:

اوزنی فی دار الحرب او البغی یعنی حربی کافروں یا باغیوں کی سلطنت میں زنا کرنے سے بھی حد نہیں۔ (درمختار ج۴ ص۲۸)

جواب:

مصنف ابن ابی شیبہ میں حکیم بن عمیر فرماتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عمیر بن سعد انصاری اور ان کے ماتحت کے عملے کے تحت لکھا کہ وہ کسی مسلمان پر دارالحرب میں حد نہ لگائیں، یہاں تک کہ وہ صلح والی زمین کی طرف آجائیں تاکہ شیطانی رحمت اس کو کافروں کے ساتھ ملنے پر نہ ابھار دے۔ (نصب الرایہ ج۲ ص۹۳)

عطیہ بن قیس کلابی سے روایت ہے کہ نبی اقدس ﷺ نے فرمایا جب کوئی آدمی قتل، زنا یا چوری کرکے دشمن کی طرف بھاگ جائے پھر اس کو پکڑ لیا جائے اس کی ذات کو امان دے کر اس کو وہ حد قائم کی جائے گی جس سے وہ بھاگا تھا اور جب قتل کیا دشمن کی زمین میں زنا کیا یا چوری کی پھر اس کو امان دے کر پکڑ لیا گیا، پھر اس نے امان لے لی، ااس پر وہ سزا جاری نہیں کی جائے گی جس کا اس دارالحرب میں ارتکاب کیا تھا۔ (اعلاء السنن ج۱۱ ص۲۶۶) نیز حضرت ابودرداء، حضرت زید بن ثابت، حضرت حذیفہ سے یہ مسلک ثابت ہے کہ یہ تمام زنا کی اجازت دینے والے تھے نہیں اور ہرگز نہیں بلکہ ان کے پیش نظر ایسے لوگوں کو کفر سے بچانا تھا۔ داؤد ارشد نے عبارت بھی پوری پیش نہیں کی کیونکہ درمختار میں یہ علت بھی بیان کی ہے کہ لشکر کے سپہ سالار کو حدود قائم کرنے کی ولایت نہیں اگر حدود قائم کرنے کا اختیار رکھنے والا قاضی ہی سپہ سالار ہو تو وہ حد قائم کرسکتا ہے۔

اعتراض نمبر۱۰:

ولاحد بالزنا غیر مکلف بمکلفة مطلقا یعنی اگر نابالغ غیر مکلف مرد اگر کسی

مکلف بالغہ عورت سے زنا کرے تو دونوں پر حد نہیں۔ (درمختار ج۴ ص۲۹) داؤد ارشد لکھتا ہے زنا کی اجازت کا کتنا عمدہ حیلہ ہے۔ (تحفہ حنفیہ ص۴۲۸)

جواب:

غیر مقلدین سے بارہا یہ مطالبہ کیا گیا ہے کہ زنا اور حد کی جامع مانع تعریف بیان کریں لیکن فقہاء کی فقہ کو چھوڑ کر صرف قرآن و سنت سے وہ جامع مانع تعریف نہ بیان کرسکیں ہیں نہ کر سکتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً منقول ہے کہ مسلمانوں سے جتنا ہو سکے حدود کو ساقط کرو اگر مسلمان کے لیے کوئی خلاصی کا راستہ پاؤ تو اس کا راستہ چھوڑ دو اس لیے کہ امام کا معافی میں خطا کرنا سزا میں خطا کرنے سے بہتر ہے۔ (ابن ابی شیبہ و ترمذی) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے مرفوعاً نقل کیا کہ حدود کو شبہات سے ساقط کردو۔ (اعلاء السنن ج۱۱ ص۵۲۱) صورت مذکورہ میں غیر مکلف بچے کے فعل کو زنا قرار نہیں دیا جائے گا۔ اس عدم زنا کے شبہ کی وجہ سے حد کو ساقط کیا گیا، البتہ مکلفہ پر تعزیر جاری ہوگی کیونکہ اسی درمختار میں کل مرتکب معصیة لاحد فیها فیها تعزیر (درمختار ج۴ ص۶۸)

فائدہ:

شریعت میں سزا کی دو قسمیں ہیں۔ حدود اور تعزیر، حد اس سزا کو کہتے ہیں جس کی مقدار متعین ہے اور وہ حقوق اللہ میں کوتاہی پر لوگوں کو ڈالنے کے لیے قائم کی جاتی ہے اور یہ صرف پانچ گناہوں پر ہے۔ حد زنا، حد خمر، حد قذف، حد سرقہ، حد قطع الطریق، حد ڈاکہ۔ ان کے علاوہ جتنے گناہ ہیں ان میں تعزیری سزا ہی قائم کی جاتی ہے۔ حد میں کوئی شخص اپنی طرف سے کمی زیادتی نہیں کرسکتا۔ جہاں سو کوڑے ہوں گے وہاں سو ہی لگانے پڑیں گے، ایک کوڑا کم یا زیادہ نہیں ہوگا۔ تعزیر کی سزا حسب ضرورت کم زیادہ ہوسکتی ہے۔ غیر مقلدین جہاں لاحد علیہ کا لفظ آجاتا ہے۔ اس سے اس فعل کی جائز ہونے کا معنی لیتے ہیں جو قرآن و سنت اور فقہاء کی تصریحات کے خلاف ہے۔ حدیث پاک میں ہے لاتقطع ید السارق

الابرع دینار فصاعدا (متفق علیہ، مشکوۃ، ج۲ص۳۱۳) اسی طرح نبی اکرم ﷺ نے فرمایالاقطع فی ثمر ولا کسر رواہ مالک (ترمذی، نسائی، دارمی، ابن ماجہ) اسی طرح حضور ﷺ نے فرمایالاتقطع الایدی فی الغزو تو کیا غیر مقلدین ان احادیث کا یہی مفہوم لیں گے کہ ربع دینار سے کم چوری جائز ہے، اسی طرح پھل، لکڑی کی چوری جائز ہے اور میدانِ جہاد میں بھی چوری جائز ہے یا نعوذ باللہ حدیث نے چوری کا دروازہ کھول دیا غیر مقلدین ہی بتائیں کہ مردار، خنزیر اور پاخانہ کھانے پر کیا حد ہے، اگر اس کی حد مذکور نہیں تو داؤد ارشد یہی کہے گا کہ حد کا مذکور نہ ہونا ان چیزوں کے کھانے کا عمدہ حیلہ ہے۔ اگر یہ بات نہیں قطعاً نہیں تو فقہ سے زنا کی اجازت کس طرح نکالی ہے۔

فائدہ:

مذکورہ بالا تمام مسائل اجتہادی ہیں، اگر واقع میں ان تمام مسائل کو خطا پر بھی محمول کر دیا جائے تو حضور ﷺ کے فرمان کے مطابق فقہاء کو ایک اجر ضرور ملے گا جیسا کہ بخاری شریف ج۲ص۱۰۹۲ پر ہے اور اگر اجتہاد صحیح ہوا تو مذکورہ حدیث کی وجہ سے دو اجر ملیں گے۔ البتہ اعتراض کرنے والے غیر مقلد اجتہاد کا ملکہ نہیں رکھتے، اس لیے وہ فاصاب فقد اخطاء (ترمذی ج۲ص۱۲۳) کے مطابق گناہ گار ہوں گے۔

الکلمۃ الفصیح فی رد الکلمۃ القبیح

[مولف]

احقر العباد خدا بخش

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حمد وسپاس اس خالقِ دوجہاں کو زیبا ہے جس نے اپنی قدرتِ کاملہ سے اس انسان بے بنیان کو ایک قطرہ منی سے پیدا کر کے اشرف المخلوقات کا خلعت پہنایا اور اس کو خزانہ عقل و علم شریعت کا چراغ دے کر راستہ ہدایت کا دکھلایا۔ یعنی کلام الٰہی قرآن شریف بھیج کر اس کو خوابِ غفلت سے جگایا۔ اور وقتاً فوقتاً انبیاء علیہم السلام کو ہدایتِ خلق اللہ کے واسطے بھیجا۔ اول ان سب کے حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور آخر ان سب کے ہمارے آنحضرت ﷺ خاتم النبیین ہیں۔ جنہوں نے دنیا میں آکر خلق اللہ کو کفر وشرک و بدعت و بت پرستی کے اندھیرے راستے میں گمراہ ہونے سے بچایا۔ و رہم کو آنحضرت ﷺ کی امت میں پیدا کر کے خیر الامم ٹھہرایا۔ اور رحمت بے نہایت ان کی آل اطہار و اصحاب کبار پر ہو جن کی سعی وکوشش سے کروڑہا بندگانِ خدا نے ظلمت کفر وشرک سے بچ کر سچا راستہ حیات ابدی ونجات سرمدی کا پایا۔ بعد اس کے بندہ درگاہ رب الصمد خاکسار خدا بخش متوطن لاہور کل اہل ایمان وایقان کی خدمت میں عرض رساں ہے کہ اخبار اہل حدیث مورخہ ۶/ اپریل ۱۹۰۶ء میری نظر سے گذرا مجھ کو دیکھ کر اس بات کا نہایت افسوس آیا کہ اس آزادی کے زمانہ میں ہر ایک شخص نام کا مولوی بن جاتا ہے اس کو نہ تو کتب فقہ سے کچھ مس ہوتی ہے اور نہ اس کو قرآن وحدیث کے علم سے کما حقہ واقفیت ہوتی ہے اور بزرگانِ دین خصوصاً حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے برخلاف بہتان باندھنے پر کمر باندھ لیتے ہیں۔ اور آخرت کے وعید سے نہیں ڈرتے جن کے حق میں صریح احادیث سراج امتی کی وارد ہیں۔ اور جن کی پرہیزگاری اور اتقاء کل عالم میں اظہر من الشمس ہے اور صدہا دینی کتابوں میں بڑے بڑے علماء اجل آپ کی ورع اور تقویٰ کی تعریف کرتے ہیں۔ اور اس کی سرخی میں یہ لکھا ہے کہ علماء حنفیہ کرام سے چند سوال (جو تعداد میں پچیس سوالات ہیں) جن کے جوابات ہمارے علماء بارہا دے چکے ہیں ان میں بعض سوالات تو ایسے ہیں کہ مذہب حنفی کا نام لے کر امام صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر ناحق بہتان باندھا

ہے۔ اور بعض ایسے سوالات ہیں جو سبب لاعلمی علم حدیث کے اور نہ سمجھنے عبارت کے کیے ہیں۔ اصل میں یہ اعتراض ستار محمدی والے اور شہاب ثاقب کے مؤلف کے کیے ہوئے ہیں جن کے جواب ہمارے علماء بارہا دے چکے ہیں۔ پھر دوبارہ مسلمانوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالنے کے لیے ناحق اعتراض کرتے ہیں چند احباب نے مجھے ان کے جواب کی بابت فرمایا۔ سو بندہ نے پہلے عدیم الفرصتی کا عذر کیا لیکن جب وہ بضد ہوئے تو اس عاجز نے واسطے افادہ برادران مسلمین کے دینی کتابوں کے رو سے ان سوالات کے جواب کے لیے قلم اٹھائی تا کہ کوئی بھائی وہابیوں اور غیر مقلدوں کے دام تزویر میں نہ آوے۔ و ما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب۔

العبد المذنب خدا بخش ساکن لاہور لوہاری دروازہ

سوال نمبر ۱:

فقہ غایۃ الاوطار ترجمہ اردو درمختار چھاپہ نولکشور کی جلد چہارم کے صفحہ ۱۹۶ میں لکھا ہے کہ اگر جانور نجاست اور غیر نجاست دونوں کھاتا ہو اس طرح اس کا گوشت گندہ نہ ہو تو حلال ہے جیسا کہ وہ حیوان حلال ہے جو پالا گیا ہے دودھ سے سور کے اس واسطے اس کا گوشت متغیر نہیں ہوتا۔ اور جو دودھ اس کا نیست ونابود ہو جاتا ہے اس کا کچھ اثر باقی نہیں رہتا ہے۔

جواب:

شامی جلد ۱ کے صفحہ ۲۱۷ میں لکھا ہے۔ کہ عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس کے معنی یہ ہیں کہ ایسا حلوان اس وقت حلال ہے کہ جب اس کے بعد چند روز تک مثل گائے غلاظت خور کے چارہ کھاتا رہے اور شرح...... میں قنیہ سے منقول ہے کہ تب وہ حلال ہے کہ بہت دنوں کے بعد ذبح کیا جاوے۔ ورنہ نہیں اس مسئلے پر عقلاً ونقلاً کوئی اعتراض نہیں آ سکتا۔ ورنہ لازم آوے گا کہ آپ ترکاریاں وغیرہ نہ کھایا کریں کیونکہ اس میں غلاظت وگوہ سے کھاد ڈالا جاتا ہے۔ مگر ان کو تو آپ حلوائے بے دود سمجھ کر نوش جان کر لیتے ہیں۔ اور فقہ

کے مسائل پر اعتراض کرتے ہیں۔ باوجود اس کے تمہارے فقہ الحدیث مطبوعہ مطبع صدیقی لاہور کے صفحہ ۵ میں صرف گوشت سور کا پلید لکھا ہے۔ اور سور کے باقی اجزاء میں بحکم اصل کے پاکی کا فتوئی ہے۔ اور روضۃ الندیہ میں بھی گوشت خنزیر کو پلید لکھ کر بول و بزار و منی سب حیوانات کو پاک لکھا ہے۔ جسے سور کے بول و بزار و چربی و دودھ و منی وغیرہ کا سوائے گوشت کے پاک ہونا بخوبی ثابت ہے۔ اور نیز ان کے نزدیک نجاست صرف پاخانہ اور بول آدمی کا ہے اور لڑکے شیر خوار کا بول پاک ہے اور لہو جاری سب جانوروں کا پاک ہے۔ حیض ونفاس کا خون پلید ہے۔ اور نیز منی آدمی اور کل حیوانات یعنی سور، کتے، بندر، ریچھ، لومڑ، بھیڑیے کی پاک ہے اور شراب اور گوشت مردار کا بھی پاک ہے صرف گوشت سور کا پلید ہے۔ نواب صاحب بہادر نے بول ولید اور شراب اور لڑکے شیر خوار کے پیشاب کے لگ جانے سے بلکہ سارے کپڑے اور بدن کے تر ہونے سے نماز درست ہے۔ پس ہم مسلمانوں کی ایسے عملیات والوں کے پیچھے نماز درست نہیں۔ اور منی ہر جانور سے پرہیز نہیں کہ اس کو پاک جانتے ہیں۔ اور مردار کتے وغیرہ کے گوشت کو کپڑے میں باندھ کر اور اس کو بغل میں دبا کر نماز پڑھ لینی روا ہے۔ ان سب باتوں کا ثبوت روضہ ندیہ صفحہ ۸، ۹، ۱۰، ۱۱ میں موجود ہے۔ جس کو شک ہو وہ ان کی کتابوں سے دیکھ لیوے۔ اور نیز ستارہ محمدی کے صفحہ ۱۲ میں بابت پنیر شام کے جن کا بنا مایہ خنزیر سے مشہور ہے۔ اور ان موحدوں کے رسالہ اظہار الحق کے صفحہ ۱۸ میں اس کا کھانا حضرت ﷺ کی طرف منسوب کیا ہے حنفی تو ہزار زبان سے اس کی پلیدی اور حرمت کے قائل ہیں صرف موحدوں کے فقہ الحدیث نے ان چیزوں کو پاک اور حلال کر دیا ہے۔ عوام کے سامنے یہ لوگ اس امر سے منکر ہوتے ہیں۔ ان کا یہ انکار فریب اور حق پوشی سے خالی نہیں۔ کیونکہ ان کی فقہ الحدیث سے نشان دیتا ہوں عرف الجادی کے صفحہ ۱۰ میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے پنیر جو نصاریٰ کے شہروں سے آیا کرتا تھا کھایا تھا۔ اور یہ ایک بات کیا فقہ الحدیث نے کئی حراموں کو حلال کر دیا ہے اور ان کے پاک ہونے سے مولوی نذیر حسین کے شاگرد عبدالغفور محمدی کے استفتا جو شوال ۱۲۹۸ھ ہجری میں مطبع

حقی دہلی میں چھپا ہے۔ اس میں بروئے سند دربہیہ کے لکھا ہے کہ ایک پیالے یا گھڑے پانی میں گوہ موت آدمی کے پڑ جانے سے جب تک کہ اس کا رنگ و بو نہ بدلے تو پاک ہے اور منی اور رطوبت فرج عورت کو شکر میں ملا کر کھانا یا یوں ہی چاٹنا روا ہے اور خنزیر کی چربی بھی کھانی درست ہے۔ کیونکہ یہ سب چیزیں پاک ہیں اور پاک چیزوں کے کھانے کی قرآن شریف سے اجازت ہے۔ کلوا من الطیبات اور خنزیر کی کھال سے ڈول بنا کر پانی نکالنا اور اس کی جانماز بنانی اور قرآن مجید کی جلد باندھنی اور پھوپھی سے نکاح کرنا سب کچھ درست ہے اور نیز نواب صاحب بہادر روضہ ندیہ کے صفحہ ۲۱۲ میں سب طیبات کو حلال کہتے ہیں اگرچہ اسے حلال ہونا دودھ و چربی سور کا پایا گیا مگر اسے بڑھ کر اور بھی ثبوت ہے کہ فقہ الحدیث کے صفحہ ۳۲ میں لکھا ہے۔ اصل ہر چیز میں حلت ہے۔ اور نہیں حرام مگر وہ چیز جس کو حرام کیا خدا ورسول ﷺ نے اور جس چیز سے سکوت کیا خدا اور رسول ﷺ نے وہ معاف ہے پس حرام ہے وہ چیز جو قرآن شریف میں ہے یعنی مردار جانور اور خون بہتا ہوا اور گوشت سور کا اور جو وقت ذبح کے جس پر نام غیر اللہ کا لیں بعد اس کے باقی حرام جانوروں کا نام لکھ کر آخیر میں لکھا ہے اور جو اس کے سوا ہے وہ حلال ہے۔

اب غور کرو کہ جن جانوروں کے نام لے کر حرام لکھا ہے ان کی ساری جزویں حرام ہیں۔ اور سور کا صرف گوشت حرام لکھا ہے اس واسطے کہ قرآن وحدیث میں سور کا گوشت ہی حرام ہے۔ اور سور کا نام لے کر سارے جانور کو حرام نہیں کہا۔ بلکہ قرآن اور حدیث سور کے باقی اجزا سے خاموش ہیں۔ پس ہوئے سارے اجزاء سور کی چربی اور دودھ وغیرہ ان کے نزدیک بموجب اصل بالا کے حلال ہیں اور سوائے قرآن اور حدیث کے فقہ الحدیث میں اور کوئی دلیل شرعی نہیں۔ جس سے کسی چیز کی حرمت ثابت ہو۔ خود معترض کے ستارہ محمدی کے صفحہ ۱۲ میں لکھا ہے کہ موحدین کا عمل تو قرآن اور حدیث پر ہے انتہی۔ اور مقلدین کے نزدیک ہر جزو سور کے پلید اور حرام ہے بدلیل اجماعِ امت کے جیسا کہ مولانا شاہ عبدالعزیز اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں تمام امت اجماع دارو بر این کہ این جانور نجس العین ست ہیچ جزو از

واتنفاع نباید گرفت اور فقہ کی معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ خنزیر نجس العین ہے یعنی اس کی ساری جزویں پلید اور حرام ہیں۔ زندہ ہو خواہ مردہ **کذا فی ردالمحتار** وغیرہ اور اس اجماع امت کو فقہ الحدیث والوں نے اڑا دیا ہے اور صرف ادلہ شرعیہ قرآن اور حدیث کو مانتے ہیں۔ جیسا کہ عرف الجادی کے صفحہ ۳ میں لکھا ہے پس ان کے اصول کے مطابق سور کی چربی اور دودھ حلال ہیں کما ہو الظاہر والباہر۔ اگر کہیں تقیہ کے طور پر لکھ دیں کہ چربی اور دودھ سور کا حرام ہے تو جب تک اس کو آیت اور حدیث سے ثابت نہ کریں تب تک کسی عاقل کے نزدیک مقبول نہ ہوگا۔ کیونکہ خلاف ان کے اصول کے ہے۔ پس جب ان کے نزدیک دودھ سور کا پاک اور حلال ہو چکا تو معترض کس منہ سے حنفیوں پر طعن کرتا ہے۔ اور اس طعن کا جواب ان کی فقہ الحدیث میں ہے جو صفحہ ۳۲ میں من جملہ محرمات کے لکھا ہے۔

سوال نمبر۲:

جو عورتیں ہمیشہ کے لیے حرام ہیں (ماں، بہن، بیٹی، خالہ، پھوپھی وغیرہ) ان سے نکاح کر کے اور حلال جان کر صحبت کرلے تو حد نہیں۔ (ابو حنیفہ رحمہ اللہ)

(درمختار ج ۲ ص ۴۱۴، عالمگیری ج ۲ ص ۶۷۰، ہدایہ ج ۲ ص ۴۵۷، شرح وقایہ ص ۳۳۱، کنز ص ۱۹۱، قدوری ص ۲۲۶)

جواب:

فقہ میں مثل مضمرات وقستانی و درمختار و **ردالمحتار** وغیرہ میں لکھا ہے کہ امام اعظم کے شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمد رحمہما اللہ کے نزدیک ماں بہن سے نکاح کر کے جماع کرنے پر حد مارنی لازم ہے اور اسی پر فتویٰ ہے اور فقہ کے متنوں میں جو شرحوں اور فتاووں سے معتبر ہیں یہ ہی لکھا ہے۔ یہ ترجمہ ہے ان کتابوں کی عبارتوں کا پس ثابت ہوا کہ حنفی مذہب میں اس شخص پر حد کا حکم ہے کیونکہ امام اعظم کے شاگردوں کے بھی جو قول ہیں تو وہ ان کے استاد ہی سے روایت ہیں اپنی طرف سے نہیں ہیں۔ جیسا کہ مذکور ہوا خصوصاً جب اس پر فتویٰ ہو

گیا۔ تو حنفی مذہب وہی ٹھہرا **کذا فی ردالمحتار** اور اگر یہ بھی کہا جاوے کہ اس پر حد نہیں آتی تو اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی سزا کی کوئی حد نہیں لگانی چاہیے۔ یعنی اس کو بہت سخت سزا دینی چاہیے جس کی کوئی حد نہ ہو اور کسی کتاب سے ثابت نہیں ہوتا کہ امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک وہ سزا سے بری کیا جائے یا اس کو سزا ہی نہ دی جائے مخالف کو چاہیے کہ کسی فقہ کی کتاب سے عدم حکم سزا کا ثابت کرے ورنہ توبہ کرے کیونکہ خدا کے مقبولوں پر تہمت باندھنی منتقم حقیقی کے غضب میں پڑنا ہے پس امام اعظم رحمہ اللہ کے نزدیک تو محرمات ابدیہ میں سے کسی سے نکاح کر کے جماع کرنا حرام قطعی اور گناہ کبیرہ ہے مگر ان زبانی حدیث پر چلنے والوں کے نزدیک پھوپھی سے جو محرمات ابدیہ میں سے ہے بموجب استفتاء مولوی عبدالغفور محمدی شاگرد مولوی نذیر حسین دہلوی کے درست ہے جیسا کہ اسی استفتاء میں لکھا ہے کہ پھوپھی سے نکاح کرنا درست ہے مولوی قربان علی رئیس المحدثین کی کتاب تحفۃ المومنین مطبوعہ مطبع نولکشور ۱۲۸۹ھ صفحہ ۱۵ کو دیکھو یہ مسئلہ ان حدیث پر چلنے والوں کا ہے اور حنفی کیا چاروں مذہب والے اہل سنت جو یقیناً آیت اور حدیث پر چلنے والے ہیں اس مسئلہ کو مردود جانتے ہیں۔ جس صاحب کو شک ہو وہ استفتاء اور فقہ الحدیث ترجمہ درر بہیہ اور روضہ ندیہ شرح عربی درر بہیہ کو دیکھ لیوے کہ ان میں خدا تعالیٰ کے حراموں کو حلال اور ناپاک چیزوں کو پاک کر کے الٹا دیا ہے اور اپنے عملیات کو حنفیوں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔

سوال نمبر۳:

کتب فقہ ہدایہ چھاپہ مصطفائی کی جلد دوم کے صفحہ ۱۵ میں اور شرح وقایہ چھاپہ نولکشور کے صفحہ ۲۳۷ میں اور کنز الدقائق کلاں چھاپہ دہلی کے صفحہ ۱۲۵ میں اور فتاویٰ عالمگیریہ چھاپہ دہلی کی جلد سوم کے صفحہ ۱۰۷ میں اور درالمختار چھاپہ نولکشور کے صفحہ ۲۰۴ میں اور فتاویٰ قاضی خان نولکشور کی جلد سوم کے صفحہ ۱۱۰ میں لکھا ہے کہ جھوٹے گواہ گذار کر بیگانی عورت کے لینے اور اس سے صحبت کرنے پر امام اعظم کے نزدیک گناہ نہیں۔

جواب:

یہ سراسر بہتان اور دروغ گوئی بیفروغ ہے کسی کتاب فقہ حنفی میں نہیں لکھا ہے کہ جھوٹے گواہ گذار کر پرائی عورت لینے منكوحة الغير يامعتدة الغير کے لے لینے اور صحبت کرنے سے گناہ نہیں معترض کو کتابوں کا نام لکھتے شرم نہ آئی کہ جب کوئی دین داران کتابوں کو دیکھے گا تو سائل کو شرمندہ کرے گا بلکہ سب کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ سخت گناہ اور ناروا ہے۔ كذا فی درالمختار و ردالمحتار وغیرہ بلکہ مسئلہ تو یوں ہے جیسا کہ اردو شرح وقایہ کی جلد سوم کے صفحہ ۹۶ میں لکھا ہے کہ ایک عورت فارغ حق غیر پر کسی نے جھوٹے گواہ گذار کر نکاح کا دعویٰ کیا اور قاضی کو گواہوں کے جھوٹے ہونے کا علم نہیں ہے اس نے سچے گواہ جان کر نکاح ثابت کر دیا تو اب وہ عورت مدعی کی جورو ہوگئی کیونکہ امیر المومنین علی ؓ نے ایسا ہی فیصلہ کیا تھا جیسا کہ امام محمد نے مبسوط میں لکھا ہے تو عورت بولی کہ آپ میرا نکاح تو کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ میرے نکاح کرنے کی کچھ حاجت نہیں دو گواہوں نے تیرا نکاح کر دیا ہے۔ امام محمد ؒ فرماتے ہیں کہ وبهذا ناخذ۔ یعنی اس حدیث پر ہمارا اخذ ہے۔ كذا فی الدرالمختار و ردالمحتار وغیرہ اور یہ حدیث شرح بخاری مثل فیض الباری وغیرہ میں موجود ہے۔ پس ثابت ہوا کہ حضرت امام اعظم ؒ حدیث کو مانتے ہیں اور ان کے معترض حدیث کو مردود جانتے ہیں اور ناحق بہتان آپ کی ذاتِ عالی پر باندھتے ہیں۔ خدا کو جواب دیں گے کچھ تو خدا اور رسول ﷺ کا خوف دل میں کرنا چاہیے۔ آخر ایمان بھی ساتھ لے جانا ہے یا نہیں۔ خدا کے مقبولوں پر بہتان باندھنا مسلمانوں کا کام نہیں۔

سوال نمبر۴:

فقہ کی کتاب چلپی حاشیہ شرح وقایہ چھاپہ نولکشور کے صفحہ ۲۹ میں محیط سے نقل کرکے لکھا ہے کہ خرچی عورت زانیہ کی امام اعظم ؒ کے نزدیک حلال طیب ہے۔

جواب:

یہ بھی بہتان ہے کہ بلکہ سب دینی کتابوں میں لکھا ہے کہ بالاتفاق زانیہ کا مہر حرام ہے

معترض کو اگر عربی فارسی کتابوں کے دیکھنے کی دسترس نہیں تو ترجمہ مشارق الانوار مترجم مولوی خرم علی موحد ہی دیکھ لیوے کہ کہتے ہیں کہ خرچی زانیہ کی چاروں اماموں کے نزدیک بالاتفاق حرام ہے۔ اور چلپی میں جو محیط سے حلال ہونا لکھا ہے تو وہ خرچی مقررہ زانیہ کی بابت نہیں ہے وہ تو یوں ہے کہ زانی نے زانیہ سے کچھ مقرر نہیں کیا۔ اور بلاشرط دے دیا ہے تو گویا یہ مہر البغی نہ ٹھہرا کیوں کہ مہر تو مقرر کا نام ہے اس لیے اس کو مباح لکھا ہے اس پر بھی بہت سے معتبر کتابوں میں لکھا ہے کہ یہ بھی حلال نہیں کہ معروف مثل مشروط کے ہے۔ جیسا کہ صاحب در مختار منتقی میں اور سید احمد طحطاوی حاشیہ درمختار میں اور علامہ سید ابن عابدین ردالمحتار میں لکھتے ہیں۔ پس ضعیف غیر مفتی بہ کو امام صاحب کی طرف منسوب کرکے اس پر طعن کرنا منتقم حقیقی کے غضب میں پڑنا ہے۔

سوال نمبر۵:

فقہ کی کتاب غاية الاوطار ترجمہ اردو درمختار چھاپہ نولکشور کے جلد دوم کے صفحہ ۴۱۶ میں لکھا ہے کہ حد نہیں مرد غیر مکلف کے زنا کرنے سے ساتھ عورت مکلفہ کے نہ مرد پر نہ عورت پر اور حد نہیں اس عورت کے ساتھ زنا کرنے سے جس کو زنا کرنے کے واسطے مزدوری دی گئی۔

جواب:

غیر مکلف بالاتفاق مرفوع القلم ہے اس پر حد کیوں کر جاری ہو عرف الجادی کے صفحہ ۸۳ میں مجتہد العصر کے خلف الرشید لکھتے ہیں وزوال عقل رافع قلم تکلیف ہست جب عاقل کی عقل کے زائل ہونے نے قلم تکلیف کو اٹھا دیا تو جس کو اب تک عقل آئی ہی نہیں تو وہ کیونکر قلم تکلیف کے نیچے آ کر حد مارا جاوے۔ اور عورت اس لیے حد سے محفوظ ہے کہ زنا نام مرد کی وطی کا ہے غیر ملک میں۔ اور نابالغ مرد نہیں کہ اس کا زنا متصور ہو۔ پس عورت سے بھی وہ زنا نہیں ہوا جسے وہ حد ماری جاتی جب اصل پر حد نہ ہوئی تو تابع پر کیونکر ہو كذا فی ردالمحتار والنهر وغيرهما۔ اور شبہوں سے حد کا دفع کر دینا عمل بالحدیث ہے۔ اگر ہماری بات کا اعتبار نہیں تو دیکھو تمہارے مجتہد العصر کے فرزند نہج مقبول کے صفحہ ۸۴ میں لکھتے ہیں۔ وساقط میشود

حد بشبهات محتملة۔ اور عرف الجادی کے صفحہ ۲۱۵ میں بھی اس امر کو کئی حدیثوں سے ثابت کیا ہے اور یہ دونوں کتابیں وہابیوں کی فقہ الحدیث ہیں۔ باقی رہا مسئلہ عورت کا جس کو زنا پر مزدوری دی گئی ہے جواب اس کا یہ ہے کہ اسی درمختار میں لکھا ہے والحق وجوب الحد۔ حق یہ ہے کہ حد واجب ہے۔ ردالمحتار اور فتح القدیر اور نہر الفائق میں بھی یوں ہی لکھا ہے پس اصل کتابوں کے دیکھنے سے یہ امر بخوبی ثابت ہوسکتا ہے صرف بہتان باندھنے سے کام نہیں چل سکتا۔ خدا کے غضب سے ڈرنا چاہیے۔

سوال نمبر ۶:

کتب فقہ ردالمحتار شرح در المختار چھاپہ دہلی کی جلد سوم کے صفحہ ۱۵۶ میں لکھا ہے کہ جس کو خوف زنا کا ہو اس کو مشت زنی کرنی یعنی جلق کرنا واجب ہے۔

جواب:

کتب معتبرہ حنفیہ میں مشت زنی کو حرام اور مکروہ تحریمہ لکھا ہے جب شہوت رانی کے واسطے ہو۔ بدلیل حدیث ناکح الید ملعون یعنی جو سنتِ موکدہ نکاح کو چھوڑ کر ہاتھ سے ہی شہوت رانی کرے تو ملعون ہے۔ پس اگر کسی کو غلبہ شہوت کا ہو اور جورو اور کنیز نہیں رکھتا ہے پس ایسی حالت میں دفع شہوت اور زنا سے بچنے کی نیت سے کرے تو اس میں کچھ خوف نہیں۔ کذا فی الدر المختار و ردالمحتار۔ مسئلہ تو اس طرح پر تھا مگر ان بہتانیوں کو شرم نہیں آئی کہ جب ان کی کتابوں میں بھی یہی مسئلہ موجود ہے تو صرف حنفیوں پر اعتراض کرنا عین عناد ہے بزرگانِ دین سے دیکھو نواب صاحب کے فرزند کی عرف الجادی صفحہ ۲۱۴ میں لکھا ہے کہ مشت زنی اور چھیدکنی اور دیواروں اور پتھروں کے سوراخوں میں دخول کر کے حاجت کے وقت منی کے انزال کو روا لکھتے ہیں اور نگاہ اور نظر بازی سے بچنے کے وقت ان دونوں کاموں کو مستحب بلکہ واجب لکھا ہے۔ پس یہ اعتراض پہلے وہ اپنی فقہ الحدیث پر کرلیں بعد اس کے حنفیوں پر اعتراض کریں۔

سوال نمبر ۷:

فقہ کی کتاب فتاویٰ قاضی خاں کی جلد اول کے صفحہ ۱۰۰ میں لکھا ہے کہ تسکین کی نیت سے مشت زنی کر لینے میں کوئی گناہ نہیں۔

جواب:

اس کا جواب بھی سوال نمبر ۶ کے جواب کے مطابق ہے۔

سوال نمبر ۸:

اسی کتاب فتاویٰ قاضی خاں کی جلد اول صفحہ ۱۱۰ میں لکھا ہے کہ جب کہ سوئی ہوئی عورت اور مجنونہ عورت سے صحبت کرے خاوند اس کا تو ان دونوں پر روزے کی قضا ہے نہ کفارہ اور زفر امام اعظم کے شاگرد نے کہا ہے کہ نہیں ٹوٹتا روزہ ان دونوں کا۔

جواب:

مسئلہ یوں ہے کہ روزہ دار عورت سوئی پڑی یا دیوانی سے اس کے خاوند روزہ دار نے جب جماع کیا تو ان دونوں عورتوں پر قضا ہے نہ کفارہ کیونکہ جان بوجھ کر روزہ توڑنے سے کفارہ ہے اور ان عورتوں نے جان بوجھ کر روزہ نہیں توڑا۔ فقہ حنفی سے قطع نظر تمہاری فقہ الحدیث کے صفحہ ۱۷ میں دیکھو یوں لکھا ہے کہ جو کوئی روزہ جان بوجھ کر توڑ ڈالے تو اس پر کفارہ ہے پس حنفیوں کا مسئلہ عین تمہاری فقہ الحدیث کے ہے۔ اور امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی عین مطابق تمہاری فقہ الحدیث کے ہے کیونکہ اسی صفحہ میں لکھا ہے کہ جاتا رہتا ہے روزہ کھانے پینے صحبت کرنے سے جان بوجھ کر پس بتاؤ کہ ان دونوں عورتوں نے کب جان بوجھ کر جماع کیا کہ ان کا روزہ ٹوٹے۔ پس امام زفر رحمۃ اللہ علیہ کے قول پر اعتراض کرنا اپنی فقہ الحدیث پر اعتراض کرنا ہے۔ باقی رہا مرد۔ پس اس پر عمداً جماع کرنے سے کفارہ بھی لازم ہوا۔ کذا فی ردالمحتار والاشباہ وغیرہ مگر وہابیوں کے مجتہد العصر روضہ ندیہ کے صفحہ ۱۰۰ میں

ایک ایسی روایت نقل کرتے ہیں جسے عمداً کھانے پینے سے کفارہ لازم نہیں آتا۔ وہ عبارت یہ ہے وقد قیل ان الکفارۃ لا یجب علی من افطر عامدًا بای سبب بل بالجماع فقط ولکن الرجل انما جامع امرتہ فلیس فی الجماع فی نھار رمضان الا ما فی الاکل والشرب لکون الجمیع حلالا لم بحرم الا بعارض الصوم وقد وقع فی روایۃ من الحدیث ان رجلا افطر ولم ید الجماع۔ روضہ ندیہ صفحہ ۱۰۰ مطبوعہ لکھنو پس تمہاری فقہ الحدیث میں عمداً جماع کرنے سے کفارہ لازم نہیں آتا۔ تو حنفیوں کے ان مسائل پر اعتراض کرنا جو عین قرآن اور حدیث کے مطابق ہیں۔ دوراز انصاف ہے۔ دراصل اپنے عملیات کو چھپانے کے لیے پیش قدمی کرتے ہیں۔

سوال نمبر ۹:

اسی کتاب فتاویٰ قاضی خاں کے جلد اول کے صفحہ ۱۰۵ میں لکھا ہے۔ اگر کوئی چوپائے زندہ یا مردہ میں دخول کرے اور اس کو انزال نہ ہو تو اس کا روزہ نہیں ٹوٹتا۔

جواب:

جان بوجھ کر جماع کرنے سے روزہ ٹوٹ جاتا ہے۔ جیسا کہ سوال نمبر ۸ کے جواب میں تمہاری فقہ الحدیث کے صفحہ ۱۶ سے لکھا گیا ہے۔ اور روضہ ندیہ صفحہ ۹۹ میں ہے وھکذا الجماع لا خلاف فی انہ یبطل الصیام اذا وقع من عامدا پس چوپائے یا مردے میں دخول کرنے کو جماع مفطر سمجھنا سخت بے علمی ہے۔

اس میں شک نہیں کہ یہ کام گناہ کے ہیں جیسا کہ تمام فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے۔

سوال نمبر ۱۰:

کتب فقہ فتاویٰ قاضی خاں چھاپہ نولکشور کے صفحہ ۱۰۰ میں لکھا ہے کہ جب کہ جماع کرنے کے ساتھ چارپایہ کے نہ انزال ہو یا جماع کرے عورت سے سوائے فرج کے اور نہ انزال ہو۔ تو ان عورتوں کا روزہ نہیں ٹوٹتا اگر انزال ہو تو روزے کی قضا ہے نہ کفارہ۔

جواب:

اس کا جواب بھی سوال نمبر ۹ کے جواب کی طرح ہے۔ اور سوائے فرج کے دخول اور مشت زنی کے سوائے جماع سے روزے کا نہ ٹوٹنا فقہ الحدیث کی عین منشاء ہے۔ پہلے اپنی فقہ الحدیث پر اعتراض کر لو پھر فقہ حنفی پر اعتراض کرنا۔ اور بنی آدم قابل شہوت زندہ سے جماع کرنے سے کفارہ لازم ہے۔ بسند حدیث جو صحیحین وغیرہ میں مروی ہے۔ فقہ الحدیث کے روضہ ندیہ میں بھی وہی سند مذکور ہے پس بدوں حکم قرآن اور حدیث کے کسی پر کفارہ ثابت کرنا بموجب اقرار اپنی فقہ الحدیث کے جبار وقہار کے غضب میں پڑتا ہے۔

سوال نمبر ۱۱:

کتب فقہ ہدایہ چھاپہ مصطفائی کی جلد اول کے صفحہ ۵۷۵ میں اور شرح وقایہ چھاپہ نولکشور کے صفحہ ۱۸۳ میں کنز الدقائق کلاں مطبوعہ دہلی احمدی کے صفحہ ۱۹۲ میں لکھا ہے ذمی جزیہ دینے والا اگر ہمارے پیغمبر ﷺ کو گالیاں دے تو اس کا امام اعظم اور ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک عہدِ ذمی نہیں ٹوٹتا اس کو قتل نہ کرنا چاہیے۔

جواب:

بہت سی فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ اگر ذمی اعلانیہ طور پر سرور عالم ﷺ کو گالی دے اور اس کو اپنی عادت ٹھہرالے تو وہ قتل کیا جائے خواہ عورت ہی ہو۔ اور اکثر حنفیوں کا اس پر فتویٰ ہے دیکھو برہانی تحت کلمات کفر مندرجہ کتاب مالا بدمنہ صفحہ ۱۷۵ خود امام محمد رحمہ اللہ نے جو حنفی مذہب کا تحریر کردہ ہے۔ اس قتل کو کتاب سیر کبیر میں ثابت فرمایا ہے کذا فی الدر المختار و ردالمحتار وغیرھما حنفی کیا چاروں مذہب والے اہل سنت والجماعت آنحضرت ﷺ کی گالی اور ہتکی کو موجب کفر اور قتل کا جانتے ہیں حتی کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں مومنین اصحاب کبار کو تادیب کے واسطے دائمی حکم فرمایا۔ یا ایھا الذین امنوا لا ترفعوا صوتکم فوق صوت النبی ولا تجھروا لہ بالقول کجھر بعضکم

لبعض ان تحبط اعمالك وانتم لا تشعرون اے ایمان والو! نبی ﷺ کی آواز پر اپنی آواز کو بلند مت کرو اور ان سے اس طرح باتیں نہ کرو جس طرح تم آپس میں کرتے ہو ایسا نہ ہو کہ تمہارے عمل ضائع ہو جائیں اور تم کو خبر نہ ہو۔

سوال نمبر ۱۲:

کتب فقہ غایۃ الاوطار کی جلد سوم کے صفحہ ۸۵ میں لکھا ہے کہ اگر مسلمان نے وکیل کیا ذمی کو شراب یا سور کے بیچنے یا خرید کرنے کے واسطے تو یہ توکیل اور یہ بیع وشرا امام اعظم کے نزدیک صحیح ہے۔

جواب:

جب کہ وہابیوں کی فقہ الحدیث میں شراب اور چربی خنزیر اور خون پاک ہے تو اگر اس کی وکالت اور بیع اور شرا بھی حلال ہو تو کیا مضائقہ حنفی مذہب پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے یہ بہانے صرف اپنے واسطے حلال کرنے کے واسطے ہیں۔ اور در پردہ خود ان باتوں کے معتقد ہیں اور از روئے عناد کے مذہب حنفی کا نام بدنام کرتے ہیں اور پوری عبارت کی تحریر نہیں کرتے جس سے کوئی اعتراض واقع نہیں ہوتا۔ اور اس عبارت عربی کے آگے کا فقرہ مع اشد کراہت لکھتے ہیں شاید قلم ٹوٹ گئی ہوگی کہ آپ نے اس کو دیدہ ودانستہ چھوڑ دیا۔ اور جو الفاظ رفع اعتراض کرتے تھے ان کو بالکل ہضم کر گئے تاکہ بغض وعداوت قلبی جو امام صاحب سے رکھتے ہیں اس کے ادا کرنے میں کچھ کسر باقی نہ رہے۔ اگر لکھ دیتے تو اعتراض کیوں ہوتا۔ یہاں تو آپ نے بعینیہ لا تقربوا الصلاۃ پر عمل کیا جسے آپ لوگوں کی دین داری اور ایمان داری دینی معاملات میں بخوبی ثابت ہوتی ہے خلاصہ یہ کہ ایسی توکیل اور بیع اور شراء اگرچہ امام صاحب کے نزدیک ظاہراً جائز ہے مگر سخت ترکہ کراہت یعنی مکروہ تحریمی کے ساتھ وہ بھی تو اس کو حلال طیب نہیں فرماتے مکروہ تحریمی کے ساتھ جائز کرتے ہیں گویا یہ ناجائز ہی ہوا۔ پس اس پر کوئی اعتراض نہیں آ سکتا۔ اور اعتراض جاتا رہا۔

سوال نمبر ۱۳:

منیۃ المصلی فقہ حنفی کی کتاب جو لاہور میں طبع ہوئی ہے میں لکھا موجود ہے کہ خنزیر کا چمڑا دباغت دینے سے پاک ہو جاتا ہے اور بیع اس کی جائز ہے۔

جواب:

کل حنفی مذہب کی کتابوں میں لکھا ہے کہ خنزیر نجس العین ہے اس کی کسی جزو سے فائدہ نہیں اٹھانا چاہیے۔ خواہ مردہ ہو خواہ زندہ کذا فی ردالمحتار اور فتاویٰ عالمگیریہ میں لکھا ہے کہ سگ وخنزیر ومیت کافر نجس العین کے شود طاہر پس حنفی مذہب میں اس کی کل اجزا حرام ہیں۔ اور نیز اس کا جواب سوال اول کے جواب میں مفصل گذر چکا ہے۔ کہ غیر مقلدین لوگ اپنے کھانے اور پینے کی چیزوں کو استعمال کرنے کے واسطے حنفیوں پر الزام دیتے ہیں۔ اور جب یہ امر ان کے علماء نے اپنی کتابوں میں ثابت کیا ہے تو اس الزام سے بری ہونے کے لیے حنفیوں پر بہتان باندھنا شروع کر دیا۔ اور کتاب منیۃ المصلی فصل النجاست میں صاف صاف لکھا ہے کہ خنزیر اور آدمی کی کھال اگر ذبح بھی کی جائے تو پاک نہیں ہوتی۔ چنانچہ لکھا ہے کہ ظاهر فی الروایة لا یطهر پس روایت مفتی بہ کو چھوڑ کر روایت غیر مفتی بہ کو لینا دین سے چشم پوشی ہے۔ جس سے سائل کی لاعلمی اور بددیانتی ثابت ہوتی ہے ایک فقرہ کتاب کا لے کر اعتراض کر دیا اور مقدم مؤخر اور اصل مسئلہ کو چھوڑ دیا فافہم۔

سوال نمبر ۱۴:

معتبر کتاب ہدایہ مطبوعہ مصطفائی کے صفحہ ۳۹ جلد دوم میں موجود ہے کہ بال خنزیر کے پاک ہیں اس سے نفع اٹھانا درست ہے۔

سوال نمبر ۱۵:

کتب فقہ غایۃ الاوطار کی جلد اول کے صفحہ ۱۰۵ میں لکھا ہے کہ کتے کی کھال کا جانماز اور ڈول بنانا جائز ہے۔

سوال نمبر ۱۶:

اسی کتاب کی جلد سوم کے صفحہ ۱۰۶ میں لکھا ہے کہ کتے کو گود میں اٹھا کر یا بغل میں دبا کر نماز پڑھنی درست ہے۔

جواب:

ان سب کا جواب سوال نمبر ۱۱ اور نمبر ۱۳ میں آ چکا ہے ان سب کا ایک ہی جواب ہے یہ سب چیزیں فقہ الحدیث والے نے جائز کر دی ہیں حنفی مذہب پر کیوں اعتراض کیا جاتا ہے۔

سوال نمبر ۱۷:

معتبر کتب حنفیہ ہدایہ مترجم فارسی چھاپہ نولکشور کی جلد سوم کے صفحہ ۹۶ میں لکھا ہے کہ درمیان مسلمان اور حربی کے دار الحرب میں مسلمانوں کو بیاج لینا منع نہیں ہے۔

جواب:

وہابی مذہب میں ثابت ہے کہ مسلمان دار الحرب میں جا کر حربیوں کی مرضی سے بیاج لے سکتا ہے۔ عرف الجادی صفحہ ۷۰ میں دیکھو لکھا ہے کہ مال حربیوں کے اصل میں مباح ہیں۔ ہر شخص کو اس کا لے لینا جس طرح سے ہو سکے جس چیز سے ہو سکے روا ہے۔ حنفیوں کی دلیل سنو روضۃ الاحباب و مدارج النبوۃ وغیرہ بہت سی دینی کتابوں سے ثابت ہے کہ جب اتری آیت **الم غلبت الروم** کے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کفار نابکار سے فرمایا کہ چند سال میں روم فارس پر غالب آوے گی اور کافروں کی خوشی غم سے بدل جاوے گی۔ ابی بن خلف نے آپ کو جھٹلایا حتی کہ دس اونٹ کی شرط باندھی گئی۔ اور آنحضرت ﷺ کے امر سے دس اونٹ سے ایک سو اونٹ تک نوبت پہنچی۔ اگر نو برس میں روم غالب آئے تو ایک سو اونٹ ابوبکر رضی اللہ عنہ ابی بن خلف سے لے لیں گے۔ ورنہ ایک سو اونٹ اس کو خود دیں گے۔ تو جنگ بدر یا صلح حدیبیہ میں مدت مقرر کے اندر ہی اندر فتح روم کی خبر آ گئی۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ

ایک سو اونٹ اس سے لے کر حضور ﷺ کی خدمت مبارک میں آئے۔ آپ نے فرمایا کہ ان کو خدائے پاک کی راہ میں بانٹ دو۔ گویا کہ شکریہ اس نعمت کا ہے کہ مسلمانوں کا بول بالا ہوا پس اس واقعہ کی سند سے امام اعظم اور امام محمد نے فرمایا کہ دار الحرب میں کفار سے عقود فاسدہ وغیرہ کے جائز ہے اور نیز اس کی سند میں فقہ کی کتابوں میں حدیث مرسل بھی موجود ہے جس کا جی چاہے تفصیل وار شرح ہدایہ وغیرہ میں دیکھ لے پس ثابت ہوا کہ حنفیوں کا یہ مسئلہ موافق حدیث کے ہے اور وہ بیاج کہ شریعت میں ناروا ہے حنفیوں کے نزدیک بھی قطعی حرام ہے۔ البتہ ان نامی حدیث پر چلنے والوں کے نزدیک بہت سی قسم کے بیاج جو چاروں مذہبوں میں حرام ہیں حلال ہیں۔ جیسا کہ روضہ ندیہ اور عرف الجادی کے باب ربا کے دیکھنے سے ثابت ہے کہ محرمات شرعیہ کو حلال بنا دیا ہے۔

سوال نمبر ۱۸:

ہدایہ مترجم فارسی چھاپہ نولکشور کی جلد چہارم کے صفحہ ۱۳۱ میں اور شرح وقایہ عربی چھاپہ نولکشور کے صفحہ ۲۴۲ میں لکھا ہے کہ قوت حاصل کرنے کے لیے مذہب حنفیہ کے نزدیک اس قدر شراب پی لینی جائز ہے کہ نشہ نہ کرے۔

جواب:

حق تعالیٰ فرماتا ہے لعنۃ اللہ علی الکاذبین حنفیوں کی تو کسی کتاب میں بھی نہیں لکھا ہے کہ اختیار سے شراب کا پینا جائز ہے۔ وہاں اصل عبارت تو یہ ہے وعصیر العنب اذا طبخ حتی ذهب ثلثاه ثلثه حلال و ان اشتد یعنی شیرہ انگور کا جب پکایا جاوے یہاں تک کہ اس کی دو تہائی جل جائے اور ایک تہائی رہ جائے تو حلال ہے اور اگر چہ وہ سخت ہو جائے اس میں شراب کا پینا کہاں سے ثابت ہوا۔ انگور کے شیرہ کا ذکر ہے۔ سو یہ مطابق ان احادیث کے ہے جو عینی نے شرح کنز کی کتاب الاشربہ میں لکھا ہے۔ دیکھو صفحہ ۳۵۳ مطبوعہ ناصری اور امام محمد نے موطا میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حدیث کے تحت میں بھی ایسا ہی لکھا ہے۔

اور شیخ عبدالحق نے شرح مشکوٰۃ جلد سوم کے صفحہ ۱۵۶ میں ہدایہ سے اس کو لکھا ہے۔ البتہ ان موحدوں کی کتاب درر بہیہ اور روضہ ندیہ سے ثابت ہے کہ شراب پاک اور خون اور بول کل حیوانات کا پاک ہے جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے اور استفتاء عبدالغفور محمدی میں لکھا ہے کہ سور کی چربی اور خون پاک ہے تو خواہ اب ان کو کوئی کھاوے یا پیوے اور منی اور رطوبت فرج عورت پاک ہے اب خواہ اس کو شکر میں لپیٹ کر کھاوے۔ یا زبان سے چاٹے سب کچھ درست ہے اور پاک چیزوں کی اجازت قرآن میں ہے کلوا من الطیبات کھاؤ پاک چیزیں۔ یہ مسئلے نامی محمدیوں کے ہیں اور حنفی کیا چاروں مذہب والے ان مسائل کو مردود جانتے ہیں۔ پس اپنے کھانے پینے کی چیزوں کو حنفیوں کی طرف منسوب کرنا باری تعالیٰ کے غضب میں پڑنا ہے۔ ہاں اتنا تو قرآن مجید سے ثابت ہے کہ حالت بھوک اور اضطرار میں محرمات کا استعمال علی قدر ضرورت روا ہے اور نیز صحیح حدیثوں میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے استسقاء والوں کو حالت اضطرار میں اونٹوں کے بول پینے کا امر فرمایا ہے پس ایسا ہی حنفی کتابوں میں لکھا ہے کہ شراب قطعی حرام ہے۔ اور بھاری پلیدی سے مثل بول کے اس کے حلال جاننے والا کافر ہے۔ اور حالتِ اختیار میں اسے نفع اٹھانا حرام ہے۔ مگر جب کوئی پیاسا مرتا ہے یا گلے میں لقمہ اٹک گیا ہے اور بدون شراب کے کوئی پتلی شے پاس نہیں ہے۔ جس سے جان بچے تو اب جان کے بچاؤ کے واسطے قدرِ ضرورت تک شراب کا پینا جائز ہے **کذا فی الدر المختار وردالمحتار وغیرہ۔** اور سب دینی کتابوں میں لکھا ہے کہ مضطر کو حالتِ اضطرار میں جس قسم کی حرام چیز موجود ہو۔ اس کا کھا پی لینا روا ہے کذا فی التفسیر العزیزی وغیرہ۔ پس جو شخص حنفیوں کے اس مسئلہ پر اعتراض کرتا ہے، وہ قرآن اور حدیث پر اعتراض کرتا ہے۔ اور ان کو برا جانتا ہے۔

سوال نمبر ۱۹:

کتب فقہ ہدایہ چھاپہ مصطفائی کی جلد دوم کے صفحہ ۳۸۲ میں اور ہدایہ مترجم فارسی چھاپہ

نولکشور کی جلد چہارم کے صفحہ ۱۳۴ میں اور سوائے اس کے اور کتب فقہ حنفیہ میں لکھا ہے کہ شراب کا سرکہ بنانا اور اس کا کھانا پینا جائز ہے۔

جواب:

آنحضرت ﷺ سے صحیح مسلم کی حدیث میں سرکہ کی تعریف آئی ہے کہ نعم الادام الخل رواہ مسلم یعنی سرکہ عمدہ سالن ہے اور حنفیہ کا ہی مذہب نہیں ہے بلکہ امام اوزاعی اور لیث کا بھی یہی مذہب ہے۔ پس شراب بھی جب سرکہ بن جائے یا بنائی جائے تو اس کے استعمال میں کون سی قباحت ہے۔ بلکہ وہ سرکہ بھی عمدہ سالن ہے۔ اور نیز یوں بھی حدیث میں وارد ہے کہ شراب کا سرکہ اچھا ہوتا ہے کہ خیر خلکم خل خمرکم شرح مشکوٰۃ جلد ثالث صفحہ ۷۵ مطبوعہ مصطفائی دہلی اور بھی آیا ہے کہ مردار کی کھال کو دباغت پاک کر دیتی ہے جس طرح شراب کا سرکہ حلال ہو جاتا ہے۔ کذا فی العینی۔

پس جو شخص ان حدیثوں کے مضمون کو برا سمجھتا ہے وہ اپنا نامۂ اعمال سیاہ کرتا ہے۔ اور حدیث صحیح کا منکر ہے اور یہ نہیں سوچتا کہ غیر مقلدین کی فقہ الحدیث مقبولہ اور معمولہ کتاب کی رو سے شراب تو پاک اور طیبات سے ہے پھر وہ کیوں حنفیوں پر اعتراض کرتے ہیں اور ان کے مجتہد العصر نواب سید محمد صدیق حسن خاں صاحب بہادر روضہ ندیہ کے صفحہ ۱۱۱ اور صفحہ ۱۲ میں شراب کی پاکی کو بڑے مبالغے سے ثابت کر چکے ہیں اور ان کے امام الحدیث شیخ الاسلام سید نذیر حسین صاحب کے شاگرد مولوی عبدالغفور محمدی استفتاء مرقومہ بالا میں سور کی چربی اور منی کے پاک ہونے سے کھانے اور چاٹنے کی اجازت دے رہے ہیں۔ بحکم آیت کلوا من الطیبات پس ان کے نزدیک تو خود شراب ماکولات اور مشروبات سے ہوگئی۔ پس ان کی فقہ الحدیث میں جو لکھا ہے اور حرام ہے کہ سرکہ بنانا شراب کا سراسر خلاف ان کے اصول کے ہے کیونکہ روضہ ندیہ میں جواز و عدم جواز دونوں پر حدیثیں نقل کی ہیں۔ اور ان کے نزدیک اختلاف سے اصلی حکم میں کچھ خلل نہیں پڑتا ہے جیسا کہ روضہ ندیہ کے صفحہ ۱۰ میں ثابت

ہے۔اور اصل میں ہر شے حلال ہے جب تک اس کی اتفاقی حرمت قرآن اور حدیث سے ثابت نہ ہو۔ چنانچہ روضہ ندیہ کے صفحہ ۲۰۹ میں لکھا ہے۔ پس جب بعض اصحاب اور اہل بیت اطہار سے شراب کے سرکہ بنانے کا جواز ثابت ہوا جیسا کہ صفحہ ۲۲۲ میں ہے۔تو ثابت ہوا کہ عدمِ جواز اس کا ابتداء اسلام میں تھا۔ چنانچہ ابتداء میں استعمال ظروف شراب سے ممانعت تھی۔ پھر جب مسلمان شراب سے بکلی ممتنع ہوگئے تو ممانعت رفع ہوگئی فافهم و انصف۔ پس شراب کو سرکہ بنانے اور کھانے کو حرام کہنا حلال کو حرام کہنا ہے جیسا کہ دررِ بہیہ اور روضہ ندیہ نے کئی حرام اور نجس چیزوں کو حلال اور پاک کر دیا ہے نعوذ باللہ من ذٰلك۔

سوال نمبر ۲۰:

فتاویٰ قاضی خاں چھاپہ نولکشور کی جلد اول کے صفحہ ۱۱ میں لکھا ہے کہ حرام جانور کتا، بھیڑیا وغیرہ اگر بسم اللہ کہہ کر ذبح کیا جائے تو کھال اس کی پاک ہے بلا دباغت اور سور کا چمڑہ دباغت دینے سے پاک ہے۔

جواب:

یہ بھی بہتان ہے حنفیوں کی کسی کتاب میں ایسا نہیں لکھا ہے بلکہ برخلاف اس کے مولانا علی قاری نے فقہ اکبر کی شرح میں لکھا ہے کہ حرام چیز پر بسملہ پڑھنی کفر ہے۔ اور کتاب احسن المسائل ترجمہ اردو کنز الدقائق مطبوعہ طبع گلزار محمدی لکھنؤ صفحہ ۲۶۸ میں اس طرح لکھا ہے جس جانور کا کھانا درست نہیں ذبح کرنے سے اس کا گوشت اور پوست پاک ہو جاتا ہے اگرچہ کھانا حرام ہے لیکن آدمی اور سور کو اگر ذبح بھی کریں ان کا چمڑہ اور گوشت پاک نہیں ہوگا اور انواع بارک اللہ صفحہ ۳۸۴ مطبوعہ مطبع وکٹوریہ لاہور میں بھی ایسا ہی لکھا ہے اور یہ عین مطابق حدیث اذا دبغ الاهاب فقد طهر کے ہے۔ کہ مردار کا چمڑہ دباغت سے پاک ہو جاتا ہے۔ اس پر کوئی اعتراض نہیں آ سکتا۔ اگرچہ حنفیوں کے عقائد کے مطابق بسم اللہ کی تاثیر اس قدر ہے کہ حرام جانور کی کھال پاک ہوگئی۔ اور اس کا صرف استعمال کرنا از روئے

حدیث کے جائز ہوا لیکن ان نامی موحدوں کے نزدیک کافر کا ذبح کیا ہوا بغیر بسملہ کے کھا لینا جائز لکھا ہے۔ حالانکہ کافر کا ذبح کیا ہوا نجس العین ہے۔ جیسا کہ دررِ بہیہ فقہ الحدیث کی عربی شرح روضہ ندیہ میں لکھا ہے۔ لعدم نجاسة ذوات المشركين كما ورد في اكل ذبائحهم و اطعنهم اور عرف الجادی کے صفحہ ۱۱ میں ہے کہ ذبائح اہل کتاب و دیگر نزد وجود ذبح بر بسملہ یا نزد اکل آن حلال ست حرام و نجس نیست یعنی مشرک و کافر کی کٹھی اگر بسملہ سے ہے حلال ہے اگر کافر بسملہ کے بغیر ہی ذبح کرے تو اس گوشت کو مسلمان بسملہ پڑھ کر کھالے حلال ہے۔ وہ ذبیحہ جو بحکم قرآن اور حدیث حرام تھی تمہاری فقہ الحدیث نے حلال کر دی باقی رہا یہ کہ نہج مقبول من شرائع الرسول کے صفحہ ۲۷ میں کافر اور مشرک کے ذبیحہ کے حلال ہونے کی یہ دلیل لکھی ہے کہ عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت ﷺ سے پوچھا کہ نومسلم لوگ گوشت لاتے ہیں معلوم نہیں کہ ذبح کے وقت خدا کا نام لیتے ہیں یا نہیں۔ یہ گوشت کھائیں یا نہ۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم خدا کا نام لے کر کھا لیا کرو۔ یہ حدیث بخاری وغیرہ نے روایت کی ہے پس آپ کے دوبارہ بسملہ کے حکم کرنے سے ثابت ہوا کہ جس ذبیحہ پر بسملہ نہ کریں وہ حلال ہے۔ ذابح مسلمان ہو یا کافر۔ یہ ترجمہ ہے شرائع الرسول کا۔ سبحان اللہ و بحمدہ ایسے تصرفات بیجا کر کے کتابیں لکھنی اور پھر ان کا نام شرائع الرسول رکھنا کیا ان غیر مقلدین کا دین ہے۔ اور پھر اعتراض حنفیوں پر کرتے ہیں حالانکہ ایسے خرافات ان کی کتابوں میں درج ہیں۔ کوئی مسلمان ان کے فریب نہ آئے۔ اور بڑے بڑے محدث اور مفسر دین دار پرہیزگار لکھتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اس شک سے شاید وقت ذبح کے بسملہ پڑھی گئی ہے یا نہیں یقین اس امر کا کہ مسلمان بسملہ ہی سے ذبح کرتے ہیں گو نومسلم ہی ہوں زائل نہیں ہوتا اس گوشت پر مثل دوسرے حلال گوشتوں کے بسملہ پڑھ کر کھاؤ۔ اور فی الحقیقت یہی مطلب ہے۔ اس میں کافروں اور مشرکوں کے ذبح کرنے کا تو اشارہ کنایہ بھی نہیں ان کے نزدیک کافر و مشرک کی بسملہ نے یہ تاثیر کر دی کہ وہ ذبیحہ حلال ہوگئی۔ مولوی غلام علی امرتسری نے پہلے صفحہ تحقیق الکلام میں حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، چشتی،

قادری، نقشبندی، سہروردی، سب کو بدعتی لکھا ہے۔ اور پھر صفحہ ۹ میں مشرک فی الرسالت اور مشرک فی التوحید لکھا ہے۔ اور پھر صفحہ ۳۸ میں ان کو کافر لکھا ہے پس جو لوگ دینِ اسلام کے ایسے پکے دشمن ہیں کہ مقتدائے دین جن کی تعریفیں صدہا دینی کتابوں میں درج ہیں ان کو کافر ومشرک بنایا ہے تو اگر ان کے نزدیک کافر کی کٹھی جائز ہوئی کیونکہ وہ بھی شرعاً حرام اور نجس العین ہے تو ان کے اصول کے مطابق کتے اور بھیڑیے پر بسملہ کا پڑھ لینا کیا بلکہ ان کا گوشت کھانا بھی حلال ہوا۔ کیونکہ قرآن میں صرف گوشت خنزیر کا حرام لکھا ہے۔ پھر وہ حنفی مذہب پر کیوں اعتراض کرتے ہیں۔

سوال نمبر ۲۱:

اسی کتاب کی جلد چہارم کے صفحہ ۳۹۴ میں اور فتاویٰ سراجیہ کی جلد سوم کے صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے کہ اگر پیشاب کے ساتھ قرآن لکھ لے تو مضائقہ نہیں۔

سوال نمبر ۲۲:

پھر اس کی کتاب فتاویٰ قاضی خاں چھاپہ نولکشور کی جلد چہارم میں اور فتاویٰ سراجیہ جو فتاویٰ قاضی خاں کے حاشیہ پر چڑھا ہوا ہے اس کی جلد سوم کے صفحہ ۳۱ میں لکھا ہے کہ اگر مردار جانور کی کھال پر قرآن لکھ لے تو بھی مضائقہ نہیں۔

سوال نمبر ۲۳:

ردالمحتار شرح در المختار چھاپہ دہلی کی جلد اول کے صفحہ ۱۴۰ میں لکھا ہے یعنی جو روایت نہایہ کا خلاصہ ہے نقل کیا ہے اس کو صاحب ہدایہ نے تجنیس میں پس کہا اگر کسی کی نکسیر پھوٹے پس لکھے سورہ فاتحہ کو ساتھ خون کے اپنی پیشانی اور اپنی ناک پر تو جائز ہے واسطے شفا کے اور ساتھ پیشاب کے بھی سورہ فاتحہ کا لکھنا جائز ہے اور اگر جانا جاوے کہ اس (یعنی حرام) میں شفا ہے تو مضائقہ نہیں۔

مفصلہ بالا تینوں سوالات کا ایک ہی جواب آوے گا۔

جواب:

مرتے کی جان بچانی اور حالتِ اضطرار کا یہ مسئلہ ہے اور حالتِ اضطرار میں قرآن مجید اور صحیح حدیثوں سے بقدر ضرورت حرام اور پلید چیزوں کے کھا لینے اور دوا کے طور پر برت لینے کی اجازت ہے جیسا کہ اوپر بھی مذکور ہو چکا۔ اور باوجود اس کے یہ مسئلہ ضعیف ہے۔ فقہ کے متنوں اور شرحوں میں جو بہت معتبر ہوتی ہیں اس کا ذکر نہیں ہے۔ اور فتاووں میں تو ضعیف روایتیں بھی ہوتی ہیں حنفی مذہب پر اعتراض نہیں ہو سکتا۔ اور کیونکر اعتراض آئے جب سارے فقہ کے متنوں اور شرحوں بلکہ فتاووں میں بھی لکھتے ہیں کہ آدمی اور حیوانات حرام گوشت کا بول اور خون جاری پلید بھاری ہے جس کے لگنے سے کپڑا بدن جگہ پلید ہو جاتی ہے۔ کذا فی الدر المختار وغیرہ اور حنفی کیا سارے اہل سنت کے نزدیک قرآن مجید کا اس قدر ادب ہے کہ اس کو بے وضو ہاتھ میں لینا درست نہیں۔ کذا فی جامۃ الکتب اور قرآن مجید کے سکی جیسے قاذورات میں ڈال دینا کفر ہے۔ کذا فی شرح فقہ اکبر وغیرہ البتہ ان نامی حدیث کے چلنے والوں کے نزدیک سوائے خون حیض و نفاس کے سارے جاری خون اور تمام حیوانات کے بول و براز پاک ہیں درربہیہ جو ان کی فقہ الحدیث ہے۔ اس کی عربی شرح روضہ ندیہ میں ان کے مجتہد العصر نواب صدیق حسن خاں صاحب بہادر صفحہ ۸، ۹، ۱۰ میں ان چیزوں کو پاک لکھتے ہیں۔ چنانچہ اس کا ذکر پہلے بھی آچکا ہے پس جن کے نزدیک سور کتے، ریچھ وغیرہ کے بول و براز و خون پاک ہیں۔ ان کے نزدیک ان چیزوں سے قرآن مجید کا بھی لکھ لینا جائز ہوا۔ اور عرف الجادی جو نواب صاحب نے اپنے فرزند ارجمند کی کتاب تصحیح کر کے بھوپال میں چھپوائی ہے۔ اس کے صفحہ ۱۵ میں لکھا ہے۔ یعنی بے وضو قرآن کو ہاتھ لگانا روا ہے۔ اور رسالہ تحریق اوراق میں جو قرآن شریف کے جلانے کے باب میں لاہوری امرتسری وغیرہ موحدوں کے اتفاق سے چھپا ہے اور مولوی غلام علی اور مولوی عبد الجبار اور مولوی احمد اللہ امرتسریاں اس میں مقدمۃ الجیش ہیں اس کے صفحہ ۴ میں لکھتے ہیں کہ کسی عذر

سے قرآن شریف کا قاذورات میں ڈال دینا کفر نہیں رخصت ہے۔ پھر صفحہ ۵ میں لکھتے ہیں کہ اگر کوئی اور چیز نہ ہو تو قرآن شریف کو پاؤں کے نیچے رکھ کر اونچے مکان سے کھانا اوتار لینا روا ہے۔ اور نیز حاجت کے وقت قرآن شریف کو کشتی میں نیچے ڈال لینا روا ہے۔ یہ مسئلے ان نامی حدیث پر چلنے والوں کے ہیں اور حنفی ان کو مردود سمجھتے ہیں۔ باقی رہا چمڑا مردار کا سو بحکم حدیث شریف اذا دبغ الاهاب فقد طهر یعنی چمڑا دباغت سے پاک ہو جاتا ہے۔ پس پاک چیزوں پر قرآن شریف لکھنے کی کیا قباحت ہے۔ البتہ ان کی فقہ الحدیث کی رو سے چمڑا کیا مردار کا گوشت اور گوہ موت بھی پاک ہے۔ روضہ ندیہ کے صفحہ ۸، ۹، ۱۰ کو دیکھو۔

اور اگر کسی کی نکسیر پھوٹے۔ فتاویٰ قاضی خاں میں لکھا ہے کہ والذی رعف فلا يرقا دمه فاراد ان يكتب بدمه على جيفة شيئاً من القرآن قال ابو اسكاف يجوز قيل لو كتب بالبول قال لو كان فيه شفاء لا باس فيه قيل لو كتب على بلد ميتة قال ان كان فيه شفاء جاز سو یہ تینوں صورتیں مطابق آیت انما حرم عليكم الميتة والدم ولحم الخنزير وما احل به لغير الله فمن اضطر غير باغ فلا اثم عليه کے ہیں کیوں کہ جب اضطرار کی حالت میں خدا تعالیٰ نے قطعی حرام چیزیں مباح کر دیں تو دوا حرام اگر اس میں شفاء منحصر ہو اور بجز اس کے اور کوئی دوا واسطے بقاء جان کے میسر نہ ہو کیوں مباح نہ ہوگی ہاں اگر علمائے مطلق علاج حرام دوا کے ساتھ جائز کرتے تو البتہ قابلِ اعتراض ہوتا۔ مگر وہ تو بار بار یہی کہتے ہیں کہ اگر اسی میں شفاء منحصر ہے۔ اور بجز اس کے اور کوئی دوا نہیں تب جائز ہے۔ چنانچہ شامی و در مختار میں سوال بالا کی رو سے ظاہر ہے۔ پس جب غیر مقلدین کے نزدیک ایسے ایسے مسائل جو اوپر مذکور ہوئے جائز ہیں تو حنفی مذہب کو بدنام کرنے کے لیے اپنے اوپر سے رفع اعتراض کرنا چاہتے ہیں۔ اسے رفع اعتراض نہیں ہو سکتے حنفی مذہب ہمیشہ سے بے عیب لگا آیا ہے جس میں ہزارہا اولیاء اللہ ہوئے ہیں۔ جن کا یہی مذہب رہا ہے اور وہ مقلد بھی ہوئے ہیں۔

سوال نمبر ۲۴:

معتبر کتب فقہ غایۃ الاوطار ترجمہ اردو در مختار چھاپہ نولکشور کی جلد دوم کے صفحہ ۲۴۰ میں اور فتح القدیر مطبوعہ مطبع نولکشور کی جلد دوم کے صفحہ ۲۳۹ میں لکھا ہے کہ جو شخص اپنی منکوحہ عورت سے برس بھر کی راہ کے فاصلے پر دور رہتا ہے۔ اور دونوں زن و مرد مشرق و مغرب (یعنی بعد) کے سبب یک جا نہ ہو سکیں اور اس کی عورت چھ مہینہ میں بچہ جن لے تو یہ خیال کر لیا جائے گا کہ اس شخص نے کرامت کے ساتھ اپنی عورت سے وطی کی ہوگی یا جن اس کے تابع ہوگا اس کے ذریعہ سے وطی کی ہوگی۔ پس وہ لڑکا مولود ثابت النسب ہے۔

جواب:

یہ امر کوئی مذہب حنفی سے ہی تعلق نہیں رکھتا۔ اور نہ کوئی روایت مفتی بہ اس پر قائم ہوئی ہے۔ اگر وہ لڑکا ثابت النسب ہو یا نہ ہوا سے مذہب حنفی پر کیا اعتراض آ سکتا ہے۔ اور کوئی واقعہ اس قسم کا کسی کتاب میں دیکھا نہیں گیا۔ اگر کوئی ایسا واقعہ وقوع میں آیا ہے تو آپ ثابت کریں تب مفصل جواب دیا جائے گا۔ اگر شاذ و نادر کوئی وقوعہ ہوا بھی تو ایسا واقعہ شاذ کے حکم میں والشاذ کالمعدوم۔ باوجود اس کے جو لوگ اولیاء اللہ کی کرامت کے قائل ہیں ان کے نزدیک اس مولود کی ثابت النسب اور صحیح النسب ہونے میں کچھ شک ہی نہیں۔ اگر غیر مقلدین اس بات کو نہ مانتے ہوں تو نہ مانیں۔

سوال نمبر ۲۵:

عینی شرح ہدایہ چھاپہ نولکشور کی جلد دوم کے صفحہ ۶۷۸ میں لکھا ہے کہ اگر وطی کرے اپنے غلام سے دبر میں یا لونڈی کی دبر میں یا اپنی عورت منکوحہ کی دبر میں تو نہیں ہے حد اس پر اور اس میں اختلاف نہیں ہے۔ پس وطی کرنا عورت و مرد کی دبر میں مذہب حنفیہ میں حلال ہے۔

جواب:

اللہ تعالیٰ قرآن شریف میں فرماتا ہے کہ لعنة الله على الكاذبين حنفیوں کی کسی کتاب

میں ایسا نہیں لکھا ہے یہ صرف بہتان ہے کیونکہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ وروی ابو ہریرۃ رضی اللہ عنہ عن النبی ﷺ انہ قال ملعون۔ ملعون ملعون من عمل عمل قوم لوط الی آخر الحدیث۔ دیکھو کتاب ریاض الناصحین صفحہ ۳۳۵ فصل ششم اور نیز حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ ملعون من اتی امراۃ فی دبرھا۔ دیکھو تحفہ اثناء عشریہ صفحہ ۲۰۴ مطبوعہ نولکشور۔ حد نہ ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ کام جائز ہے یا یہ کہ یہ گناہ کی بات نہیں یا اس پر کسی قسم کی سزا ہی نہیں ایسا ہرگز نہیں فقہ حنفی میں ایسے مجرم کو سخت سے سخت سزا دینی چاہیے یعنی تعزیر کرنی چاہیے اس میں اختلاف نہیں ہے۔ نہ یہ کہ اس کو سزا نہ دی جائے یہ صریح بہتان مذہب حنفی پر ہے کہ عبارت کے مطلب کو صریحاً اولٹا دیا۔ اور نتیجہ وہی نکال دیا کہ مذہب حنفی میں وطی فی الدبر جائز ہے بھلا آپ یہ تو ثابت کریں کہ آخیر کا فقرہ جو آپ نے نتیجہ کے طور پر لکھا ہے۔ کون سی حنفی مذہب کی کتاب میں لکھا ہے کہ مخالف کو چاہیے کہ صاف صاف عدم حکم سزا کا ثابت کرے اگر ثابت نہ کرو گے تو دروغ گو اور مفتری کہلاؤ گے اور آیت مذکورہ کے تحت میں آؤ گے ساری عبارت اس کتاب کی اچھی طرح سے پڑھو اور لاتقربوا الصلاۃ پر عمل نہ کرو۔ اور مقدم اور موخر عبارتوں کا بھی خیال کر لیں تا کہ پھر دوبارہ دھوکہ میں آنہ آویں ورنہ اہل دین کے سامنے شرمندگی اٹھانی پڑے گے۔ واللہ یھدی من یشاء الی صراط مستقیم اللھم انصر من نصر دین محمد ﷺ وجعلنا منھم واخذل من اعرض من دین محمد ﷺ ولا تجعلنا منھم وصلی اللہ تعالی علی رسول خیر خلقہ محمد و آلہ واصحابہ اجمعین۔

اونٹ کی قربانی

اونٹ کی قربانی میں دس افراد کی شرکت

ایک تحقیق، ایک جائزہ

اس سال سن ۱۴۲۹ھ عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر گوجرانوالہ شہر کے غیر مقلدین نے اس مسئلہ پر کافی زور دیا ہے کہ اونٹ کی قربانی میں دس افراد کا شریک ہونا سنت ہے۔ وہ اپنی اس بات کو ثابت کرنے کیلئے جو حدیث پیش کرتے ہیں ہم اس کو یہاں پر نقل کر کے اس کا جواب عرض کرتے ہیں ناظرین ملاحظہ فرمائیں۔

حدثنا ھدبۃ بن عبدالوھاب انبا الفضل بن موسیٰ انبا الحسین بن واقد عن علیاء بن احمر عن عکرمہ عن ابن عباس قال کنا مع رسول اللہ ﷺ فی سفر فحضر الاضحی فاشترکنا فی الجزور عن عشرۃ والبقرۃ عن سبعتہ

ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سفر میں تھے کہ عیدالاضحیٰ کا دن آ گیا تو ہم نے اونٹ میں دس حصے اور گائے میں سات حصے کیے۔

(سنن ابن ماجہ، باب: عَنْ کَمْ تُجْزِیُٔ الْبَدْنَۃُ وَالْبَقَرَۃُ، حدیث: ۹۱۷)

اس حدیث کے کئی جوابات ہیں:

جواب نمبر ①:

اس حدیث کی سند میں ایک راوی فضل بن موسیٰ ہے جو کہ ٹھیک نہیں ہے۔ علامہ ذہبی (میزان الاعتدال ج ۳ ص ۳۶۰) میں نقل کرتے ہیں یروی عن صغار التابعین ما علمت فیہ لیناً الا ما روی عبداللہ بن علی المدینی، سمعت ابی و سئل بن ابی تمیلۃ والسینانی فقدم ابا تمیلۃ وقال روی الفضل احادیث مناکیر۔

وہ چھوٹے تابعین سے روایت کرتے ہیں میں اس کے بارے میں نہیں جانتا مگر وہ جو عبداللہ بن علی المدینی روایت کرے، میں نے اپنے والد سے سنا کہ ان سے ابوتمیلہ اور سینانی کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے ابوتمیلہ کو مقدم گردانا اور کہا کے فضل نے منکر احادیث روایت کی ہیں۔

حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی نقل کرتے ہیں:

قال عبداللہ بن علی بن المدینی سالت ابی عن حدیث الفضل بن موسیٰ عن معمر عن ابن طاؤس عن ابیہ عن ابن الزبیر قال قال رسول اللہ ﷺ من شہر سیفہ فرمہ ھدء فقال منکر ضعیف وقال عبداللہ ایضا سالت ابی عن الفضل وابی تمیلۃ فقدم ابا تمیلۃ وقال روی الفضل مناکیر۔

(تہذیب التہذیب، ج۸ ص۲۸۷)

عبداللہ بن علی بن المدینی نے کیا کہ میں نے اپنے والد سے فضل بن موسیٰ عن معمر والی حدیث کے بارے میں پوچھا۔ تو اس نے کہا کہ منکر اور ضعیف اور عبداللہ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے اپنے والد سے فضل اور ابوتمیلہ کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے ابوتمیلہ کو مقدم گردانا اور فرمایا کے فضل نے منکر احادیث روایت کی ہیں۔

جواب نمبر ②:

اس حدیث کی سند میں دوسرا راوی حسین بن واقد ہے جو ضعیف بھی ہے اور مدلس بھی اور غیر مقلدین کے نزدیک مدلس کا عن سے روایت کرنا قابل قبول نہیں۔

① حافظ ابن حجر عسقلانی شافعی لکھتے ہیں ثقۃ لہ اوھام
ثقہ ہے مگر وہمی ہے (تقریب ۱۳۵۸)

② علامہ ذہبی لکھتے ہیں: "استنکر احمد بعض حدیثه"
امام احمد نے اس کی بعض احادیث کو منکر قرار دیا ہے۔

(المغنی فی الضعفاء ج ا ص ۲۶۹)

③ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں

قال عبداللہ بن احمد عن ابیه ما انکر حدیث حسین بن واقد عن ابی المنیب وقال العقیلی انکر احمد بن حنبل حدیثه۔

عبداللہ بن احمد اپنے والد (امام احمد بن حنبل) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے حسین بن واقد کی حدیث کا انکار کیا ہے
اور عقیلی نے فرمایا ہے کہ احمد بن حنبل نے اس کی حدیث کا انکار فرمایا ہے۔

(تہذیب ج ۲ ص ۳۷۴)

④ امام ابن حبان فرماتے ہیں:

"ربما اخطاء فی الروایات" "بسا اوقات وہ روایات میں خطا کر جاتا ہے"

(تہذیب ج۲ ص ۳۷۴)

⑤ **قال الاثرم قال احمد فی احادیث زیادۃ ما ادری ایی شیئی ھی ونقض یدہ۔** (تہذیب ج۲ ص ۳۷۴)

"امام اثرم نے کہا ہے۔ امام احمد نے فرمایا کہ اس کی احادیث میں زیادتی ہوتی ہے۔ میں نہیں جانتا وہ کونسی چیز ہے۔ اور امام احمد نے اپنے ہاتھ کو مارا"

⑥ **قالا الساجی فیه نظر وھو صدوق یعم** (تہذیب ج۲ ص ۳۷۴)

امام ساجی فرماتے ہیں اس میں نظر ہے اور وہ سچے ہیں البتہ اس پر تہمت ہے۔

⑦ ایک روایت میں ہے کہ **حدثنا احمد بن احرمہ بن خزیمہ قال سمعت احمد بن حنبل وقیل له فی حدیث ایوب عن نافع عن ابن عمر عن النبی ﷺ فی الملبقته فانکرہ ابو عبداللہ وقال من ردی ھذا قیل له الحسین بن واقد فقال بیدہ وحرک داسه کانه لم یرضه** (کتاب الضعفاء الکبیر ج ا ص ۲۵۱)

احمد بن احرمہ بن خزیمہ نے فرمایا میں نے احمد بن حنبل سے سنا کہ ان سے پوچھا گیا ایوب عن نافع عن ابن عمر کی حدیث میں تو ابوعبداللہ نے انکار کیا اور پوچھا کے اس کو کس

نے روایت کیا ہے۔ تو کہا گیا ''حسین بن واقد'' نے تو اپنے ہاتھ سے اشارہ کر کے اپنے سر کو ہلایا گویا کے انھوں نے عدم رضامندی کا اظہار کیا۔

⑧ اور ایک روایت میں ہے کہ حدثنی الخضر بن داؤد قال حدثنا احمد بن محمد قال ذکر ابو عبد اللہ حسین بن واقد فقال: واحادیث حسین ما اری ایی شیءٍ ھی ونقض یدہ (کتاب الضعفاء الکبیر ج ا ص ۲۵۱)

خضر بن داؤد نے مجھے کہا کہ ہمیں احمد بن محمد نے بتایا کہ ابوعبداللہ حسین بن واقد کا ذکر کیا اور کہا کے حسین کی احادیث میں مَیں خیال نہیں کرتا کے وہ کیا ہے اور اپنے ہاتھ کو مارا۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ غیر مقلدوں کا اس روایت سے استدلال کرنا صحیح نہیں۔

جواب نمبر ③:

صحیح مسلم میں ایک قولی حدیث ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

حدثنا یحیٰی بن یحیٰی اخبرنا ابو خیثمة عن ابی الزبیر عن جابر ح و حدثنا احمد بن یونس حدثنا زھیر حدثنا ابو الزبیر عن جابر رضی اللہ عنہ قال خرجنامع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مھللین بالحج فامرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نشترك فی الابل والبقر کل سبعة منا فی بدنة۔

''حضرت جابر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کا تلبیہ کہتے ہوئے گئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں حکم دیا کہ ہم اونٹ اور گائے میں سات سات آدمی شریک ہو جائیں'' مسلم باب جواز الاشتراك فی الھدی

اب یہاں پر قول اور فعل کے درمیان تعارض آ گیا اور اصولیین کے نزدیک جب قولی اور فعلی حدیث کے درمیان تعارض آ جائے تو ترجیح قول کو ہوتی ہے جیسا کہ علامہ نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ

''تعارض القول و الفعل والصحیح حینئذ عند الاصولیین ترجیح القول''

(نووی شرح مسلم ج ا ص ۴۵۳)

جب قول اور فعل کا تعارض ہو تو اصولیین کے ہاں صحیح بات یہ ہے کہ ترجیح ''قول'' کو دی جاتی ہے۔

جواب نمبر ④:

تعجب ہے کہ غیر مقلدوں پر کہ ان کے نزدیک صحابہ کرامؓ کے اقوال اور افعال حجت نہیں لیکن پھر بھی وہ عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہ ضعیف اثر دلیل بناتے ہیں

اور اس سے بڑھ کر تعجب اس بات پر ہے کہ جب حج کے دوران کسی پر دم لازم آ جائے اور وہ اونٹ کی قربانی کرے تو سات حصے مانتے ہیں اور قربانی کے اونٹ کے دس حصے مانتے ہیں۔

جواب نمبر ⑤:

یہ حدیث منسوخ ہے اور اس کے ناسخ وہ احادیث ہیں جسمیں سات آدمیوں کی صراحت ہے مثلاً حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نحرنا مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بالحدیبیة البدنة عن سبعة والبقرة عن سبعة۔ (ترمزی ص ۱۸۰ ج ۱)

یعنی ہم نے حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مل کر اونٹ بھی سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کیے اور گائے بھی سات آدمیوں کی طرف سے ذبح کی۔

امام ترمذی نے فرمایا یہ حدیث حسن ہے صحیح ہے اور اسی پر عمل ہے علمائے صحابہ وغیرہم کا اور یہی قول ہے سفیان ثوری اور ابن مبارک کا اور شافعی اور احمد (کا)۔

(ترمذی مترجم علامہ بدیع الزماں ج ا ص ۵۶۵)

حدیث نمبر ۲: حدثنی محمد بن حاتم حدثنا وکیع حدثنا عزرة بن ثابت عَنْ اَبِی الزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ حَجَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم فَنَحَرْنَا الْبَعِیْرَ عَنْ سَبْعَةٍ وَالْبَقَرَةَ عَنْ سَبْعَةٍ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کیا،

سات آدمیوں کی طرف سے اونٹ کو نحر کیا اور سات آدمیوں کی طرف سے ہی گائے کی قربانی کی۔ (مسلم شریف، باب: جواز الاشتراک فی الھدی)

حدیث نمبر۳: حَدَّثَنِیْ مُحَمَّدُ بْنُ حَاتِمٍ حَدَّثَنَا یَحْیَی بْنُ سَعِیْدٍ عَنِ ابْنِ جُرَیْجٍ قَالَ اَخْبَرَنِیْ اَبُو الزُّبَیْرِ عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ رضی اللہ عنہما قَالَ اشْتَرَکْنَا مَعَ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فِی الْحَجِّ وَالْعُمْرَۃِ کُلُّ سَبْعَۃٍ فِیْ بَدَنَۃٍ فَقَالَ رَجُلٌ لِّجَابِرٍ رضی اللہ عنہ اَیُشْتَرَکُ فِی الْبَدَنَۃِ مَا یُشْتَرَکُ فِی الْجُزُوْرِ قَالَ مَا ھِیَ اِلَّا مِنَ الْبُدْنِ وَحَضَرَ جَابِرٌ حُدَیْبِیَۃَ قَالَ نَحَرْنَا یَوْمَئِذٍ سَبْعِیْنَ بَدَنَۃً اشْتَرَکْنَا کُلُّ سَبْعَۃٍ فِیْ بَدَنَۃٍ۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ ہم حج اور عمرہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے اور سات سات آدمی ایک قربانی میں شریک ہو گئے تھے۔ ایک شخص نے حضرت جابر سے دریافت کیا کہ جس طرح قربانی کے اونٹ میں شریک ہو سکتے ہیں کیا اسی طرح بعد کے خریدے ہوئے اونٹ میں بھی شرکت جائز ہے۔ انہوں نے کہا پہلے سے اور بعد میں خریدے ہوئے دونوں اونٹوں کا حکم ایک ہے، حضرت جابر حدیبیہ میں موجود تھے، حضرت جابر نے کہا کہ ہم نے ستر اونٹ ذبح کیے اور ہر اونٹ میں سات آدمی شریک تھے۔
(مسلم شریف باب اشتراک فی الھدی)

فتاویٰ علمائے حدیث کا حوالہ

(فتاویٰ علمائے حدیث ص ۱۵۰، ج ۱۳ میں ہے صحیح بخاری و مسلم و سنن ابی داوٗد میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے روایت ہے امرنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان نشترك فی الابل والبـ ة منا فی بدنۃ "ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اونٹ اور گائے ہر بدنۃ میں سات سات آدمی شریک ہو جائیں۔

جواب نمبر ⑥:

اگر بالفرض ہم مان بھی لیں کہ یہ روایت ثابت ہے تو اس سے صرف اتنی بات ثابت ہوتی

ہے کہ بعض صحابہ نے ایسا کیا۔ یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنی رائے اور اجتہاد سے کیا جیسے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ غنیمت کی تقسیم میں ایک اونٹ کے برابر دس بکریاں کو شمار کیا تو انہوں نے ایک اونٹ کو قربانی میں دس بکریوں کے قائم مقام بنایا۔ لہٰذا یہ ان کا اجتہاد تھا۔ اس کے مقابل میں ہمارے پاس مرفوع حدیث ہے۔ اس لیے اس کے مقابلہ میں موقوف اجتہاد قبول نہیں ہو سکتا۔

جواب نمبر ⑦:

امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں اور حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہما کی حسن ہے غریب ہے۔ نہیں پہچانتے ہم اس کو مگر فضل بن موسیٰ کی روایت سے۔
(ترمذی مترجم علامہ بدیع الزماں غیر مقلد ج ۱ ص ۵۶۵)

جواب نمبر ⑧:

یہ سفر کا واقعہ ہے اور مسافر پر قربانی واجب نہیں ہے اگر وہ کچھ بھی نہ کرتے تو ان پر کچھ گناہ نہ تھا اسی طرح اگر وہ دس میں شریک ہوں تو بھی ان پر کچھ الزام نہیں ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امام ابو حنیفہؒ اور قرآن و سنت

سوال نمبر ۱:

''بخاری شریف اور احادیث کی دوسری کتابیں پڑھتے ہوئے بعض اوقات ایسے اشارات ملتے ہیں کہ گویا امام ابو حنیفہؒ قرآن و سنت کے مقابلے میں رائے اور قیاس کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس مسئلہ کی حقیقت کیا ہے؟

(ایک جج)

جواب:

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ امام ابو حنیفہؒ اسلامی قانون کے پہلے مدون تھے۔ جس طرح قرآن کریم ان کی نظروں میں تھا' اسی طرح احادیث کا پورا ریکارڈ بھی ان کے سامنے تھا مگر دفاتر کی شکل میں تھا۔ اس لیے کہ اسلامی قانون کے اولین ماخذ قرآن و سنت ہی تھے۔ یہ کس طرح ہو سکتا ہے کہ وہ اسلامی قانون کی تدوین قرآن و سنت کے بالمقابل کرتے۔ حقیقتاً قرآن و سنت کے نصوص پر ہی تدوین ہوئی۔ البتہ فہم نصوص میں اختلاف ضرور ہوا۔ فقہاء وہ طبقہ تھا جو قرآن و سنت سے قوانین اخذ کرتا تھا۔ محدثین وہ لوگ تھے جنہوں نے قرآن کے ساتھ سنت کی صحیح نصوص کی تنقیح کی۔ اس کی مثال یوں ہے کہ ایک فریق نے لکڑی فراہم کی اور دوسرے نے اس سے فرنیچر تیار کیا۔

امام ابو حنیفہؒ کے دور ہی میں اسلامی قانون کے اصول وکلیات بھی منقح ہوئے تھے۔ چلتے چلتے یہ اصول وکلیات ایک فن بن گئے اور ہم تک اس فن کی جو پہلی کتاب پہنچی ہے وہ امام ابوالحسن کرخی بغدادی (۲۶۰ھ۔۳۷۰) کا رسالہ اصولِ کرخی ہے۔ امام کرخی ابن ماجہ' ابوداؤد' ترمذی' دارمی' بزاز' نسائی جیسے محدثین کے ہم عصر تھے۔ امام کرخی نے جو ۳۹' اصول جمع کیے ان میں سے ۲۸واں اصول یہ ہے:

﴿الاصل ان کل آیة تخالف قول اصحابنا فانّها تحمل علی النسخ او علی الترجیح او علی التاویل من جهة التوفیق﴾ (یعنی اصول یہ ہے کہ جو آیت ہمارے ساتھیوں کے قول کے خلاف ہو تو اسے نسخ یا ترجیح یا تاویل پر' از روئے توفیق محمول کیا جائے گا)۔

اس اصول کی یہ تشریح کہ احناف قرآن و سنت کے خلاف ہیں اور اپنے اقوال کو قرآن سنت سے برتر سمجھتے ہیں یا قرآن و سنت کے مقابلے میں اپنے قول یا اپنی رائے کو ترجیح دیتے ہیں' احناف کے مستند مسلک اور تصریحات اور توجیحات کے خلاف ہے۔ لیکن اس اصول کو ان الفاظ میں بیان کرنے سے غلط فہمی پیدا ہوئی اور محدثین اس کو دوہراتے چلے گئے اور انہوں نے احناف کا لقب ہی اہل الرائے بنا دیا۔ حالانکہ مقصد یہ تھا کہ بعض اوقات ہمارے اصحاب کا قول جو قرآن سنت کے خلاف نظر آتا ہے وہ نص یا منسوخ ہوتی ہے یا اس کے مقابلے میں دوسری نص کو ترجیح دی گئی ہوتی ہے یا مختلف دلائل کے درمیان تطبیق کی گئی ہوتی ہے اور یہ کام تمام محدثین اور فقہاء کرتے ہیں۔

باوجود اس کے کہ اسلامی شریعت کے قواعد میں سے ایک قاعدہ یہ بھی ہے کہ تاویل القول بما لا یرضی به قائله باطل (کسی کے قول کا یہ معنی لینا کہ اس کا قائل وہ معنی نہ لیتا ہو' جائز نہیں ہے) مگر محدثین اور مخالفین ایک عرصہ تک حنفی فقہاء پر یہ الزام لگاتے رہے اور حدیث کی بنیادی کتابوں میں اس کی تصریح ہونے کی وجہ سے یہ الزام قیامت تک کے لیے ریکارڈ ہو گیا۔ اللہ تعالیٰ تمام سلف صالحین کو معاف کرے اور انہیں جنت میں جگہ دے

اور اب بہر حال احناف کے بارے میں کوئی بھی یہ الزام نہیں لگاتا۔

فقہی اختلافات میں ترجیح وتوفیق کا عمل بہر حال جاری رہتا ہے۔لیکن ہمارے دور میں اگر ایک طرف ائمہ اربعہ کے پیروکاروں کے درمیان اختلاف کی شدت کم ہوگئی ہے اور اس میں مواصلات کی ترقی اور حج کے موقع پر زیادہ انٹرایکشن کا دخل ہے لیکن دوسری جانب سے بعض ممالک، کی طرف سے سلفیت کی پرجوش تبلیغ کرنے والے لوگوں کو وافر مالی امداد دی جاتی ہے۔ یہ لوگ آج کل افغانستان پہنچے ہوئے ہیں جہاں لوگوں کی اکثریت حنفی ہے۔اگر سب کو سلفی بنا دیا جائے تو اس سے کیا فرق پڑے گا۔لیکن وہاں سلفیت اور حنفیت کی کشمکش پیدا کرنے سے امارت اسلامیہ کمزور ہوگی۔

بہر حال سلفیت وحنفیت کی کشمکش بھی وہی کشمکش ہے جو محدثین اور امام ابوحنیفہؒ کے درمیان رہی۔ علمائے کرام سے گزارش ہے کہ اس معاملے میں اعتدال، رواداری، اور بردباری کا مظاہرہ کیا جائے۔